حافظ نصیر حسین، اسدی
نصیر حسین اسدی
12-12-88

الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی

سیرۃ الفاطمہؑ

سوانح عمری جناب سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا

مصنفہ

جناب مولانا مولوی حکیم سید ذاکر حسین صاحب

مترجم نہج البلاغہ

ناشر

افتخار بک ڈپو اسلام پورہ۔ لاہور

فہرست کتاب سیرت فاطمہؑ

(الارشاد پریس لاہور)

دیباچہ

التماس و اعتذار

بادی النظر میں سیرت نویسی ایک آسان کام ہے۔ کسی شخص کے حالات مشہورہ کا ایک جگہ جمع کر دینا سیرت نویس کو اس کے فرض منصبی سے سبکدوش کرنے کے لئے کافی ہے۔ لیکن صاحبانِ نظر اور اربابِ فہم جب اس سمندر کی گہرائی پر غور کرتے ہیں تو انہیں سوائے حیرانیوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ انہیں قدم قدم پر انسانی عجز کی تصویر نظر آتی ہے۔ اور انہیں بے ساختہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم اس شناوری میں عاجز یقیناً عاجز۔ مجبور حقیقۃً مجبور۔

سیرت اور مفہوم سیرت

ہم کسی امر کی آسانی یا مشکلات کا اندازہ نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کے مفہوم کو نہ سمجھ لیں اسی لئے سیرت نویسی سے پہلے ہمیں مفہوم سیرت کو مدنظر رکھنا پڑے گا اور اسے مدنظر رکھنے سے گو ہماری مشکلات میں اضافہ ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اعترافِ عجز ان مشکلات کو آسانی کی شکل میں تبدیل کر دے گا یعنی گو ہم ان مشکلات سے عہدہ برآ

یقیناً نہ ہوں گے۔ اور نہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اعترافِ عجز کی بدولت سعادت کا کچھ نہ کچھ حصّہ ہمیں مل جائے گا۔ کیونکہ یہ اعتراف بھی منازلِ حکمت میں سے ایک منزل ہے

میرے دوستو! سیرت تصویرِ باطنی کا نام ہے۔ کیفیاتِ قلبیہ کا نام ہے حقائقِ واقعیہ کا نام ہے۔ یعنی اگر کسی کی سیرت ہم لکھنا چاہیں تو ہمارا فرض یہ ہوگا کہ اس کی باطنی تصویر لفظوں میں کھینچ دیں۔ اس کی قلبی حالت پر خود مطلع ہو کر دوسروں تک اطلاع پہنچا دیں۔ اس کے حقائقِ واقعیہ کا انکشاف اس حیثیت سے ہو کر علمی دسترخوان پر ہر مہمان کے سامنے جامِ جہان نما چلتا ہوا نظر آئے۔ لیکن یہ کوشش ایک بے سود کوشش ہے۔ اس جد و جہد میں ہمیں یقیناً محالاتِ عقلیہ سے دوچار ہونا پڑے گا اور کبھی کامیابی میسر نہ آئے گی۔ اگرچہ طائرِ عقل کی پرواز ساختِ قدس ہی تک کیوں نہ پہنچ جائے۔

اربابِ قلب پر روشن ہے کہ عالمِ کون و فساد میں جس قدر تجلیات ہمیں نظر آتی ہیں۔ اُن میں سے کسی ایک کی بھی حقیقتِ واقعیہ کو معلوم کر لینا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ایک ذرّے کی حقیقت کیا ہے؟ ہم نہیں جان سکتے کہ شجر و حجر کے حقائقِ واقعیہ کیا ہیں؟ انسانی علم محدود ہے اور ہمیشہ محدود رہے گا۔ رازِ دہر جس طرح ابتدا میں سربستہ تھا، اسی طرح آج بھی ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ سربمہر چلا جائے گا ؎

کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بحکمت ایں معمّا را

انصاف سے دیکھو اور غور سے کام لو۔ جب ان اشیا کی نسبت جو ہم سے بلحاظ ترکیبِ عنصری بہت پست ہیں۔ ہمارے علم کا یہ حال ہے تو پھر وہ صورت جسے

انسان کہتے ہیں۔ اس کی اصلی حالت کو گھیر لینا ہمیں کس طرح میسّر آئے گا۔ اور جب اپنے ہی جیسے انسانوں کی اصلی حالت دکھانے میں ہم عاجز ہیں تو وہ انسان جن کا قدم عرش کے اوپر ہے۔ وہاں تک ہماری رسائی کیونکر ہوگی۔ ناممکن ہے۔ محال ہے۔ قطعی محال ہے۔

عجیب مشکل کا سامنا ہے کہ باوجود ان مشکلات کے پھر بھی دل میں ایک اشتیاق کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ کچھ تو اصلیت کا پتہ لگے۔ اور مضطرب دل کی تسکین کا کوئی پہلو تو نکل آئے۔ اس بیماری کا کیا علاج ہو؟ اس کے علاج کے دو طریقے سمجھ میں آتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جس شخص کی سیرت کے مصوّر ہم بننا چاہتے ہیں۔ ہماری اصلی حالت اور قلبی کیفیت بالکل اسی کے ہمرنگ ہو۔ تاکہ ہم اپنے احساس باطنی کی بنا پر اس ارادے میں کامیاب ہوں۔ اور جب ہماری اصلی تصویر کھنچ جائے تو بالکل اسی شخص کی تصویر کھنچ جائے۔ جس کے لئے ہم نے قلم اٹھایا ہے۔ مگر قطع نظر اس امر سے کہ یہ وحدت ہر شخص کے لئے ممکن ہے یا ناممکن۔ ایک اور مشکل سامنے نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر بفرضِ محال ہمیں اس شخص سے جس کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا گیا ہے وحدت واقعی بھی حاصل ہو تو بھی اس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ اس لئے کہ الفاظ کا جال کیفیات کا شکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً نمکین۔ شیریں۔ تلخ۔ ترش۔ یہ چند کیفیتیں ہیں جو قوتِ ذائقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن ہم کبھی بذریعہ الفاظ ان کیفیات کو دوسرے کے ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ جو ان ذائقوں سے پہلے ہی واقف ہے۔ وہ تو الفاظ سے جو فی الحقیقت اشارات ہیں متکلم کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے۔ اور دوسرا شخص جو نا آشنائے محض ہے کبھی مطلب تک رسائی

حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ارباب حقائق کا قول ہے۔ "من ذاق وجد" جس نے چکھا اُس نے پایا۔

فساد و افساد کی ایک خفیہ تحریک

زمانے کی حالت پر تاسف کرنا پڑا۔ افسوس کہ موجودہ زمانے میں سیرت نویسی کا فن کس قدر اپنے مرکز سے دُور ہٹ گیا ہے۔ اور اہل قلم روز بروز کیسی پستی کی طرف جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ فن سیرت اور فن تاریخ بالکل ایک ہی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ لوگ کہ جو فن سے ہی ناواقف ہیں۔ اُن سے کچھ شکایت نہیں۔ اگر ہے تو صرف اتنی کہ باایں ہمہ نادانی کیوں جُرأت سے کام لیا۔ لیکن وہ صاحبان جو واقف ہیں یا جن پر واقفیت کا الزام لگایا جاتا ہے وہ کیونکر بری الذمّہ قرار دیئے جائیں گے ہم ارباب قلم کا رنگ یہ دیکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو پہلے اُس کی ذات کو اپنی ذات پر قیاس کر لیا جاتا ہے۔ یہ قیاس اور غلط قیاس قائم کر کے اُس کے چند واقعات ظاہری جمع کئے جاتے ہیں۔ پھر ان واقعات پر جرح و تعدیل کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ جن واقعات کی نسبت انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ہم سے بھی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ انہیں درج کتاب کر لیا جاتا ہے۔ اور جن کی نسبت ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ ہم سے یا ہمارے ہمجنسوں سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ انہیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اگر لکھا بھی جاتا ہے تو بطور مضحکات و طیبات۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

میرے دوستو! اقتضائے فہم و دیانت یہ ہے کہ جب کسی شخص کی سیرت قلم بند کرنی چاہو۔ پہلے اس امر کی تشخیص کر لو کہ اس کا تعلق انسانوں کے کونسے طبقہ سے ہے

آیا یہ بالکل ہمیں جیسا انسان ہے یا اس کا درجہ کچھ ہم سے بلند ہے۔ جب تک اس امر کی تشخیص نہ کر لو گے۔ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس تشخیص کے بعد اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے نورِ عقل کی روشنی میں تمہیں اسی طبقہ کے انسانوں سے توسّل کرنا پڑے گا۔ اور اسی توسّل کی بدولت اپنی مُراد تک پہنچ سکو گے اور اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ طبری کے اقوال۔ طبقات کے انطباقات ہر طبقہ کے انسانوں پر حاوی ہو سکتے ہیں۔ تو یہ تمہارا خیال تمہیں مبارک ہے لیکن عقل سلیم اور فہم مستقیم کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مانا کہ خوشنما الفاظ اور تسلسل عبارات میں تمہیں ملکہ حاصل ہے۔ اور بدقسمتی سے پبلک کا بھی مذاق یہی ہے کسی کتاب کا حسن ثابت کرنے کے لئے یہ امر بہت کافی ہے کہ وہ برجستہ الفاظ اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی عبارتوں کا مخزن ہو۔ لیکن جو لوگ کہ روح کے متلاشی ہوتے ہیں وہ کبھی ایسی چیزوں کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھیں گے۔ یہ سچ ہے کہ انکی ناپسندیگی تمہارے لئے دنیا میں کوئی بدنما اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ تمہاری دوکانوں کی سجاوٹ میں اس سے کچھ فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ ان لوگوں کی تعداد تھوڑی اور بہت تھوڑی ہے۔

تاریخ و سیر کی کتابیں جو تمام انسانوں کو ایک ہی طبقہ میں داخل کر رہی ہیں۔ فی الحقیقۃ یہ فساد و افساد کی ایک خفیہ تحریک ہے۔ مقصد اصلی اس کا دہریت اور الحاد ہے۔ اس جدوجہد کی غایت یہ ہے کہ عوام حالاتِ انبیاء علیہم السّلام سے مانوس نہ ہونے پائیں اور ان بزرگواروں کو رفتہ رفتہ اسی سطح پر لے آئیں۔ جس پر عوام النّاس قائم ہیں۔ یہ کوشش بڑی حد تک بار آور ہو چکی ہے۔ تحریک بہت کافی پھیل چکی اور پھیلائی جا چکی ہے۔ اسلام کے تمام فرقے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کا ازالہ نہایت

بہی دشوار نظر آرہا ہے۔ سوائے اس کے کہ اب حقائق پسند انسان امرِ منتظر کے منتظر رہیں اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

رجوع بہ مضمونِ اوّل

ابھی ابھی میں نے بیان کیا ہے کہ آتش اشتیاقِ قلبی کو فرو کرنے کا طریقہ ایک تو یہ ہے کہ جس شخص کی سیرت قلم بند کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے اس سے لکھنے والے کو ہمرنگی حاصل ہو۔ اس توحدِ حقیقت کی بنا پر وہ بہت اچھی طرح اس کے حالات باطنی قلم بند کر سکتا ہے۔ اب یہ دوسرا امر ہے کہ ان اشارات کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ان اشارات کا نہ سمجھنا اپنی استعداد کا قصور ہوگا۔ نہ کہ سمجھانے والے کا۔ لیکن یہ امرِ ظاہر ہے کہ ایسی حالت ہر شخص کو میسّر نہیں۔ اس قسم کے امور وہبی ہوا کرتے ہیں نہ کہ اکتسابی۔ پس ہمارے لئے یہ طریقہ کارآمد نہیں ہو سکتا۔ جس کی مشکلات کی طرف پہلے اشارہ بھی کیا جا چکا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کے کوائف کی اطلاع ہمیں خود اسی سے ملے اور ہم اس اطلاع کے تحمل کی طاقت بھی رکھتے ہوں۔ یا ایسی ذات سے حاصل ہو جس کا نفس یا تو ہماری مُراد پر حاوی ہو یا اس سے اتصال واقعی رکھتا ہو۔ ایسی اطلاع یا تو بلاواسطہ ہم کو ملے گی۔ یعنی ہم خود اس کی خدمت میں حضوری کا شرف رکھتے ہوں گے۔ یا یہ اطلاع ایک یا دو یا زیادہ شخصوں کی وساطت سے ہم کو پہنچے گی۔ کوئی سی بھی صورت ہو۔ اصل اطلاع کا ایسے وجود کی طرف منتہی ہونا ضرور ہے۔ جیسے دیگر قرائن اور حالاتِ قطعیہ کی بنا پر ہم لغزشوں سے منزّہ سمجھ سکتے ہیں۔ پس ہماری اطلاع کا سلسلہ جب وجودِ معصوم تک منتہی ہو جائے گا تو اضطرابِ قلب کی تسکین کا بہترین نسخہ ہم کو مل جائے گا۔ جسے استعمال کرنے سے ہمارے دل کی آنکھیں کھل سکتی ہیں۔

بغیر اس کے ہم اندھیری رات میں اندھوں کی طرح ٹٹولنے والے ہوں گے ظن وتخمین ہمارے خون میں سرایت کر جائیں گے۔ جوہر یقین کم ہوتے ہوتے بالکل زوال پذیر ہو جائے گا۔ اور اس طرح بصیرت کی روشنی ہم سے بالکل سلب ہو جائے گی۔ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ۔

غرض سیرت نویسی کا کام تو بغیر اس کے چل نہیں سکتا۔ ہاں اس کے واقعات اور حالات ظاہری جو تاریخی حیثیت سے ہم تک پہنچیں گے۔ اس بارے میں ضرور ممد و معاون ہوں گے۔ لیکن ہم یہ کلیہ کسی طرح قائم نہیں کر سکتے کہ کسی شخص کا حسن افعال ظاہری اس حسن سیرت کا یقینی ذمہ دار ہے۔

سلسلہ روایات پر ایک نظر

جب سیرت نویسی کی بنیاد صرف حدیث پر رکھ دی گئی جو منتہی الی المعصوم ہو۔ تو اب راویوں کے حالات کا تفحص کرنا ہو گا۔ اور اس تلاش میں بھی ہمیں انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔

اس تلاش اور جستجو میں بطور کلیہ ہمیں یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ معصومین کی شان میدان تکلم کلموا الناس علی قدر عقولھم ہوا کرتی ہے۔ یعنی وہ ہر شخص سے اس کی عقل کے اندازے کے موافق کلام کیا کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقۃ یہ صفت انہیں کے لئے مخصوص بھی ہے۔ جب یہ کلیہ قائم ہو گیا۔ تو اب یہ امر بدیہی ہے۔ کہ لوگوں کی عقلیں مختلف درجے رکھتی ہیں۔ اسی اختلاف کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ احادیث اسرار کے حاملین کی تعداد ہمیشہ قلیل ہو گی۔ پس ایسی احادیث کی نسبت اگر ہم یہ کہیں کہ سوائے فلاں و فلاں کے اور کسی نے اس کو روایت نہیں کیا تو ایسا اعتراض ہماری

قلتِ فہم کی دلیل ہوگا۔ ہاں یہ اَمر مدِ نظر رکھئے کہ کسی راوی کے ضعیف قرار پا جانے سے عقلاً اصل حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ صریحاً کسی اصول عقلی یا نص قطعی کے مخالف نہ ہو بلکہ مخالفتِ ظاہری کے باوجود بھی مسلک احتیاط تاویل ہوگا اور جب کسی طرح تاویل کا امکان نہ ہو تو اس وقت شاید انکار لازم آئے تو آئے۔

والا فلا۔ بہر طور تسلیم فرض ایمان ہے۔ ؏

ہر کجا نام اوست قربان ایم

وہ راوی جو معلوم الفسق ہوں۔ اُن کی نسبت حکم قرآنی موجود ہے۔ اذاجاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوہ۔ جب کوئی فاسق تم سے کوئی خبر بیان کرے تو اُس کی تحقیق کر لو۔ آیت انکار واقعی پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ تحقیق اور تلاش کی ہدایت کرتی ہے۔ اور یہی امر معقول بھی ہے۔ اِس لئے کہ معلوم الفسق کے قول میں بھی صدق کا امکان موجود ہے۔

میں جو یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ فی الحقیقۃ ان بزرگوں کی سیرتوں کے متعلق لکھ رہا ہوں جو انسانوں کے طبقۂ اعلےٰ یعنی انبیاء علیہم السّلام میں داخل ہیں یا ان سے اتصال رکھتے ہیں۔ باقی عوام سے مجھے بحث نہیں۔ ان کی سیرتیں جس طرح تمہارا ایمان اجازت دے لکھو۔ مگر ہر راوی میں حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھنا تمہارا عقلی فرض ہے۔

یہ تو میں ابتداء ہی لکھ آیا ہوں کہ کسی کی سیرت پر کماحقہ مطلع ہو جانا ایک امر محال ہے اور جب اطلاع ہی محال ہے۔ تو اس کا قلم بند کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ اب سلامتی کی شکل یہی نکلے گی کہ ہم اقوال معصوم سے تمسک کر لیں۔ اور اس کی وساطت سے جو کچھ ہمیں ملے۔ اسے قرینے کے ساتھ کاغذ پر چن دیں۔ اسمیں ہمارے استبعادات

عقلیہ کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ ہمارے لئے اس مقام پر لم و کیف کی قطعاً مجال باقی نہیں۔ جو امور کہ ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ ان کے یہ معنی نہیں کہ فی الحقیقۃ بھی انکار وجود نہیں ہو سکتا۔ جو افعال کہ ہم سے سرزد نہیں ہو سکتے۔ اس سے یہ مراد نہ ہوگی کہ وہ کسی اور انسان سے بھی ظاہر نہیں ہوں گے جس مقام پر ہم عاجز ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر فرد انسان اس مقام پر عاجز نظر آئے۔ کوئی شخص فطرت عالم پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ پس کسی امر کو خلافِ فطرت کہہ دینا اپنی کم ظرفی کی دلیل ہے۔ یہ امر ہرگز لازمی نہیں کہ جو چیز برہانِ ظاہری سے سمجھ میں نہ آوے۔ اس کی غلطی کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ عالم میں بہت سی چیزیں ہیں کہ ہرگز کوئی دلیل ظاہری ان پر قائم نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اپنی دلیل ہیں۔ آگ کیوں جلاتی ہے؟ پانی کیوں سردی پہنچاتا ہے؟ یہ سوالات کبھی حکیم کے ذہن میں نہیں گذر سکتے۔ پس جس طرح خواص اشیا پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ اسی طرح خواص نفس پر بھی کوئی دلیل ظاہری قائم نہیں ہو سکتی۔

یا من دلّ علی ذاتہ بذاتہ۔ وہ خالق بزرگ و برتر جس کی شناخت کا ذریعہ خود اسی کی ذات ہے۔ یہ عالم کون و فساد بھی اہل ایمان کی نظر میں اسی کا مظہر ہے۔ پس اس عالم کے وہ افراد جنہیں نفوس کلیہ الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کے افعال و خواص کیونکر دلیل خارجی اصطلاحی کے محتاج قرار پائیں گے۔ لا تدرکہ العیون بمشاہدۃ العیان ولٰکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان۔ جس طرح ذاتِ باری کو قلوب حقائق ایمانیہ کے ساتھ ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے مظاہرِ خاصیہ کی کیفیتیں بھی حقیقتِ ایمانیہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ یہاں رسمی منطق و فلسفہ سے کام نہیں چل سکتا۔ یہاں کی منطق معرفت ہے۔ یہاں کی منطق

معرفت ہے۔ یہاں کا فلسفہ عرفان ہے۔ اور یہاں کی حکمت ایمان ہے ؎

دل منور کن بانوار جلی

چند باشی کاسہ لیس بو علیؒ

معقول پسند انسانوں کا قول ہے۔ العجز عن درك الادراك ادراك "کسی چیز کی کیفیت معلوم کرنے سے عاجز رہ جانا ہی اس کا ادراک ہے۔ حقیقۃً مقتضائے عقلِ سلیم یہی ہے۔

میں نے جزو برزخ کبریٰ حضرت سیدہ صلوات اللہ علیہا کی سیرت قلم بند کی۔ لیکن کیا میری اتنی مجال ہے کہ ایک شمہ بھی اس سیدہ عالم کی سیرت کا لکھ سکوں ہاں ہاں ان کے واقعات ظاہری بھی جو تاریخی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ قلم بند نہیں ہو سکے۔ پھر سیرت کی ذمہ داری تو کہاں پوری ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں نے حیات سیدہ کی سیرت اور تاریخ کے اکثر حصے کی بنیاد قولِ معصومؑ پر ہی رکھی ہے۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ کسی تالیف یا تصنیف کے لئے جس قدر سامان کی ضرورت ہے اس کا عشر عشیر بھی سامنے نہیں۔ تصنیف ایک آسان چیز ہے۔ انسان اپنے دماغی خیالات کو ظاہر کرتا چلا جاتا ہے لیکن تالیف کہ جس کی بنا محض اقوال غیر پر ہی ہوتی ہے۔ اس کے لئے تو بہت بڑی تلاش اور جستجو کی ضرورت ہے۔ دفتر کے دفتر الٹ دینے پر تھوڑا بہت سامان میسر آتا ہے جسے کاغذ پر قرینے سے چُنا جا سکے۔ اور مختلف دریاؤں میں غوطہ لگانے سے ایک آدھ گوہرِ مقصود ملا کرتا ہے۔ جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں۔ وہ ضرور اس کی اہمیت

سے واقف ہوں گے۔

میرے سامنے اس وقت کسی قسم کا ذخیرہ نہیں۔ اور چند مصلحتیں ایسی ہیں کہ وہ اس کی اشاعت کو جلد سے جلد ملک میں لانا چاہتی ہیں۔ اس لئے عجلت میں جو کچھ اِدھر اُدھر سے مل سکا۔ وہ ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا۔ یہ نقش اوّل ہے۔ ممکن ہے نقش ثانی میں وہ خیالات پورے ہو سکیں جو دماغ میں موجود ہیں۔ اَور وہ آرزو پوری ہو سکے جو دل کو مضطرب کر رہی ہے۔ اَب معذرت اور واقعی معذرت کے ساتھ یہ رسالہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

منازلِ نورانیہ

جب مخلوقِ نورانی اور شعاعِ نورِ احمدیؐ کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ ضروری امر ہے کہ اس کی کیفیتِ اولیہؐ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ یہ کیفیتؐ اس کی سیرت کا جزوِ اعظم ہے۔ اور اس کا تصور ہمارے فہم و ادراک سے بہت بلند ہے۔ یہ پارہ نورِ احمدیؐ اس طبقۂ انسانیت سے تعلق رکھتا ہے جس کا ایک رُخ ذاتِ واجب الوجود سے متصل ہے۔ اور دوسرا ممکنات سے۔ لفظ "اتصال" بحالتِ مجبوری زبانِ قلم پر آتا ہے کیونکہ اداے مفہوم کے لئے اور کوئی لفظ میسر نہیں آتا۔ اس اتصال سے اتصالِ حقیقی مراد نہیں بلکہ اس کی تشریح کلامِ معصوم میں اس طرح فرمائی گئی ہے کشعاع الشمس من الشمس جس طرح سُورج سے سورج کی شعاع کا تعلق ہے۔ اسی طرح انوارِ رسالت شمسِ وجودِ واجب سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس جب کہ ہماری عقلیں اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ تو لازم ہے کہ ان مقاماتِ نورانیہ کے حالات مخبرِ صادق کی زبان سے سُنیں۔ اور وحی والہام کی روشنی سے قلب کو منور کریں۔

واضح ہو کہ جن حدیثوں میں یہ کیفیتیں بیان کی گئی ہیں۔ انہیں احادیث انوار کے
نام سے نامزد کیا گیا ہے۔ ایسی حدیثیں فریقین کی کتابوں میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ جن
کا ایک جگہ جمع کرنا بہت دشوار ہے۔ اس کے ساتھ ان احادیث میں اختلاف ظاہری
بھی موجود ہے۔ جس کا بالکلیہ سمجھ لینا ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہاں بطور اجمال اتنا
کہا جا سکتا ہے کہ ہر حدیث کسی خاص منزلت نورانی کی طرف اشارہ کرنے والی ہے
لیکن اس منزلت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو عالم الحقائق اور صاحب علم لدنی کے
سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ یہاں صرف ایک حدیث اہل ایمان کی روشنی قلب کے
لئے نقل کی جاتی ہے۔ جس سے اس مقدمہ عالم کے منازل نورانیہ پر روشنی پڑے
گی۔ اور جس سے معلوم ہوگا کہ روحانیوں کی صف میں اس معصوم کی کیا شان ہے۔

ملا محمد ہاشم بحرانی کی کتاب غایۃ المرام میں اور کتاب معالم الزلفیٰ صفحہ (۲۴۹) میں
مصباح الانوار شیخ طوسی علیہ الرحمہ سے بروایت انس ابن مالک حضرت خاتم الانبیاء
سے منقول ہے کہ حضرت نے اپنے چچا عباس سے فرمایا یا عم قد خلقنی اللہ
وخلق علیاً وفاطمۃ والحسن والحسین قبل ان یخلق آدم باربعۃ عام حین
لا سماءٌ مبنیۃٌ والارض مدحیۃٌ ولا جبال مرسیۃ ولا بحار مجریۃ
ولا ریاح مسریۃ ولا شمس مضیئۃٌ ولا قمر منورٌ ولا نور ولا جنۃٌ
ولا نارٌ۔

ترجمہ:۔ اے عم بزرگوار خداوند عالم نے مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ (صلوات
اللہ علیہم) کو خلقت آدم سے دو ہزار سال پیشتر خلق فرمایا۔ جس وقت کہ نہ آسمان کی بنا
ہوئی تھی نہ زمین بچھائی گئی تھی۔ نہ سر بفلک پہاڑ تھے نہ متلاطم سمندر، نہ ہواؤں کے

جھبر نکے تھے۔ نہ چمکدار سورج نہ قمر کی نورانیت تھی۔ نہ نور کی روشنی نہ جنّت کا وجود تھا۔ نہ آتش کا۔"

ان فقراتِ مقدسہ سے ظاہر ہے کہ ان ذواتِ عالیہ کے سوا ماسوی اللہ میں کوئی شے موجود نہ تھی۔ یہی بزرگوار جملہ عوالم کے لئے علت غائی و بمنزلہ اسباب تھے اور ان کا وجود مسببات سے پہلے ہونا لازمی تھا۔ لطیفہ اس مقام پر یہ ہے کہ اس وقت نور کا بھی وجود نہ تھا اور نور بھی انہیں کے اشراقات کا پرتو ہے۔ گویا یہ بزرگوار حقیقۃِ نور اور نور الانوار تھے۔ اور یہ مخلوق روحانیت کے انتہائی تجرد میں رہ کر مشغولِ حمد و تسبیح تھی۔

واضح ہو کہ حدیث کے فقراتِ آئندہ میں ان بزرگواروں کو نور کہا گیا ہے۔ اور ان فقروں سے نور کی خلقت ان کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اس کا مطلب عند التحقیق یہی نکل سکے گا کہ ان بزرگواروں کو جہاں نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے حقیقتِ نورانیہ مُراد ہے نہ کہ نورِ محسوس۔ اور اس حقیقت کا علم سوائے خالقِ حقیقت کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

مزید توضیح یہ ہے کہ جس طرح کلامِ خدا میں ذاتِ باری کو نور السّمٰوات والارض کہا گیا ہے۔ یعنی تمام حقائق عوالم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اسی کے وجود سے ماسوی اللہ روشن ہے۔ اسی طرح ان بزرگواروں کو بھی نور سے تعبیر کیا گیا ہے فافہم وتحمل۔

فقال لہ العبّاس کیف بدء خلقکم یا رسول اللہ قال یا عم لمّا اراد ان یخلقنا تکلّم کلمۃً خلق منہا نوراً ثم تکلّم اخریٰ

فخلق منہا روحًا ثم مزج النور بالروح فخلقنی ثم خلق علیًا وخلق فاطمۃ والحسن والحسین وکنا نسبحہ حین لا تسبیح ونقدسہ حین لا تقدیس۔

(ترجمہ) عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی خلقت کی ابتدائی کیفیت کیا ہے۔ فرمایا اے چچا جب خداوند عالم نے ہماری خلقت کا ارادہ کیا تو ایک کلمہ بولا جس سے نور کو خلق کیا۔ پھر دوسرا کلمہ بولا جس سے روح کو خلق کیا پھر اس نور کو روح سے ملا دیا۔ پس مجھے خلق کیا۔ پھر علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو خلق فرمایا۔ ہم اس کی تسبیح کرتے تھے جب کہ کوئی اس کی تسبیح کرنے والا نہ تھا اور ہم اس کی تقدیس کرتے تھے جب کہ کوئی اس کی تقدیس کرنے والا نہ تھا۔

یہ فقرات جو مجمع اسرار ہیں۔ کیفیت خلق و تخلیق پر کافی روشنی ڈال رہے ہیں۔ نیز کلامِ خدا پر بھی۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ خدا نے ایک کلمہ کے ساتھ تکلم کیا۔ اور اس سے نور کو خلق فرمایا۔ دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی کلمہ جس کے ساتھ تکلم کیا۔ نور بن گیا۔ ان دونوں کا مقصد فی الحقیقۃ ایک ہی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اگر ہے تو ہماری عقلوں کا۔ ہاں نگاہِ غور اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کرے گی کہ ارادۂ تکوینیِ الٰہی کو تکلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا یہ "کن فیکون" کی تفسیر ہے۔ جس طرح لفظ "کن" افہام و تفہیم کے لئے وارد ہوا ہے۔ اسی طرح "تکلم بکلمۃ" بھی جس طرح "کلامِ خدا" کی تشریح فرماتے ہوئے امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔ لا بندا یسمع ولا بصدا یقرع بل کلامہ سبحانہ ایجادہ۔ یہ کلام کوئی ندا نہیں ہے جو سنائی دے یا کوئی صدا نہیں ہے۔ جو دھماکہ پیدا کرے۔ بلکہ ایجاد ہی کا نام کلامِ الٰہی ہے پس اسی

ارشاد کو اگر اس مقام پر بھی مدنظر رکھا جائے تو غالباً توضیح مطلب میں آسانی ہو جائیگی۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آئمہ علیہم السّلام کلمۃ اللہ ہیں۔ حضرت امیر الموحدین ایک کلام طویل میں ارشاد فرماتے ہیں۔ "نحن کلمۃ اللہ" حدیث زیر نظر سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ فی الحقیقت خدا کے کلماتِ اولیہ یہی ہیں۔ اور ابتدائے ایجاد انہیں سے ہوئی ہے۔ یہ ایک توجیہ ہے "کلمۃ اللہ" کی۔ اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں۔

حدیث زیر غور سے بآسانی یہ مطلب بھی واضح ہو سکتا ہے کہ یہ بزرگوار سب کے سب حقیقت واحدہ رکھتے ہیں۔ اور اس عالم شہود میں آکر حالات مختلفہ کے اعتبار سے ہم کو ان میں اختلاف نظر آتا ہے۔ انہیں اعتبارات کی بنا پر کسی کو منجانب اللہ رسول کہا گیا ہے کسی کو امام۔ ورنہ حقیقت میں سب محمدؐ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ اوّلنا محمّد و اٰخرنا محمّد و اوسطنا محمّد و کلّنا محمّد ہمارا اوّل بھی محمدؐ ہے اور آخر بھی محمدؐ اور اوسط بھی محمدؐ اور ہم سب کے سب محمدؐ ہیں اسی توحدِ حقیقت کا لازمی نتیجہ تساوی کمالاتِ باطنی ہے۔ اسی لئے منزلِ کمالاتِ الٰہی نے وقت پیدائش قرآن کی تلاوت فرمائی۔ جب کہ ظاہر میں کہیں قرآن کا وجود نہ تھا

اسی ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار سب سے پہلے تسبیح کرنے والے اور سب سے پہلے تقدیس کرنے والے ہیں۔ اور انہیں سے باقی تمام روحانیوں نے تسبیح و تقدیس حاصل کی ہے۔ پس یہی معلّم اول ہیں۔ اور یہی مقتدائے عوالم اور امام الکل فی الکل۔

فلمّا اراد اللہ ان یبنشی الصنعۃ فتق نوری فخلق منہ العرش

فالعرش من نوری و نوری من نور اللہ و نوری افضل

من العرش۔

پس جب خدا نے ارادہ کیا کہ صنعت کو نشو و نما کا لباس پہنائے تو میرے نور کو شگافتہ فرمایا۔ اور اس سے عرش کو خلق فرمایا۔ پس عرش میرے نور سے ہے۔ اور میرا نور نورِ خدا سے اور میرا نور عرش سے افضل ہے۔

نشو و خلق

یہ فقرہ حدیث میں لفظ "نشاء" یا "انشا" سے شروع ہوا ہے۔ لفظ "نشو" اور "خلق" بظاہر برادرف ہیں۔ لیکن ان دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق بھی ہے مثلاً جب کوئی شخص اپنی جگہ سے اُٹھے۔ تو کہا جائے گا "نشا من مکانہ" یہاں بجائے "نشا" "خلق" نہیں کہہ سکتے۔ سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا ہے "ان ناشئۃ اللیل" الخ جس کی تفسیر حدیث صادق علیہ السلام میں یہ فرمائی گئی ہے "قیام الرجل عن فراشہ" انسان کا اپنے بستر سے اُٹھنا یہاں بھی لفظ خلق نہیں آسکتا۔ غرض لفظ "خلق" ایک مفہوم خاص رکھتا ہے۔ یعنی معدوم کو موجود کر دینا۔ اور لفظ "نشو" علاوہ اس کے ایک مفہوم جدید "ارتقا" کو بھی شامل ہے۔ "ثم انشانا ہ خلقا آخر" پھر ہم نے ایک دوسری مخلوق کو نشو و نما بخشی۔ آیت قرآن مجید کا یہ ٹکڑا اس فرق کو بہت واضح کر دیتا ہے۔ اس فرق کو مدنظر نہ رکھ کر متبعین فلاسفہ جدید اپنے ایک دعویٰ خاص کی دلیل قرآن سے پیدا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر مخلوق کے لئے لفظ "نشو" استعمال ہوا ہے اور یہ لوگ جنہیں "نشوئیین" کہا جاتا ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ قرآن سے بھی اشیا کی پیدائش بطریق نشو ثابت ہوتی ہے نہ کہ بطریق خلق۔ یعنی موجودہ اشیا جن میں انسان بھی داخل

ہے۔ مادے کی ارتقائی صورتیں ہیں۔ نیستی محض سے "ہست" نہیں ہوئیں۔

عجب نہیں کہ حدیث مقدس میں اسی خیال کی تردید کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہو۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ حسب ارشادات معصومینؑ ایجاد عالم کی ابتدا "نور محمدیؐ" سے ہوئی۔ اور وہی اوّل مخلوق ہے۔ اور وہی حقیقت جامعہ ہے۔ کل عوالم کی۔ باقی جس قدر مخلوق ہے وہ سب اسی کی فرع ہے۔ اور یہ اشیا اسی نور اوّل کی شعاعیں ہیں ان کی حقیقت اسی حقیقت اولیہ میں مرکوز تھی۔ گویا حقیقت اولیہ تمام حقائق کو لئے ہوئے مخلوق ہوئی۔ اب اس "خلقت" کے بعد نشو و نما کا دور ہوا۔ اور اشیاء عالم پر بعد "خلق" "نشو و نما" کا سایہ پڑا۔ اور ان کا ظہور تدریجا عمل میں آیا۔ پس اس ترقی تدریجی کی بنا پر ان اشیا کے لئے لفظ "نشو" استعمال ہوا۔ اور باعتبار اصل حقیقت لفظ "خلق" چنانچہ یہ دونوں لفظ مخلوق کے لئے قرآن میں موجود ہیں۔ یا ایہا الانسان ما غرّک بربک الکریم الذی خلقک الخ۔ اے انسان تجھے کس چیز نے تیرے اس پروردگار کریم کے مقابل میں مغرور بنا دیا ہے جس نے تجھے خلق کیا۔ ءانتم انشاتم شجرتھا ام نحن المنشئون۔ کیا شجر آتشیں کو تم نے نشو و نما دیا ہے۔ یا ہم اس کے نشو و نما دینے والے ہیں۔ پس جب یہ دونوں لفظ "خلق و نشو" مخلوق کے لئے باعتبار حیثیات وارد ہوئے ہیں تو صرف لفظ نشو کو اپنے لئے مخصوص کر لینا محض بے معنی ہے۔

"فلما اراد اللہ ان ینشئ الصنعۃ" یہ فقرہ حدیث دلالت کرتا ہے کہ بعد خلق "حقیقت جامعہ کلیہ" دیگر اشیاء بحیثیت "نشو" ظاہر ہوئیں۔ اور یہی لفظ اس مقام پر موزوں تھا۔ اس لئے کہ حقیقت جامعہ تو موجود تھی۔ اب ظہور اشیا بشان ارتقاء

لئے ہوئے تھا۔ "میں" سے بہت نہیں ہوا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔ فخلق منہ العرش" یہاں لفظ "خلق" بحیثیت حقیقتِ اصلی استعمال ہوا ہے۔ پس بعد خلقت اولین اشیاء عالم "خلق و نشو" دونوں کے ماتحت ہیں۔ باعتبار ظہور تدریجی ماتحت "نشو" ہیں۔ اور بلحاظ حقیقت اصلی ماتحتِ خلق۔ میرے خیال میں حدیث میں ان الفاظ کا اس طرح سے استعمال ہونا علم رسالت پر ایمان لانے کے لئے بہت کافی ہے۔

ارباب بصیرت کے لئے یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے اس حدیث میں اپنی ذات کو عرش سے افضل قرار دیا ہے۔ اور اس میں کسی مومن کو شک و شبہ عارض نہیں ہو سکتا۔ یہ فضیلت محض برائے گفتن نہیں۔ بلکہ واجب ہے کہ اس پر یقین رکھا جائے۔ ہمارے قیاسات واہیہ اس مقام پر کارآمد نہیں ہو سکتے

ثم فتق نور اخی علیؑ ابن ابی طالب فخلق منہ الملائکۃ و الملائکۃ من نور علیؑ و نور علیؑ من نور اللہ و علیؑ ابن ابی طالب افضل من الملائکۃ۔

پھر خداوند عالم نے میرے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے ملائکہ کو خلق کیا۔ اور ملائکہ علیؑ کے نور سے ہیں۔ اور علیؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے۔ اور علیؑ ابن ابی طالب ملائکہ سے افضل ہیں۔

اس فقرہ سے واضح ہے کہ ملائکہ نور علوی ہے۔ نور علیؑ اصل ہے اور ملائکہ اس کی فرع۔ اور اصل کو جو فضیلت فرع پر ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ ملائکہ کا ذکر فرماتے ہوئے رسول اللہؐ نے کسی ملک کو مستثنےٰ نہیں فرمایا۔ نہ جبرئیل کو نہ میکائیل کو۔ یہ باتیں اہل ایمان کے لئے مدِ نظر رکھنے کے قابل ہیں۔

ثم فتق نور ابنتی فاطمۃ فخلق منہ السمٰوٰتِ وَالارض فالسمٰوٰتُ والارض من نور ابنتی فاطمۃ ونور ابنتی فاطمۃ من نور اللّٰہ وابنتی فاطمۃ افضل من السمٰوٰت والارض۔

پھر خداوند عالم نے میری بیٹی فاطمہؑ کے نور کو شگافتہ کیا۔ اور اس سے زمین و آسمان خلق فرمائے۔ پس زمین و آسمان میری بیٹی فاطمہؑ کے نور سے ہیں۔ اور میری بیٹی فاطمہؑ کا نور خدا کے نور سے ہے۔ اور میری بیٹی فاطمہؑ زمین و آسمان سے افضل ہے۔

حدیث کے اس فقرہ میں اس مخدومۂ عالم کی شان رسولؐ اللہ نے بیان فرمائی ہے جس کی سیرت ان اوراق میں ضبط کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ اللہ! جس کی سیرت کا بیان مخبر صادق نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہو۔ جو زمین و آسمان کے لئے اصل قرار پائے۔ اس کی شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

اس حدیث میں یہ امر خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بزرگواروں کے نور کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا بلکہ سب کے لئے "من نور اللہ" ارشاد ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان بزرگواں کے انوار مقدسہ میں کسی قسم کی تفریق نہیں۔ یہ سب بلحاظِ حقیقت ایک ہیں اور سب کا تعلق ذاتِ باری سے یکساں ہے اور ان سب میں حقیقتِ محمدیہ جلوہ گر ہے۔

ثم فتق نور ولدی الحسنؑ فخلق منہ الشمس والقمر فالشمس والقمر من نور الحسن ونور ولدی الحسنؑ من نور اللّٰہ والحسنؑ افضلُ من الشمس والقمر۔

پھر خداوندِ عالم نے میرے بیٹے حسنؑ کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے شمس و قمر کو خلق فرمایا۔ پس شمس و قمر نورِ حسنؑ سے ہیں۔ اور حسنؑ کا نور۔ نورِ خدا ہے۔ اور حسنؑ شمس و قمر سے افضل ہے۔

واضح ہو کہ بعض احادیث میں انتساب اشیاءِ عالم اور ان انوارِ مقدسہ سے موجودہ ترتیب حدیث کے خلاف ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہؐ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے میرے نور کو شگافتہ کر کے اس سے زمین و آسمان پیدا کئے۔ اور میں زمین و آسمان سے اجل و اعظم ہوں۔ اور نورِ علیؑ کو شگافتہ کر کے اس سے عرش و کرسی کو خلق فرمایا۔ اور علیؑ عرش و کرسی سے افضل ہیں۔ اور حسنؑ کے نور کو شگافتہ کر کے اس سے لوح و قلم کو خلق فرمایا۔ اور حسنؑ لوح و قلم سے افضل ہے۔ لیکن جب ہم حقیقت پر غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلافِ ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ تو خود حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ یعنی ترتیب سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو چیز مثلاً نورِ پیغمبرؐ سے خلق ہوئی اس کا نورِ علیؑ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ یا جو شے نورِ فاطمہؑ سے خلق ہوئی۔ وہ نورِ پیغمبرؐ سے متعلق نہ رہی۔ موجودہ اختلاف سے یہ شبہ باآسانی رفع ہو سکتا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ خلقت زمین و آسمان کو اپنے نور سے متعلق فرماتے ہیں۔ اور کہیں فاطمہؑ کے نور سے اس کے یہی معنی ذہن میں آتے ہیں کہ لوگ ان کے مراتب باطنیہ سے واقف ہو کر وحدتِ نورانیہ پر ایمان لائیں۔ اور اپنی عقول ناقصہ پر بھروسہ کر کے ہر شے کو "مجازی" نہ سمجھ لیں کیونکہ ارشادِ پیغمبرؐ یا امامؑ کے مقابلہ میں ہمارے اوہام کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس میں شک نہیں کہ علم تفصیل ان مقامات کا ہماری عقل سے باہر ہے۔ لیکن علم اجمالی تو یقیناً حدیثِ پیغمبرؐ سے حاصل ہوتا ہے

اور اس پر ایمان رکھنا ضروریات سے ہے۔ الرّاد علینا کالرّاد علی اللّٰہ ان کے قول کا ردّ کرنے والا خدا کے قول کا رد کرنے والا ہے۔

پس یہ اختلاف اس شبہ کا رد کرنے والا ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا گیا باوجود اس اختلاف کے پھر بھی یہ انتساب حقیقت سے خالی نہیں اور جو چیز جس نور سے منسوب ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق تمام انوار سے یکساں ہے لیکن پھر بھی اس نور سے ایک خاص نسبت رکھتی ہے۔ جیسا کہ فقرہ آئندہ سے معلوم ہوگا۔

ثم فتق نور ولدی الحسینؑ فخلق منہ الجنۃ والنار والحور العین والولدان فالجنۃ والنار والحور العین والولدان من نور ولدی الحسینؑ فنور ولدی الحسینؑ من نور اللّٰہ وولدی الحسینؑ وافضل من الجنۃ وما فیہا وافضل من النار وما فیہا۔

پھر خداوند عالم نے میرے بیٹے حسینؑ کے نور کو شگافتہ فرمایا اور اس سے جنّت و دوزخ اور حور و غلمان خلق فرمائے۔ پس جنت و دوزخ اور حور و غلمان میرے بیٹے حسینؑ کے نور سے ہیں۔ اور میرے بیٹے حسینؑ کا نور نورِ خدا سے اور میرا بیٹا حسینؑ جنّت و ما فیہا اور جہنم و ما فیہا سے افضل ہے۔

جنّت و نار کی پیدائش کا تعلق اکثر احادیث میں اسی فاطمہ زہرا کے جگر بند سے منسوب ہے۔ جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حسینؑ سے یہ چیزیں خاص نسبت رکھتی ہیں مگر اس نسبت کے قائم ہونے سے یہ چیزیں دوسرے بزرگوں سے الگ نہیں ہو سکتیں۔ "القیا فی جھنم کل کفار عنید" تم دونوں جہنم میں ہر کافر و عنید کو گرا دو

تفاسیر اہل بیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب محمد مصطفٰےؐ اور علی مرتضٰےؑ سے ہے جس سے ان بزرگواروں کے تصرف کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن پھر بھی ان اشیاء کی نسبت حسینؑ سے باقی ہے۔ اور اس نسبت کا اثر صادق آلِ محمدؐ کی زبانی ہمیں یہ نظر آتا ہے۔ من بکیٰ علی الحسینؑ او ابکیٰ او تباکیٰ وجبت لہ الجنّۃ۔ جو شخص حسینؑ پر روئے یا رُلائے یا رونے والے کی شکل بنائے۔ اس پر بہشت واجب ہے۔ اسی ارشاد کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہوگا کہ جو شخص حسینؑ پر رونے رلانے کو نگاہِ عداوت و تمسخر دیکھے وہ قابلِ دوزخ ہے۔ یہ جنت و دوزخ فی الحقیقت پرتو ہیں۔ رؤفیت و قہریت حسینیہؑ کے۔

ثم امر اللہ الظلمات ان تمرّ بسحائب الظلم فاظلمت السمٰوات علی الملائکۃ فضجت الملائکۃ بالتسبیح والتقدیس وقالت الٰھنا وربّنا مُنذ خلقتنا وعرّفتنا ھذہ الاشباح لم نر بؤسا فبحق ھذہ الاشباح الاما کشفت عنّا ھذہ الظلمۃ فاخرج اللہ تعالیٰ من نور ابنتی قنادیل فعلّقھا فی بطنان العرش فازھرت السمٰوٰت والارض ثم اشرقت بنورھا فلاجل ذلک سُمّیت الزھرآء فقالت الملائکۃ الھنا وسیّدنا لمن ھذا النور الذی اشرقت بہ السمٰوات والارض فاوحی اللہ تعالیٰ الی الملائکۃ ھذا نور اخترعتہٗ من نور جلالی وجمالی لامتی فاطمۃؑ بنت حبیبی محمّد وزوجۃ ولی واخی نبیّ وابی حججی علی عبادی علیؑ ابن ابی طالب اشھدکم یا ملائکتی

انی قد جعلت ثواب تسبیحکم و تقدیسکم لھذہ المرءۃ وشیعتہا الی یوم القیامۃ فقالوا اشھدنا بذلک یا رب (الحدیث)

پھر خداوند عالم نے ظلمات کو حکم دیا کہ وہ تاریکی کے بادلوں کے ساتھ چلے پس ملائکہ پر فضائے آسمان تاریک ہو گئی اور ملائکہ نے تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے فریاد و بلبلکی اور عرض کیا۔ اے ہمارے الٰہ۔ اے ہمارے پروردگار۔ اے ہمارے خالق۔ جب سے تو نے ہمیں خلق فرمایا اور ان اشباح (نورانیہ) کی معرفت ہمیں بخشی۔ ہم نے کبھی خوف اور سختی کی شکل نہ دیکھی تھی پس انہیں (نورانی) تصویروں کا واسطہ اس تاریکی کو ہم سے دور فرما۔ پس خداوند عالم نے میری بیٹی کے نور سے قندیلیں ایجاد فرمائیں اور انہیں وسط عرش میں آویزاں فرمایا۔ پس زمین و آسمان روشن ہو گئے اور سیدہ عالم کے نور سے جگمگا اٹھے۔ اسی لئے اس کا نام زہرا رکھا گیا۔ پھر ملائکہ نے عرض کی اے ہمارے آقا! یہ کس کا نور ہے جس سے تمام زمین و آسمان چمک اٹھے۔ پس خداوند تعالیٰ نے ملائکہ پر وحی فرمائی۔ یہ وہ نور ہے جسے میں نے اپنے نور جلال وجمال سے اپنی کنیز خاص فاطمہؑ کے لئے اختراع کیا ہے جو میرے حبیب محمد مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وآلہ) کی بیٹی ہے۔ اور میرے ولی میرے نبی کے بھائی۔ میری حجتہائے علی العباد کے پدر بزرگوار علیؑ ابن ابی طالب کی زوجہ۔ اے میرے ملائکہ! میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمہاری تسبیح و تقدیس تا روز قیامت کا ثواب اس کے لئے یعنی اس کے شیعوں کے واسطے مقرر کیا ملائکہ نے عرض کیا خداوندا ہم اس پر گواہ ہیں ؎

ان فقراتِ متبرکہ کی توضیح سمجھنے کے لئے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ تمام اشیا اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ عالم اشباح میں جب وقت کہ تمام عالم نورانی ہو رہا تھا۔ ملائکہ کو ہرگز اس کا علم نہ تھا کہ یہ نورانیت کیسی ہے۔ کہاں سے ہے؟ اور اس کا منبع کونسا ہے۔ اشباح ملائکہ کے سامنے موجود تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ نورانیت انہیں نورانی تصویروں کا پرتو ہے مثال اس کی یوں سمجھنی چاہیئے کہ یہ آفتاب جو کرۂ زمین کو نورانی کر رہا ہے۔ اگر حکمتِ الٰہی اس پر افول کی نقاب نہ ڈالتی تو ہرگز ہم تمیز نہ کر سکتے کہ یہ نورانیت جرم شمس ہی کا طفیل ہے۔ یہی رنگ ملائکہ کا تھا۔ پس مشیّت الٰہی کا مقتضا ہوا کہ اس کی روحانی خلوق ان بزرگواروں کے مراتب کو پہچانے جو مبداء الارواح ہیں۔ اسی لئے ظلمات کو حکم دیا کہ تاریکی کے بادل فضائے عالم میں پھیلا دے۔ اس تاریکی کے پھیلتے ہی ملائکہ نے فریاد شروع کی۔ اور خداوندِ عالم نے اپنی قدرت ایجاد سے شعاعہائے نورِ فاطمیّہ کو قندیلوں کی شکل میں متشکل فرما کر وسطِ عرش میں آویزاں کر دیا جس سے پھر زمین و آسمان چمک اٹھے۔ اب ملائکہ کو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت پہلے جو نورانیت تھی اس کا مبدء و منبع انہیں اشباح نورانیہ کا نور تھا۔ یہ ایک معرفت کا سبق تھا۔ فرشتوں کو پڑھایا گیا۔ ہاں فرشتوں نے جو رفع تاریکی کے لئے دعا کی وہ بھی انہیں کے توسط سے کی جس سے معلوم ہوا کہ مخلوق روحانی کی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ جب دعا کرے تو کسی کے واسطے سے کرے اور ان بزرگواروں سے بڑھ کر کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حکم محکم قرآن کا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ صراطِ الٰہی پر چلنے کے لئے وسیلے کی تلاش کرو۔ اور بہترین وسیلہ یہی بزرگوار ہیں۔

اِس حدیث مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس تا روزِ قیامت کا ثواب جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے شیعوں کے لئے قرار دیا گیا۔

یہ امر ذہن نشین رہنا چاہئیے کہ فرشتے خداوند عالم کی ایسی مخلوق ہیں۔ جن میں مادۂ عصیان کو قطعًا دخل نہیں۔ "عباد مکرمون لا یسبقونہٗ بالقول وھم بامرہٖ یعملون" گو از روئے حقیقت مرجع اس آیت شریفہ کا آئمہ علیہم السلام ہیں۔ لیکن بنظرِ ظاہر ملائکہ کی بھی شان یہی ہے۔ ان کی فطرت میں عناصرِ متضادہ شامل نہیں ہیں۔ گویا ان کی حالت طبعی کا اقتضا یہی ہے کہ وہ تسبیح و تقدیس کیا کریں۔ ملائکہ مقربین کی تو قطعًا یہی حالت ہے۔ (اگرچہ بعض افراد میں جو ان کے علاوہ ہیں دوسری حالت بھی معلوم ہوتی ہے) جب یہ حالت ہے تو گویا ان کی عبادت اختیاری نہیں ہے۔ اور قاعدہ عقل یہ ہے کہ ثواب کا مستحق وہی قرار پائے گا جو کوئی فعل اپنے اختیار سے بجا لائے۔ افعالِ غیر اختیاری پر کوئی شخص عقلاً مستحقِ عطا و انعام نہیں ہو سکتا۔ یا یوں سمجھو کہ آگ کی طبیعت ہے جلانا۔ پانی کی طبیعت ہے سردی پہنچانا۔ انسان کی طبعی حالت ہے زمین پر چلنا۔ بسنا۔ اِن اُمور پر نہ آگ کو انعام دیا جائے گا۔ نہ پانی کو نہ انسان کو۔ اور یہ بھی عجیب راز ہے کہ ان اُمور طبعیہ پر کسی شخص کو انعام کی خواہش بھی نہیں ہوتی۔ پس ملائکہ کو نہ خواہش ثواب ہو سکتی ہے اور نہ وہ عقلاً اس کے مستحق ہیں۔

یہ سب ہی! لیکن باوجود اس کے بھی "ثواب" کا وجود ضرور ہے کیونکہ ثواب کسی انعام جدید یا عطائے جدید کا نام نہیں بلکہ وہ ایک اثر ہے اعمال حسنہ کا جو اپنی مناسبت کے لحاظ سے شکلیں پیدا کرتا ہے۔ پس تسبیح و تقدیس جو افضل

اعمال ہیں۔ ان کے اثرات بھی افضل و اعلیٰ ہوں گے۔

اب یہ اثرات پہنچیں تو کہاں پہنچیں۔ اور دیئے جائیں تو کہاں دئے جائیں۔ فرشتوں میں نہ اس کی خواہش۔ اور نہ وہ اَز روئے قانون عقل اس کے مستحق۔ لہٰذا اب وہ قانون جاری ہوگا جس کے الفاظ یہ ہیں۔ کل شیٔ یرجع الیٰ اصلہ۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ اس قانون کی بنا پر یہ اثرات تسبیح و تقدیس ملائکہ علیؑ مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اس لئے کہ اسی حدیث مقدس سے ظاہر ہو چکا ہے کہ اصلِ ملائکہ علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جب وہاں تک یہ اثرات پہنچ گئے تو اب یا بقانون توارث یا بقانون مہر ان کا رجوع حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی طرف ہوگا۔ اور ثواب تسبیح و تقدیس ملائکہ حصۂ فاطمہؑ قرار پائے گا۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب اہلِ ایمان کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ بزرگوار مطہرہ بیبی اس ذات کے جس کا نام "غنی" بھی ہے۔ لہٰذا شان "غنا" ان میں ضرور پائی جائے گی۔ یعنی از طرفِ مخلوق یہ بالکل غنی ہیں۔ انہیں کسی مخلوق کی احتیاج نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی فیاضی بھی ان کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو گئیں یعنی عدمِ احتیاج اور فیاضی۔ تو لا محالہ جناب سیدہؑ اس ثواب کو اسی طرف لوٹائیں گی جہاں ان کی احتیاج بھی ہو۔ نیز قابلیت بھی۔ اور یہ قابلیت شیعیانِ فاطمہؑ سے بہتر کہاں مل سکتی ہے۔ اور احتیاج بھی یہاں ثابت ہے۔ پس ثوابِ تسبیح و تقدیس ملائکہ کے وارث حسبِ قانونِ عدل شیعیانِ فاطمہؑ قرار پائیں گے۔ اور یہی قضائے حکمِ خداوندی ہے۔ جس پر ملائکہ کی شہادتیں ثبت ہیں۔ اسی قانون کو مدنظر رکھ کر ترجمہ حدیث میں

"ولشیعتھا" کے "واؤ" کا ترجمہ "یعنی" کیا گیا ہے۔

شیعیانِ فاطمہؑ و شیعیانِ علیؑ

یُوں تو بنظرِ ظاہر شیعیانِ علیؑ و شیعیانِ فاطمہؑ ایک ہی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھو گے تو شیعیانِ فاطمہؑ کے مدارج بہت بلند نظر آئیں گے۔

سنو! اور ایمان کے کانوں سے سنو! جناب علیؑ مرتضیٰ عہدۂ امامت پر فائز ہو کر اہلِ دنیا کے سامنے آئے۔ ہر مقام پر ان کے کمالات کا نقشِ قدم موجود ہے۔ ان کے ارشادات ان کے افعال اس کثرت سے سُنے اور دیکھے گئے۔ جس کی بنا پر ہر شخص کو ایمان اور کامل ایمان حاصل کرنے کا بہترین موقعہ ملا۔ اس کے برخلاف جناب سیّدہ کی حالت دوسری ہے۔ وہ عہدہ امامت پر جلوہ گر نہیں ہوئیں۔ اس لئے کہ حجاب مانع فرائضِ امامت ہے۔ ان کے پدرِ بزرگوار کی لائی ہوئی شریعت کا حکم ہے۔ "لا یتبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ: زمانۂ جاہلیت کی طرح کھلے بندوں نہ پھرو۔" اس کے علاوہ شرم و حیائے ذاتی بھی ایک چیز ہے۔ جسے بحالتِ اضطرار ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ پس یہ قیود تھیں۔ جن کی بنا پر جناب سیّدہ کے کمالاتِ ذاتیہ کو اظہار کا موقعہ نہیں ملا بیت النبوۃ کا گوشۂ نورانی ہی ان کا مسکن رہا۔ اتنے حجابات میں جن لوگوں نے جناب سیدہ کے کمالات اپنی بصیرت کی آنکھوں سے دیکھے۔ اُن کے مدارجِ ایمانیہ کی ترقی میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ یہ ایک خصوصیت ہے۔ جو شیعیانِ فاطمہؑ میں ہم کو نظر آتی ہے۔ باقی حقائق کا عالم خدا ہے اور مظہرِ خدا۔

اس حدیث مقدس سے اربابِ بصیرت جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی

حالتِ باطنی یا سیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جس مخدومہ کو زمین کے نور سے ملائکہ کی آنکھوں نے نورانیت حاصل کی ہو۔ اللہ اکبر اس کی تنویر اور لمعانیت کے اظہار کے لئے الفاظ کہاں سے میسّر آسکتے ہیں۔ یہ ایک یقینی امر ہے کہ جس طرح اس کے اشراقات سے زمین و آسمان جگمگا اُٹھے۔ ظلمتیں کافور ہوگئیں۔ اسی طرح آج بھی اس کے نُور سے ظلمتِ جہل و نفاق دُور ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم اس ظلمت کو سمجھ لیں اور پھر اس کے دُور ہونے کی خواہش کریں۔

ہر چہ ہست از قامتِ ناسازیٔ اندامِ ماست
ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

افسوس انسان نے ظلمت کو نور اور جہل کو علم سمجھ رکھا ہے۔ جب تک ان حقائق نورانیہ سے توسّل نہ کرے گا کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتا۔ جب تک نشۂ مادیات میں مخمور ہے۔ کبھی نسیمِ قدس اسے معطّر نہ کرے گی۔ جب تک اپنے علم پر (جو اوہام و خیالات کا ذخیرہ ہے) مغرور رہیگا کبھی حقیقتِ علم سے آشنا نہ ہوگا۔ رب زدنی علما والحقنی بالصّٰلحین الذین یرون بعین البصیرۃ حقائق الاشیاء کماھی۔

اِس حدیث سے آپ کو معلوم ہوا کہ ان حقائق نورانیہ کا نور سب سے مقدم تھا اور آسمانِ ایجاد انہیں کے انوارِ مقدسہ کی روشنی نے منوّر کیا تھا۔ اب ایک اور حدیث درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ عالمِ اشباح میں تصویرِ نورانی فاطمہ زہراؑ کس طرح جلوہ گر تھی۔

(بحار الانوار جلد عاشر و جلد سابع ۲۴۹)

عن ابی محمد العسکری عن آبائہ علیہم السلام قال

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما خلق اللہ
آدمؑ وحواؑ تبختر فی الجنۃ فقال آدم لحوا ما خلق اللہ خلقا
ھو احسن منا فاوحی اللہ عزوجل الی جبرئیل ان ائت
بعبدی فی الجنۃ الفردوس الاعلیٰ فلما دخلا الفردوس
نظرا الی جاریۃ علی درنوکٍ من درانیک الجنۃ علی راسہا
تاج من نورٍ وفی اُذنیہا قرطان من نورٍ قد اشرقت الجنان
من حسن وجہہا قال آدم حبیبی جبرئیل من ھذہ
الجاریۃ التی قد اشرقت الجنان من حسن وجہہا فقال
ھذہ فاطمۃ بنت محمد نبی من ولدک یکون فی آخر
الزمان قال فما ھذا التاج الذی علی راسہا قال بعلہا
علیؑ ابن ابی طالب قال فما القرطان اللذان فی اذنیہا
قال ولداھا الحسنؑ والحسینؑ قال حبیبی جبرئیل اخلقوا
قبلی قال ھم موجودون فی غامض علم اللہ عزوجل
قبل ان تخلق باربعۃ آلاف سنۃ۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آبائے کرام سے
روایت فرمائی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا کہ
جب خدا نے آدمؑ وحوا علیہما السلام کو خلق فرمایا تو انہوں نے جنت میں
افتخار کیا اور آدمؑ نے حواؑ سے کہا کہ خداوند عالم نے کوئی مخلوق ہم سے بہتر
خلق نہیں کی۔ پس خدائے جل وعلا نے حضرت جبرئیل کو وحی کی کہ میرے

ان دونوں بندوں کو جنّت الفردوس اعلیٰ میں لے آؤ۔ جب یہ دونوں فردوس میں داخل ہوئے تو ایک شہزادی کو دیکھا جو فرشِ جنّت پر جلوہ افروز تھی۔ اس کے سر پہ تاج نورانی تھا اور اس کے کانوں میں نور کے آویزے تھے اور اس کے چہرے کی ضیاءِ حُسن سے تمام جنّت روشن ہو رہی تھی۔ پس حضرت آدمؑ نے جبرئیلؑ سے پوچھا یہ شہزادی کون ہے۔ جس کے چہرے کے حُسن سے تمام جنّت روشن ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ فاطمہؑ بنت محمدؐ ہے جو آخری زمانہ میں تیری اولاد سے نبی ہو گا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا۔ یہ تاج کیسا ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ اس کا شوہر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ پھر پوچھا کہ اس کے کانوں میں گوشوارے کیسے ہیں۔ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ اس کے بیٹے حسنؑ وحسینؑ ہیں۔ حضرت آدمؑ نے سوال کیا کہ کیا یہ مجھ سے پہلے خلق ہوئے ہیں؟ جبرئیل نے جواب دیا کہ یہ تمہاری خلقت سے چار ہزار برس پہلے غامضِ علمِ خدا میں موجود تھے۔

اِس حدیث سے اہلِ ایمان پر روشن ہو جاتا ہے کہ حقیقت فاطمیہؑ کس صورت میں جلوہ افروز تھی۔ نیز حضرت جبرئیل نے جو مدّت ان بزرگواروں کے لئے مقرر کی ہے۔ اس کا ہمارے سنین متداولہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ان کا تعلّق ہے۔ غامضِ علم الٰہی سے۔ کیونکہ یہ بزرگوار اس وقت موجود تھے۔ جب زمانہ کا وجود نہ تھا بلکہ خود خلقت جبرئیلؑ ان کے بہت بعد ہے۔ بلکہ جبرئیل ایک شعاع ہے آفتابِ علویہؑ کی۔

اربابِ بصائر یہیں سے جنابِ فاطمہؑ کی سیرت کا اندازہ فرمائیں۔ دوسری

مخلوق خواہ وہ انبیاء ہوں یا ملائکہ ۔ نہ کوئی ان کے کوائفِ باطنی کو احاطہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی ان کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بزرگوار تمام عوالم پر محیط ہیں۔ باقی تمام مخلوق ان کے ماتحت ہے۔ اسی بارگاہ سے تقرب کی بدولت جبرئیل کو تاجِ تقرب عطا ہوا۔ اور اسی درگاہ کی بدولت کل مخلوق کو ایمان کی دولت دستیاب ہوئی جب یہ ظاہر نہ تھے تو کچھ بھی ظاہر نہ تھا۔ اور جب یہ ظاہر ہوئے تو سب کچھ ان کے طفیل میں ظاہر ہو گیا۔

انہیں حدیثوں سے وجہ تسمیہ "زہرا" بھی معلوم ہو گئی۔ یہ نام یونہی نہیں رکھا گیا بلکہ یہ نام حضرت کی صفاتِ باطنیہ کے لحاظ سے رکھا گیا ہے۔

واضح ہو کہ آئمہ علیہم السّلام کے اسماء متبرکہ اسمائے خدا سے مشتق ہیں۔ بلکہ نظرِ حقیقت بین میں خود یہ بزرگوار اسماء اللہ ہیں۔ ان کے اسماء گرامی کو عوام پر قیاس نہ کرنا چاہیئے بلکہ ان میں سے ہر نام ان کی سیرت کا ظاہر کرنے والا ہے۔ اگر اسم سے مسمیٰ کی شان کا پتہ چلے گا تو مخلوقاتِ الٰہی میں یہی بزرگوار اس صفتِ خاص میں امتیازِ خاص رکھتے ہوئے نظر آئیں گے۔

نہایت بابرکت ہیں وہ نفوس جن کی زندگیاں ان کے فضائل و مناقب پر غور کرنے میں گذر گئیں۔ اور کس قدر منبعِ خیر تھے وہ بزرگوار جن کی جانکاہ محنتوں کی بدولت یہ حدیثیں ہم تک پہنچ گئیں۔ جن کا ایک ایک لفظ سرمۂ چشمِ بصیرت ہے۔ اسی کے ساتھ حیرت ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر بھی جو ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ اب یہ چیزیں ان کے لئے قصہ کہانیوں سے بھی کم وقعت رکھتی ہیں۔ اہلِ نظر کی یہ سرد مہری یقیناً افسوس کے قابل ہے۔ افسوس کہ احادیثِ معصومینؑ سے

محبت روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ نہیں معلوم اس کا انجام کیا ہوگا۔ دام اوہام میں ہم کب تک اُلجھے چلے جائیں گے۔

اہلِ زمانہ پکار رہے ہیں۔ اور تحریراً و تقریراً اس خواہش کا اظہار ہو رہا ہے کہ ہمیں تاریخ و سیر آئمہ کی ضرورت ہے۔ میرے دوستو! اگر تم محض تاریخ پر اکتفا کرنا چاہتے ہو تو ان واقعات مشہورہ سے جو ان کو پیش آئے (سوائے ایک واقعہ کے) تم اپنے ایمان میں کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکتے۔ وہ چیز کہ جس سے روح ایمان کو جلا ہوتی ہے۔ وہ ان کی سیرت ہے۔ اور یہ سیرت سوائے احادیث کے اور کہیں تم کو دستیاب نہیں ہو سکتی۔

سُنو! میری ایک بات سنو! امیرِ شام پر علی مرتضیٰ کی فوج کشی سے کوئی علیؑ کی شان معلوم نہیں ہو سکتی یا فتح خیبر کی بنا پر علی مرتضیٰ کی قوتوں کا کوئی خاص اندازہ نہ ہوگا۔ یہ چیزیں تو اگر غور کرو گے تو ان کے غلاموں کے ہاتھ پر جاری ہو سکتی ہیں۔ ہاں جب تم غور کرو گے۔ "کل شیء احصیناہ فی امام مبین" پر اس وقت آفتاب کمالاتِ علویہ کی شعاع تم تک پہنچ سکتی ہے۔ مگر اس مقام پر جب آنا تو ظرف لے کر اور قلب سلیم لے کر آنا۔ ورنہ بغیر اس کے مصیبت ہی مصیبت کا سامنا ہے

اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔

میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعات تاریخی بیکار چیز ہیں۔ ہرگز نہیں ضروری اور بہت ضروری ہیں۔ بحث سیرت کی ہے کہ وہ صرف احادیث سے معلوم ہو گی اور ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے موافق اس میں سے حصّہ لے سکتا ہے۔

باب دوم

انعقادِ حمل و کیفیّات حمل و ولادت

اہلِ ایمان پر روشن ہے کہ اس نُورانی مخلوق کے حالات عام انسانی حالات سے بالکل مغائر ہیں۔ ان کی طینت اَور ہے۔ ہماری طینت اَور۔ یہ بزرگوار جو لباسِ انسانی میں جلوہ گر ہوئے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کی پیدائش میں بھی اسی مادے کو دخل ہو جس سے کہ عام انسانوں کی خلقت ہوا کرتی ہے۔ یہ مادہ جو حقیقتِ نجاست ہے۔ ان بزرگواروں کو مَس نہیں کر سکتا۔ جو شخص ایسا خیال کرے وہ تطہیر کلی کے معنی سے بے خبر ہے۔ یہ مخلوق عالمِ امر کی مخلوق ہے۔ اس مخلوق کے لئے ان اسباب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جو عام انسانی تولید میں پائے جاتے ہیں قرآن مجید میں افرادِ طبقۂ انبیاء کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے اہلِ بصیرت یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ جو اُوپر بیان کیا گیا۔

قرآن میں قصۂ حضرت عیسٰیؑ و حضرت یحییٰؑ و حضرت اسحٰقؑ وغیرہم بہت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ ان قصّوں کی تاویل کے درپے ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان قصّوں کی عبارتوں کو درہم و برہم کر کے ان بزرگواروں کو اپنی ہی صف میں لے آئیں۔ فی الحقیقت انہیں نورِ بصیرت سے کوئی حصّہ نہیں ملا۔ یا یہ کہ مدعیانِ فلسفہ کے ہولناک ناموں سے ان کی روح لرزتی ہے۔ وہ چاہتے کہ قرآن کا مطلب اس

طرح بیان کریں کہ فلسفۂ ظاہری کے معیار پر یہ مطلب پورا اُتر جائے۔ حالانکہ یہ فلسفہ خود اوہام انسانی کا مجموعہ ہے۔ ہمیشہ اس کے قیاسات واصول بدلتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ بدلتے جائیں گے۔ یہ اوہام وخیالات اہلِ بصیرت کے نزدیک نہ کبھی حجّت ہوئے ہیں اور نہ حجت ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا کی حقیقتِ نورانیہ کے متعلق جو حدیث درج کی گئی ہے۔ اس سے اہل ایمان قطعی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جس ذات کی عالم قدس میں یہ حالت ہو وہ اس دنیا میں آنے کے لئے ہمارے ہی اسباب کی ماتحت نہیں ہو سکتی جس طرح اس کی حقیقت ہم سے مختلف ہو گی ۔ ہمائے اوج تقدس کیوں نشیب نجاست کی طرف پرواز کرے۔ اس کی پرواز ہمیشہ ساحتِ تطہیر میں رہے گی" لم تنجّسکم الجاھلیۃ بانجاسہا ولم تلبسکم بمدلھمّات ثیابہا " اے اہل بیتؑ نبوت تمہیں ہرگز نجاساتِ جاہلیت نے نجس نہیں کیا۔ اور تمہیں اپنی تاریک چادریں نہیں اڑھائیں۔ تمہاری روشنی تاریکیوں سے بدل نہیں سکتی۔ اور تمہاری قبائے تطہیر کو کسی قسم کی نجاست مس نہیں کر سکتی۔ تم ہمیشہ سے نور تھے اور ہمیشہ نور ہی رہو گے ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونا۔ درانحالیکہ ہر عالم میں تمہارے حقائق موجود ہیں۔ تمہاری شان میں کوئی فرق پیدا نہیں کر سکتا۔ اوّل کو آخر سے نسبت ہے۔ اور آخر کو اوّل سے۔ پس یہ موادِ عنصری جیسے شر اور جہالتیں عارض ہو سکتی ہیں۔ تم میں کہاں تمہاری شان اس سے بہت بلند ہے۔ اور تمہاری حقیقت اس سے بہت دُور ہے وہ شے جسے نطفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو کہ فی الحقیقت ظرف ہوتا ہے حقیقتِ انسانیہ کا عام انسانوں میں یہ شے خلاصہ ہوتی ہے ماکول ومشروب ارضی کا۔ لیکن جو

بزرگوار کہ حقیقتِ نورانیہ رکھتے ہیں۔ ان کے لئے مصالح مختلفہ کی بنا پر یہ ظرف اگر تیار ہوتا ہے تو مادی غذاؤں سے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ غذائیں ہماری غذاؤں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ اگرچہ صورت میں مشابہت رکھتی ہوں۔ لیکن ان کی سیرت بالکل ان سے مختلف ہوتی ہے بلکہ ان کی ایک صورت سیرتہائے مختلفہ کی حامل ہوتی ہے یعنی اگر مثلاً رطب ہے تو صرف رطب ہی نہیں بلکہ اس میں سیب کی لذت بھی ہے انگور کی بھی بلکہ کل فواکہات کی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جب کہ اس عالمِ مادی میں ہم ایسے میوہ جات دیکھتے ہیں۔ جن کی خوشبو کسی اور میوے کی ہے۔ اور لذت میں مختلف میووں کی لذتیں ملی ہوئی ہیں۔ اور باوجود اس کے وہ ایک صنفِ علیحدہ بھی ہیں۔ جب اس عالمِ ناقص میں یہ چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں تو وہ عالم جو کمالِ محض ہے۔ اور جہاں کی ہر چیز کامل ہے۔ وہاں تو یہ حقائق بدرجہ اولےٰ پائے جائیں گے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس ظرف کا قوام جو حاملِ حقیقتِ فاطمیہؑ ہوا۔ کہیں رطب جنت سے قرار دیا ہے۔ کہیں سیب جنت سے۔ اس بیان میں ہرگز اختلاف نہیں ہے۔ صرف اپنی سمجھ کا اختلاف ہے۔

سخن ہا بسکہ وفقِ منزل افتاد
در افہامِ خلائق مشکل افتاد

ان احادیث میں سے ایک حدیث جسے صاحب علل الشرائع نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ جناب عائشہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ اپنی لختِ جگر کو بوسے دے رہے تھے۔ جناب عائشہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ انہیں (بہت) دوست رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ

اگر تم اس کے ساتھ میری محبت کا اندازہ کر سکو تو ضرور ان سے محبت بڑھاؤ گی۔ یہ ارشاد فرما کر رسول اللہؐ نے کیفیت معراج بیان فرمائی۔ اور آسمانوں کی کیفیتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ جب میں حجاب کے پاس پہنچا تو جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے داخلِ جنّت کیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شجر نورانی ہے۔ جس کے سائے میں دو فرشتے بیٹھے ہوئے حلّے اور زیورات چُن رہے ہیں۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ درخت کس کے لئے ہے۔ اُس نے کہا کہ آپ کے بھائی علیؑ بن ابی طالب کی ملک ہے۔ اور یہ فرشتے قیامت تک اُس کے لئے حلّے اور زیورات چنتے رہیں گے۔ پھر میں آگے بڑھا۔ میں نے ایک رطب دیکھا جو مسکہ سے زیادہ نرم، مشک سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے یہ رطب لے کر نوش کیا۔ پس یہ رطب نطفہ بن گیا۔ جب میں واپس آیا تو اس نطفہ نے رحم مطہر خدیجہ میں قرار پکڑا۔ پس فاطمہؑ انسانوں میں حور ہے۔ جب میں جنّت کا مشتاق ہوتا ہوں تو فاطمہ (صلوات اللہ علیہا) کی بو سونگھ لیتا ہوں۔

اِن الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظرف جو حقیقتِ فاطمیہؑ کا حامل ہے۔ اُس کی اصل اس جنّت سے ہے۔ جو ورائے حجاب اور فوقِ حجاب ہے۔ جو دوسری جنّتوں سے بہت رفیع ہے۔ گویا وہ رُوحِ جنّات ہے۔ جس کی لذّتوں کو دوسری جنّتوں کی لذّتیں نہیں پہنچ سکتیں۔ اِسی حدیث سے جناب خدیجہ کی سیرت پر بھی روشنی پڑجاتی ہے۔ کیونکہ اس طاہر و مطہر حقیقت کی حامل وہی ذات ہو سکتی ہے۔ جس میں اس کی اہلیت ہو۔ اور جو اس سے مناسبت رکھتی ہو۔ گو ہم اس خاتون معظم کو منصوص طور پر معصومہ نہیں کہہ سکتے لیکن دائرۂ عصمت سے ان کا اتصال قطعی ہے۔

ارباب نظر جانتے ہیں کہ روح اپنے مقام پر تصرفات عجیب و غریب کی حامل ہے۔ ان تصرفات میں کمی اس وقت ہوتی ہے جب کہ مادیات کے تاریک پردے اس کے سامنے آجاتے ہیں لیکن جو روح کہ حقیقت الارواح ہو۔ اول تو اس کو کوئی حجاب اپنے تصرفات سے روک نہیں سکتا اور جب کہ پردہ بھی نہ ہو۔ یا اگر ہو تو وہ بھی نورانی ہو۔ اور اس کی طینت جنت اعلیٰ سے ہو تو اس کے تصرفات کے لئے کوئی شے حائل نہیں ہو سکتی۔ نہ انتقال مکانی سے اس کی حیثیت میں فرق آتا ہے۔ نہ تحویل و تحول اس کے کمالات کو چھپا سکتے ہیں۔ وہ ہر وقت جب چاہے اپنے تصرفات ظاہر کر سکتی ہے۔

چنانچہ سیدہ عالم و عالمیان نے جب حسب مشیت ایزدی رحم جناب خدیجہؓ میں قیام فرمایا تو اس وقت جناب خدیجہؓ اپنی تنہائی سے بہت پریشان رہتی تھیں۔ مکہ کی عورتوں نے آپ سے میل جول ترک کر دیا تھا۔ جرم یہی تھا کہ آپ اس صادق امین کی زوجیت کے شرف سے مشرف تھیں۔ جو دنیا سے ظلمت جہالت و کفر کو دور کرنے کے لئے مبعوث ہوا تھا۔ آپ ان کی تصدیق کرنے والی تھیں۔ اور آپ نے اپنا مال و متاع اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس حالت میں ایک تو تنہائی کا صدمہ حضرت خدیجہؓ کو ستاتا تھا۔ دوسرے جناب رسول اللہؐ کی طرف سے بھی ملول رہا کرتی تھیں۔ اس لئے کہ کفار ہر وقت آپ کی اذیت کے درپے رہتے تھے پس خداوند عالم نے جناب خدیجہ کی تسکین کا سامان کیا۔ یعنی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا آپ کی تسلی کا ذریعہ قرار پائیں۔ چنانچہ ایک حدیث کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ جس سے کیفیت حمل کی طرف بھی اشارہ ہوگا اور حالات ولادت کی طرف بھی۔

بحار الانوار جلد عاشر میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مصباح الانوار سے اور امالی شیخ صدوق
سے روایت کرتے ہیں جس کے ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
خدمت میں عرض کیا کہ جناب سیدہ کی ولادت کس طرح ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ جب
خدیجہؑ سے جناب رسول اللہ نے شادی کی تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ نہ وہ
ان کے پاس آتی تھیں۔ نہ ان کو سلام کرتی تھیں۔ اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس
آنے دیتی تھیں۔ اس بات سے جناب خدیجہ کو بہت وحشت ہوئی۔ اور ادھر جناب
رسول اللہ کی طرف سے بھی خوف دامن گیر تھا۔ اسی حالت میں جناب سیدہ کا حمل
قرار پایا۔ جناب سیدہ خدیجہؑ سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ اور انہیں تسلی و دلاسہ دیتی رہتی
تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہؑ نے رسول اللہ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔
ایک روز رسول اللہ تشریف لائے۔ تو آپ نے سنا کہ خدیجہ جناب فاطمہؑ سے باتیں
کر رہی ہیں۔ پوچھا کس سے باتیں کر رہی ہو۔ خدیجہؑ نے عرض کی کہ یہ بچہ جو میرے
شکم میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ اور میری وحشت کو دور کرتا ہے۔ آپ نے
فرمایا۔ اے خدیجہؑ جبرئیل نے مجھے بشارت دی ہے کہ یہ بچہ "لڑکی" ہے۔ یہ نسل
طاہرہ و میمونہ ہے۔ خداوند عالم میری نسل اسی سے قرار دے گا۔ اسی کی نسل سے امام
پیدا ہوں گے جو اقتضائے وحی (قرآنی) کے بعد زمین پر خدا کے خلیفہ مقرر کئے جائیں
گے۔ پس جناب خدیجہ کی یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ آپ کی ولادت کا وقت آیا
اس وقت خدیجہؑ نے قریش کی عورتوں کے پاس کہلا بھیجا کہ آؤ اب وہ وقت آگیا ہے
کہ جب عورتیں ہی عورتوں کے کام آسکتی ہیں۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ تم نے ہمارا

کہنا نہ مانا۔ یتیم ابوطالب سے شادی کر لی۔ جو فقیر ہے جس کے پاس کچھ بھی مال نہیں اب ہم نہیں آتے۔ اس جواب سے خدیجہؑ مغموم ہوئیں۔ اسی اثنا میں خدیجہؑ نے دیکھا کر چار گندم گون اور سرو قامت عورتیں داخل ہوئیں۔ جو بظاہر بنی ہاشم کی عورتوں میں سے معلوم ہوتی تھیں۔ خدیجہ کو ان کے اچانک آجانے سے ایک قسم کی دہشت ہوئی۔ ان عورتوں میں سے ایک نے بڑھ کر کہا کہ تم ملول نہ ہو۔ ہمیں خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ میں سارہ ہوں۔ یہ آسیہ بنت مزاحم ہے۔ جو جنت میں تمہاری مصاحب ہے۔ یہ مریم بنت عمران ہے۔ اور یہ کلثوم خواہر موسیٰ۔ ہمیں خدا نے تمہاری خدمت کے لئے بھیجا ہے۔ ان میں سے ایک تو خدیجہؑ کے دائیں طرف بیٹھ گئی۔ دوسری بائیں طرف۔ ایک پس پشت اور ایک سامنے۔ پس جناب فاطمہؑ طاہرہ مطہرہ پیدا ہوئیں۔ اور جب زمین پر تشریف لائیں تو چہرۂ اقدس سے ایک نور چمکا جس کی چمک مکہ کے تمام گھروں میں پہنچی۔ اور مشرق و مغرب میں کوئی مقام ایسا نہیں تھا جہاں اس نور کا پرتو نہ پڑا ہو۔ پھر دس حوران جنت حاضر ہوئیں۔ اور ہر حور کے ہاتھ میں طشت و آفتابہ جنت تھا۔ اور آفتابہ آب کوثر سے لبریز تھا۔ وہ عورت جو جناب خدیجہؑ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے آب کوثر سے سیدۂ عالم کو غسل دیا پھر دو سفید براق خوشبو میں بسے ہوئے پارچے نکالے۔ ایک پارچہ میں حضرت کو لپیٹا اور دوسرا آپ پر اڑھا دیا۔ پھر فاطمہؑ سے کلام کرنا چاہا۔ جناب فاطمہؑ نے اولاً فرمایا۔

اشهد ان لا الٰه الا الله و ان ابی رسول الله سید الانبیاء و ان بعلی سید الاوصیا و ولدی سادة الاسباط۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے کوئی خدا نہیں اور میرے پدر بزرگوار خدا کے رسول اور سردار انبیاء ہیں

میرا شوہر سردار اوصیاء۔ اور میری اولاد بہتر از انبیائے بنی اسرائیل ہیں پھر آپ نے ان بی بیوں کو سلام کیا۔ اور ایک ایک کا نام لے کر سلام کیا۔ وہ ہنستی ہوئی آپ کی طرف بڑھیں۔ حوروں نے آپس میں مبارکباد دی۔ اہلِ آسمان نے ایک دوسرے کو ولادتِ فاطمہؑ کا مژدہ سنایا اور آسمان میں ایک ایسا نور ظاہر ہوا۔ جو اس سے قبل ملائکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب ان عورتوں نے کہا اے خدیجہؑ اس طاہرہ۔ مطہرہ۔ زکیہ۔ میمونہ کو لو۔ یہ مبارک ہے۔ اور اس کی نسل بھی مبارک۔ خدیجہؑ نے ہنسی خوشی اس نورانی مولود کو لے کر سینہ سے لگا لیا۔ اور دودھ پلانے لگیں۔ جناب فاطمہؑ ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنے دوسرے بچے ایک مہینے میں۔ اور ایک مہینے میں اتنی نشوونما ہوتی تھی جتنی کہ دوسرے بچوں کے لئے ایک سال میں۔

اِس حدیث مقدس سے معلوم ہو گیا کہ زمانہ حمل میں اس شعاع روح اعظم کے تصرفات کیسے تھے۔ تلقین صبر اس مخدومہ کے کمالات پر دال تھا۔ اس عالم میں جو صبر کی تلقین کرے۔ ضرور ہے کہ حقیقت اس کے دامن سے وابستہ ہو۔ ہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باتیں جو ہوتی تھیں وہ کوئی قصّے کہانیاں نہ تھیں۔ بلکہ حقائق ایمانیہ سے لبریز ارشادات تھے جس کی تفسیر معصوم نے لفظ " تصبرھا " سے فرمائی ہے۔

یہ مقام بھی جناب فاطمہؑ کی سیرت کا ایک بلند مقام ہے۔ اور یہی سیرت آپ کو آئمہ معصومین علیہم السّلام کی نظر آئے گی۔ بلکہ ان کی خصوصیات خاصتہً یہی ہوتی ہے۔ ان کی حالتیں عام انسانی حالتوں سے بالکل جداگانہ ہیں۔ ان کی تسبیح و تہلیل کی صدائیں ہر حجاب سے بلند ہوتی ہوئی سنائی دیں گی۔ حجاب رحم سے ان کے

کمالات اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ آفتاب کی شعاعیں ابر سے۔ہاں حجاب رحم میں ان کی غذا وہ نہیں ہوتی جو عام بچوں کی ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی غذا وہی ہے جو روح کی اصل غذا ہے۔ اور جسے اہلِ بصیرت نے "علوم و معارف" کے نام سے نامزد کیا ہے اور اسی کو روحانی غذا کہتے ہیں۔

یہی عالم ان کی ولادت کا ہے۔ ان کی ولادت میں وہ وہ آثارِ غریبہ ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کے سماعت کی برداشت وہی کرسکتا ہے۔ جس کے قلب کا خدا نے ایمان کے ساتھ امتحان کرلیا ہو۔ ان کی ولادت کے وقت کسی قسم کی نجاست کا ظہور نہیں ہوتا۔ یہ سب کے سب طاہر و مطہر پیدا ہوتے ہیں۔ زمین پر آتے ہی کلام کرتے ہیں۔ اور پہلا کام جو ہوتا ہے وہ اعلانِ توحید ہوا کرتا ہے۔ جس سے اہلِ نظر معلوم کرسکتے ہیں کہ دنیا میں توحید انہیں کے دم سے پھیلی۔ اور یہی وہ بزرگوار ہیں۔ جنہیں ہیاکلِ توحید کہا گیا ہے۔

ولادتِ معصومؑ کے یہ حالات جو اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ تمام آئمہؑ کے متعلق اسی قسم کے امور آپ کو نظر آئیں گے۔ اور یہ امر احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے جو سب کی سب معصومینؑ سے تعلق رکھتی ہیں۔ دوسرے فرقے کی کتابوں میں بھی ایسی چیزیں تلاش سے دستیاب ہوسکتی ہیں لیکن ہمارے لئے یہ کوئی امر نہیں ہے کہ ہر چیز کی سندوہیں سے تلاش کرنے نکلیں۔

نشوونما کی بابت جو اس حدیث میں ذکر ہوا ہے اس کی بنا بھی تصرفِ روحانی پر ہے اور ذرا بھی تعجب انگیز نہیں بلکہ ان کی حالتوں میں جو ہم کو تدریج نظر آتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ انسانی عقلیں اس سے زیادہ کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔

نشوونما اور بالیدگی کا انحصار قوتِ باطنی پر ہے یہ قوت جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر نشوونما حیرت انگیز ہوگا۔ اس کی مثالیں دنیا میں بھی مل سکتی ہیں مگر ہمارے سامنے تو ذکر درپیش ہے۔ ان بزرگواروں کا جو اصلِ نورانی ہیں۔ ان کی بالیدگی کا اندازہ تو ہماری عقلیں کر رہی نہیں سکتیں۔ اظہارِ کمالات کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ اس کا دیکھنے والا قابلیت اور اہلیت رکھتا ہو۔ اگر نااہل کے سامنے کوئی ایسی بات ظاہر کی جائے تو یا تو وہ سحر وغیرہ کی آڑ لے کر انکار کرے گا یا حیران ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا۔ لہٰذا عام عقول کا لحاظ بھی رکھا جاتا ہے اور کمالات کا کچھ نہ کچھ اظہار کر کے خدا کی حجتیں بھی قائم کی جاتی ہیں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ موقعہ و مصلحت کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اِس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نورِ جنابِ سیّدہ کا اشراق عالمِ روحانی تک ہی محدود نہ تھا۔ اور اس عالم میں آنے سے ان کی نورانیت پر حجاب نہیں پڑے تھے بلکہ جب یہاں تشریف لائیں تو نورٌ علیٰ نور ہو کر تشریف لائیں۔ اسی لئے وقتِ ولادت آسمانوں میں نور چمکا جو اس سے قبل فرشتوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ عالمِ شہود میں آنے سے ان کی ضیاء دہ چند ہو کر نورافگن ہوئی۔ جس نے اہلِ ایمان کے لئے نورانیت کا ایک اور باب کھول دیا۔

وجہ تسمیۂ فاطمہؑ و فہرست اسما و القاب

سطورِ سابقہ میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ وجہ تسمیہ "زہرا" یہ ہے کہ آپ کے نورِ رفیعہ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وجہ دوئم۔ فی مجمع البیان۔ روی انہا سمّیت فاطمۃ لانّہا فطمت

شیعتها من النار وفطم اعدائها عن حُبّها۔

صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں: "روایت کی گئی ہے کہ آپ کا اسم گرامی فاطمہؑ اس لئے قرار پایا کہ آپ نے اپنے شیعوں کو دوزخ سے اور اپنے دشمنوں کو اپنی محبت سے (جو جنّت حقیقی ہے) دور کر دیا۔ یہ توجیہ لغت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ لغت میں فطم کے معنی دودھ چھڑانے کے ہیں۔ یہ توجیہ احادیث میں بکثرت مذکور ہوئی ہے۔

اسی توجیہ کو صاحب مدارج النبوّت نے حافظ دمشقی سے نقل کیا ہے۔

قال رسول اللہ یا فاطمہ اتدرین لم سمیتك قلت یا رسول اللہ لم سمیت فاطمہ قال ان اللہ تعالیٰ قد فطمها وذریتها عن النار۔

رسول اللہ نے فرمایا اے نورِ نظر تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا نام فاطمہؑ کیوں رکھا۔ میں نے کہا آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا اس لئے کہ خدا نے اس کو (تم کو) اور اس کی (تمہاری) ذریت کو آتش دوزخ سے آزاد کر دیا۔

وجہ سوئم: فی مجمع البیان۔ قیل فطمها بالعلم ومن الطمث

یہ بھی ایک قول ہے کہ آپ کا نام فاطمہؑ اس لئے رکھا گیا کہ آپ نے شیر علم نوش کیا ہے اور آپ نجاساتِ نسوانیہ سے پاک و پاکیزہ ہیں یہ توجیہ بھی لغت اور خصائصِ باطنیہ کے لحاظ سے ہے۔ احادیث اس کے متعلق بھی موجود ہیں۔

یہ ہر سہ توجیہات اپنے اپنے مقام پر سب صحیح ہیں۔ مگر توجیہ اوّل جو نقل ہوئی ہے وہ بہت بلند اور رفیع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ صلوات اللہ علیہا اپنے مبدء سے اتنا قرب رکھتی ہیں کہ کسی ملکِ مقرب کا خیال

بھی درمیان میں حائل نہیں ہو سکتا۔

وہ حدیث جس سے توجیہ اول نقل کی گئی ہے۔ اس میں بے شمار امرار ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ اس عالم میں اشباح نورانیہ خمسہ تجبا بصورت سطور مکتوبی بھی جناب آدمؑ نے ملاحظہ کیں۔

احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم میں ان بزرگواروں کے انوار کہیں بشکل نجم نظر آئے کبھی بصورت انسانیہ کہیں بہیئت تاج۔ کبھی بصورت گوشوارہ۔ کبھی بصورت قنادیل۔ کبھی بصورت سطور مکتوب۔ اس اختلافات حالات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ حقائق مختلفہ کی حامل ہے۔ بلکہ حقائق عالم سب کے سب اس میں موجود ہیں۔ اسی لئے قرآن میں اسماء مختلفہ سے اسے یاد کیا گیا ہے بخصوصاً حدیث مذکورۃ الصدر سے " والطور و کتاب مسطور" کی تفسیر پر بھی ارباب بصیرت مطلع ہو سکتے ہیں۔

ان توجیہات کے بعد اب مومنین کی ازدیاد بصیرت کے لئے حضرت کی کنیتیں اور القاب اختصار کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ام الحسنؑ (۲) ام الحسینؑ (۳) ام المحسنؑ (۴) ام الائمۃ (۵) ام ابیہا (۶) ام السبطین۔ یہ حضرت کی مشہور کنیتیں ہیں۔ ان میں سے کنیت ۵ قابل غور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ظاہری اس مقام پر نہیں لئے جا سکتے۔ ہاں معنی "ام" اس مقام پر "مقصود" یا "قصد" لئے جائیں گے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہوگا۔ یعنی وہ دختر بلند اختر ہے۔ جو اپنے پدر بزرگوار کا مقصود اصلی ہے۔ اور مقصود رب العالمین کا مقصود خود مقصود خدا ہے۔ بعض عارفین کا یہ قول کہ مشہور حدیث قدسی "لولاک الخ" میں جو

کاف خطاب ہے۔ اس میں تمام معصومین داخل ہیں۔ اور بلحاظِ وحدت طینتی و نورانی روحانی ضمیر واحد استعمال ہوئی ہے۔ اس قول کی تائید غالباً اس کنیت سے بھی ہو سکے گی۔

القاب حضرت کے بکثرت ہیں جن میں سے چند القاب کی فہرست یہ ہے۔

(۱) البتولؑ (۲) الحصانؑ (۳) الحرۃ (۴) السیدۃ (۵) العذرا (۶) الحوراء۔ (۷) المبارکۃ (۸) الطاہرۃ (۹) الزکیۃ (۱۰) الراضیۃ (۱۱) المرضیۃ (۱۲) المحدثۃ (۱۳) مریم الکبریٰ (۱۴) الصدیقۃ الکبریٰ (۱۵) النوریۃ (۱۶) السماویۃ (۱۷) الحانیۃ۔ (۱۸) الصدیقۃ بالاقوال (۱۹) المبارکۃ بالاحوال (۲۰) والطاہرۃ بالافعال (۲۱) الزکیۃ بالعدالۃ (۲۲) الرضیۃ بالمقالۃ (۲۳) المرضیۃ بالدلالۃ (۲۴) المحدثۃ بالشفقۃ (۲۵) والحرۃ بالنفقۃ (۲۶) والسیدۃ بالصدقۃ (۲۷) الحصان بالمکان (۲۸) البتول فی الزمان۔ (۲۹) الزہرا بالاحسان (۳۰) مریم الکبریٰ بالستر العظمۃ (۳۱) العلیا بالستر العصمۃ (۳۲) العظمیٰ بالبر (۳۳) النوریۃ بالشہادۃ (۳۴) السماویۃ بالعبادۃ (۳۵) الحانیۃ الزہادۃ (۳۶) العذرا بالولادۃ (۳۷) الناہیۃ العفیفۃ (۳۸) العابدۃ الرفیعۃ (۳۹) المتہجدۃ الشریفۃ (۴۰) القانتۃ العفیفۃ (۴۱) سیدۃ النسوان (۴۲) حبیبۃ حبیب الرحمٰن (۴۳) صفیۃ الرحمٰن (۴۴) ابنۃ خیر المرسلین (۴۵) قرۃ عین سید الخلائق اجمعین (۴۶) واسطۃ العقد بین سیدات نساء العالمین (۴۷) المتظلمۃ بین یدی العرش یوم الدین (۴۸) ثمرۃ النبوۃ (۴۹) زہرۃ الفتوۃ (۵۰) بضعۃ شفیع الامۃ (۵۱) سیدۃ النسا (۵۲) وراثۃ سید الانبیاء (۵۳) قرینۃ سید الاوصیاء (۵۴) راحۃ روح المصطفیٰ (۵۵) حاملۃ البلویٰ من غیر فزع ولا شکویٰ (۵۶) صاحبۃ شجرۃ طوبیٰ (۵۷) ذات الاصل الزکی والفرع الطری (۵۸) ابنۃ النبی (۵۹) وصاحبۃ الوصی (۶۰) السیدۃ المضطہدۃ (۶۱) الکریمۃ المظلومۃ

(۶۲) السّعیدۃ الشّھیدہ (۶۳) السّیدۃ الرّشیدہ (۶۴) المفطمۃ من کلّ شر (۶۵) المُعظّمۃ بکلِ خیر (۶۶) المنعُوتۃ فی الانجیل (۶۷) الموصُوفۃ بالبرِّ والتبجیل (۶۸) درّۃ صدف وحی والتنزیل (۶۹) وعزّۃ جبین التفسیر والتاویل۔

یہ مقدس القاب بعض مفرد ہیں اور بعض مرکب۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دو مفرد لقب مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض القاب کے مطلب و معنی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے تاکہ اُردو دان حضرات بھی فائدہ حاصل کر سکیں۔

(۱) اس لقب کے معنی ہیں دنیا سے قطع تعلق کرنے والی اور خدا سے تعلقِ خاص رکھنے والی[له] بعض روایات میں ہے کہ حضرت رسول اللہ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ نے فرمایا ہے کہ مریم بتول ہے۔ اور فاطمہؑ بتول ہے۔ پس بتول کسے کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بتول اس عورت کو کہتے ہیں۔ جس نے کبھی نجاستِ نسوانی نہ دیکھی ہو اور اس کی وجہ تسمیہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ از رُوئے عقل و حسب و دین تمام عوراتِ زمانہ سے الگ تھیں۔

عذرا کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں۔ مگر عذرا اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں جو شوہر سے الگ ہو۔ یعنی اسے شوہر کی ضرورت نہ ہو۔ اس لقب سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ مخلوقِ نورانی کو تعلقاتِ زناشوئی کی فی الحقیقت حاجت نہیں ہوتی۔ وہاں اگر یہ تعلقات ہوتے ہیں تو مصالح مختلفہ کی بنا پر واقع ہوا کرتے ہیں۔

[له] وتبتّل الیہ تبتیلا ۔ آیہ شریفہ اس لقب کے معنی ظاہر کرتی ہے اور آپ اس کی پوری پوری مصداق ہیں۔

ع۱۴ محدثہ اسے کہتے ہیں جس سے فرشتے باتیں کرتے ہوں، اور جناب سیدہ کے لئے یہ امر ہرگز تعجب خیز نہیں جب کہ جناب مریم کا قصہ قرآن میں موجود ہے۔ جناب سارہ کے حالات موجود ہیں کہ ان سے فرشتوں نے باتیں کیں۔ جناب سیدہ کی شان تو ان سے بہت بلند ہے بلکہ فرشتے تو اس کے دروازے کے خادم ہیں، اور جبرئیل جیسا مقرب فرشتہ ان کی خدمت پر فخر کرتا ہے۔

ع۱۵۔ بلحاظ حقیقت اصلی آپ کا لقب مبارک نورانیہ ہے۔ یہ لقب بحالتِ انفراد غالباً اسی حقیقتِ اولیہ کی طرف اشارہ کرے گا۔ بحالتِ ترکیب اس کے معنی دوسرے بھی ہیں جو آئندہ آئیں گے۔

ع۱۶۔ بلحاظ رفعتِ شان آپ کا لقب سماویہ ہے۔ اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حسبِ تفسیر اہل بیتؑ جناب رسول اللہ کا نام قرآن میں سماء ہے۔ اور جناب سیدہؑ کو جو تعلق اس سماء سے ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حالت ترکیبی میں اس لقب کے دوسرے معنی ع۳۴ میں موجود ہیں۔

ع۱۷۔ حانیہ "حین" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں موت اور فنا، جس سے اشارہ ہے آپ کے فنا فی اللہ ہونے کی طرف۔ یہ لقب بحالتِ ترکیب بھی انہیں معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ع۱۸ اقوال کے لحاظ سے صدیقہ یعنی کبھی ایسا کلمہ جس میں شائبہ کذب ہو آپ کی زبان پر جاری نہیں ہوا۔ اگر اہل زمانہ نے آپ کی اس صفت کو تسلیم نہ کیا تو خود مبتلائے جہالت ہوئے۔

ع۱۹۔ حالات کے لحاظ سے مبارکہ اور بابرکت جس میں سوائے خیر کے اور

کچھ نہیں۔

ع۲۰۔ افعال آپ کے جتنے ہیں وہ سب ہر قسم کے لہو و لعب سے طاہر و مطہر ہیں۔

ع۲۱۔ آپ کی عدالت نے آپ کو بالکل مزکی کر دیا ہے۔ یہ عدالت عدالتِ اصطلاحی ظاہری نہیں بلکہ یہ عدالتِ ربوبیت و الوہیت ہے۔ جس کی آپ مظہر ہیں۔

ع۲۲۔ بلحاظ اقوال آپ رضیہ ہیں یعنی جو لفظ آپ کے منہ سے نکلتا ہے۔ وہ رضا و تسلیم کی حقیقت لئے ہوئے نکلتا ہے۔

ع۲۳۔ خدا کی طرف بلانے کے لئے آپ کی دلالت و رہبری پسندیدہ خدا ہے بلکہ خود وجود آپ کا دلالت مرضیہ الی اللہ ہے۔

ع۲۴۔ آپ کی جو بات ہوتی ہے وہ شفقت و رحمت کے جواہر سے آراستہ ہوتی ہے کیونکہ آپ جزو نور رحمۃ للعالمین ہیں۔ اس لقب میں "محدثہ" صیغہ اسم فاعل ہے۔ اور لقب اول میں صیغہ اسم مفعول:

ع۲۵۔ انفاق کرنے میں، نفقہ دینے میں آپ آزاد ہیں۔ گویا آپ کو قطعاً اس شے کی احتیاج نہیں جسے عطا فرما رہی ہیں۔ صفت ایثار کی طرف اشارہ ہے۔

ع۲۶۔ صدقہ دینے میں آپ سردار و بزرگ ہیں۔ غیر اس معاملہ میں آپ کا مدمقابل نہیں ہو سکتا۔

ع۲۷۔ معنی ظاہری گوشہ نشینی اور پاکدامنی کے ہیں۔

ع۲۸۔ لقب بتول میں اس کی تشریح گذر چکی ہے۔

ع۲۹۔ یہ لقب بھی طہارت اور نورانیت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے زمین و

آسمان کو روشن کیا اور نورِ عفت سے روشن کیا۔

ع۳۰۔ حجابِ عظمت و پردۂ بزرگی میں آپ مریم کبریٰ ہیں، یعنی آپ کا درجۂ عظمت مادرِ عیسیٰؑ سے بہت بلند ہے۔

ع۳۱ ستر عصمت میں آپ کا مرتبہ انبیائے ماسلف سے بہت اعلیٰ ہے۔

ع۳۲ تر و احسان میں آپ کو خاص عظمت حاصل ہے۔ "بر" کی تفسیر کے لئے آیات سورۂ بقر لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق۔ الخ کا ترجمۂ ظاہری کفایت کرسکتا ہے۔

ع۳۳۔ اس عالمِ شہادت میں بھی آپ کی نورانیت پر کوئی حجاب نہیں پڑ سکا۔ یہاں بھی آپ نورانیہ ہیں، اگر شہادت کے معنی گواہی کے لئے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ آپ کی نورانیت پر خدا کی شہادت موجود ہے۔

ع۳۴۔ آپ از روئے عبادت بہت بلند مرتبہ ہیں۔ یا یہ کہ آپ کی عبادت رسول اللہؐ کی عبادت کے ہم پلہ ہے۔

ع۳۵۔ نبد کے معنی ہیں تمام تعلقات سے قطع تعلق کر کے محض خدا کی طرف رجوع ہونا۔ آپ کو انتہا میں مرتبۂ فنا حاصل ہے۔ مقصد وہی ہے جو پہلے بیان ہوا یعنی آپ "فنا فی اللہ" ہیں۔

ع۳۶۔ از روئے ولادت آپ ہر قسم کی نجاستوں سے دور ہیں یعنی آپ کی طہارت فطری و وہبی ہے آپ من الاول الی الآخر معصوم ہیں۔

ع۳۷۔ آپ کا زہد صدق و صفا لئے ہوئے ہے۔

ع۳۸۔ آپ حقِ عبادت وفا کرنے والی ہیں۔

ع۳۹ آپ تہجد گذار صاحبِ شرافت ہیں۔ تہجد کو شرافت نے اور شرافت کو تہجد نے جلا دے رکھی ہے۔

ع۴۰ ۔ "قانتہ" کے معنی یہ ہیں کہ کسی وقت طاعتِ پروردگار سے الگ نہ ہو۔ زندگی کا ہر لحظہ اطاعتِ خدا میں گذرے۔ اس دوامِ اطاعت کا لازمی نتیجہ عفت و عصمت ہے۔

ع۴۱ ۔ درمیان کے نمبر بالکل واضح ہیں۔ اس نمبر کا مطلب یہ ہے کہ عوراتِ عالیان کی جو عورتیں سردار قرار پائی ہیں۔ اُن کا عقد آپ ہی کے واسطے سے ہوا ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ عورتیں جو سردارِ زنان تسلیم کی گئیں ہیں۔ یہ سرداری ان کو اسی تعلقِ خاص کی بنا پر ملی ہے جو انہیں خدا سے حاصل تھا۔ اور یہ تعلق انہیں آپ ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے۔ مطلب وہی ہے کہ آپ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

ع۴۷ ۔ روزِ جزا عرشِ الٰہی کے سامنے فریاد کرنے والی۔ یہ گویا آپ کی خصوصیاتِ خاصہ میں سے ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ جو مظالم آپ پر اور آپ کی اولاد پر گذر گئے۔ وہ دنیا میں تو کسی "بی بی" پر سننے میں نہیں آئے۔

ع۴۸ آپ ثمرۂ نبوت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ثمرۂ نبوت ہدایت و نجات ہے۔ اور وہ آپ میں اور آپ کی ذریت طاہرہ میں منحصر ہے۔

ع۴۹ آپ شگوفۂ چمنستانِ فتوت ہیں۔ لفظ فتوّت ایک خاص لفظ ہے۔ جو قرآن میں اہل اللہ اور صاحبِ خلّت کے لئے استعمال ہوا ہے۔

ع۵۰ شفیع الاُمّت (سرورِ انبیاء) کے لئے آپ سرمایۂ شفاعت ہیں۔ بیشک

شانِ شفاعتِ کلیہ خیر المرسلینؐ آپ سے اور آپ کی ذریتِ طاہرہ سے ہی ظاہر ہوئی ہے۔

ع۵۳۔ سیدالانبیاءؐ کی آپ وارث ہیں۔ آپ کو اہلِ زمانہ نے محروم الارث قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ لقب جس سے آپ کی وراثت کی طرف اشارہ ہے۔ آپ خصوصیت کے ساتھ اس سے ملقب ہوئیں۔

ع۵۴۔ سیدالاوصیاءؑ کی زوجہ ہیں۔ ان سے نزدیک ہیں۔ ظاہراً و باطناً۔

ع۵۵۔ بلیات کی برداشت کرنے والی بغیر اس کے کہ قضائے الٰہی پر جزع و فزع کی ہو یا خدا کی نسبت شکوے کا حرف زبان سے نکالا ہو۔ یہی شیوۂ صابرین ہے۔

ع۵۶۔ شجرِ طوبیٰ کی مالک ہیں۔

ع۵۷۔ آپ کی اصل پاکیزہ ہے۔ اور فرع ہمیشہ تروتازہ۔ اصلہا ثابتٌ وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین۔ شجرۂ طیبہ کی حالت یہ ہے کہ اصل اس کی ثابت و برقرار ہے اور فرع آسمان میں ہر زمانہ میں اپنا پھل دیتا ہے ہر وقت تروتازہ ہے۔ اسی شجرہ طیبہ کا پھل اس زمانہ میں بھی موجود ہے۔

ع۶۰۔ وہ سیدہ بزرگوار ہیں۔ جنہیں نقصان پہنچایا گیا ہے۔ جنہیں دل شکستہ کیا گیا ہے۔

ع۶۱۔ وہ صاحبِ کرم ہیں۔ جن پر ظلم کیا گیا ہے۔

ع۶۲۔ وہ صاحبِ سعادت ہیں۔ جنہیں مرتبہ شہیدیت حاصل ہے۔

ع۶۴۔ ہر ایک مجرائی سے مجدا کی گئی ہیں۔ ہر نیکی کے ساتھ صاحبِ عظمت ہیں۔

ع۶۶۔ انجیل میں آپ کی نعت اور ثنا کی گئی ہے۔

ع۶۷ ۔ احسان و تعظیم کے ساتھ آپ موصوف ہیں۔

ع۶۸ ۔ معدنِ وحی و تنزیل کی درّۂ قیمیہ ہیں۔

ع۶۹ ۔ پیشانی تغیر و تبادیل کی روشنی ہیں۔

ان القابِ مقدسہ کی کسی قدر تشریح اس لئے کی گئی ہے تاکہ ناظرین کتاب ان القاب سے بھی آپ کی صفاتِ اعلےٰ اخذ کریں۔ کیونکہ سابق میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان بزرگواروں کے اسماء و القاب مبالغہ اور اغراق کی بنا پر نہیں ہوتے بلکہ ان میں سراسر واقعیت ہوتی ہے۔ ان سے انسان حقائق کی طرف راہ پاتا ہے۔ اور ان حقائق سے اس کے ایمان میں جلا ہوتی ہے۔

یہ اسماء و القاب سب کے سب معدنِ وحی سے نکلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے اسماء و القاب پر قیاس کرنا ناموزوں ہوگا۔

باب ع۳ سوم

تعلیم و تربیت

بچپن کے حالات عارفانہ اشارے

جب ہم کسی شخص کے حالات قلمبند کرنا چاہتے ہیں تو اس کی تعلیم و تربیت پر ضرور نظر جاتی ہے۔ اس لئے کہ ابتدائی تعلیم و تربیت کا اثر انسان کی اخلاقی حالت کا ذمہ دار قرار

دیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے کہ کوئی پودا جس قسم کے پانی سے سینچا جائے گا اس کے اثرات ضرور اس میں نمایاں ہوں گے۔ اگر بعض حکماء کا وہ قول اختیار کر لیا جائے کہ تعلیم و تربیت سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوتا تو نیکیوں کے لئے منادی کرنا ایک فعل عبث ہے اور بُرائی سے روکنا ایک بے معنی کوشش۔ حالانکہ بنی نوع انسان کے تمدن کا انتظام اسی پر منحصر ہے۔

لیکن جس طبقہ کے بزرگواروں کے حالات ہمارے پیش نظر ہیں۔ اور جن سے جناب سیدہ علیہا السلام کا تعلق ہے۔ ان کے متعلق ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ان بزرگواروں کو بھی ہماری ہی طرح تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوا کرتی ہے؟ ظاہر پرست اور قیاسات واہیہ کے قیدی تو بلا تکلف کہہ اٹھتے ہیں کہ ہاں ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اہل بصیرت ہرگز اس کے قائل نہیں ہوتے ان کے نزدیک علم اکتسابی فی الحقیقت علم ہی نہیں ہے۔

روایات کثیرہ اس طبقہ کے بزرگواروں کے متعلق موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بزرگواروں کو تعلیم ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثال کے لئے کچھ اشارات نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی والدہ نے ان سے فرمایا کہ تمہارا لڑکوں کے ساتھ کھیلنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس سے بہتر ہے کہ کسی معلم کے پاس بیٹھ جاؤ۔ آپ نے جواب دیا کہ ان معلمین کی تعلیم سے خدا نے مجھے مستغنی کر دیا ہے اور میں جب آپ کے شکم میں تھا مجھے توریت و انجیل کی تعلیم دی ہے۔ مریمؑ نے کہا کہ یہ سچ ہے مگر بہتر یہی ہے کہ معلم کے پاس چلو۔ غرض انہیں لے کر گئیں۔ معلم نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف دیکھ کر

کہا "یا غلام" "اے لڑکے" آپ نے جواب دیا کہ تو معلم جاہل ہے۔ تجھے لازم ہے کہ جب کوئی لڑکا تیرے سپرد کیا جائے۔ تو تعلیم دینے سے پہلے اس کا نام دریافت کرے تا کہ اس کا نام لے کر پکارے۔ معلم نے کہا کہ بے شک تم نے سچ کہا۔ اب نام بتاؤ۔ آپ نے اپنا نام بتایا۔ معلم نے کہا اے عیسٰیؑ بسم اللہ کہو۔ آپ نے فرمایا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"۔ معلم نے کہا کہو ابجد۔ عیسٰی علیہ السّلام نے جواب دیا کہ ابجد کے کیا معنی ہیں۔ معلم یہ سن کر غضبناک ہوا۔ حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا کہ غصہ کی کوئی بات نہیں انسان بے علم مخلوق ہے۔ معلم نے کہا کہ اچھا تم ہی بتاؤ۔ آپ نے کہا کہ ضرور بتاؤں گا مگر تم اپنی مسند چھوڑ کر میری جگہ آکر بیٹھو اور میں تمہاری جگہ بیٹھوں۔ معلم نے مجبوراً ایسا ہی کیا۔ اُس وقت جناب عیسٰیؑ نے فرمایا۔ الالف آلاء اللہ والباء بہاء اللہ۔ والجیم جمال اللہ۔ والدال دین اللہ۔ اسی طرح سے آپ نے تمام حروف ابجد کے معنی بیان کئے جسے سن کر معلم نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ اس کو لے جاؤ۔ اس نے تو مجھے ہی تعلیم دے دی۔ اور وہ چیزیں بیان کر دیں جنہیں میں نہ جانتا تھا یعنی انہیں میری تعلیم کی ضرورت نہیں۔

حالاتِ اہل بیتؑ میں تو ایسے واقعات کثرت سے موجود ہیں جن سے صاف روشن ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار ہرگز تعلیم ظاہری کے محتاج نہ تھے۔ یہی کلیہ جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی شان میں جاری ہوگا کہ وہ اس تعلیم عرفی کی محتاج نہ تھیں۔ اسی طرح تربیتِ ظاہری کی ان کو ضرورت نہ تھی۔ وہ تو خود مربّیِ عالم ہیں۔ انہیں ایسی تربیت کی ضرورت کیا ہے۔ ان کی تربیت کی جس نے کی۔ اُن کو تعلیم بھی جس نے دی۔ ان کا دامنِ عصمت ان سطحیات سے بہت اونچا ہے۔

لیکن اُمورِ بالا سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ہم بالکل ظاہری نظر سے دیکھیں تو ہمیں کم از کم شانِ رسالت کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔ اور کہنا پڑے گا کہ جناب سیّدہ نے آغوشِ رسولؐ میں پرورش پائی ہے۔ وہ رسولؐ جس کی روح کا خاصہ یہ ہے کہ لا یلہو ولا یلعب۔ وہ ہرگز لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوتی۔ پس اندازہ کرنا چاہیئے کہ اپنی لختِ جگر کی تربیت آپ نے کس رنگ پر فرمائی ہو گی۔ درآنحالیکہ رسولؐ کی شان یہ بھی ہے حریصٌ علیکم۔ تمہاری ہدایت پر بے انتہا حریص ہے۔ یہ حرص کیا اپنی صاحبزادی کے حق میں جاری نہ ہوئی ہو گی۔

شجرِ تعلیم و تربیت کی بارآوری کے لئے دو چیزوں کی حتماً ضرورت ہے۔ ان میں سے اگر ایک بھی ناقص ہو۔ تو مطلب حاصل نہ ہو گا۔ پہلی بات یہ ہے کہ اُستاد و مربّی شفیق ہو۔ بعد دوسرا امر یہ ہے کہ متعلّم بھی ظرف رکھتا ہو۔ اس کے ظرف میں کوئی خرابی نہ ہو۔ جہاں تک یہ شرطیں بدرجہ کمال پوری ہوں گی۔ اسی حد تک نتیجہ بہتر حاصل ہو گا۔

اب غور کرو کہ اُدھر معلّم و مربّی تو رسول اللہؐ ہیں۔ جن کی شفقت و رحمت میں کسی قسم کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اِدھر جس کی تربیت کی جا رہی ہے وہ جزوِ نورِ احمدی ہے۔ جس کی قابلیت و استعداد روزِ روشن کی طرح آشکار ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی کہا جائے گا کہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا مکتبِ رسالت سے اخلاق و سیرتِ محمدی کی تصویر بن کر نکلیں۔ اور کمالاتِ احمدیہ کو انہوں نے اسی طرح اخذ کر لیا جس طرح ایک ہونہار طالب علم اپنے شفیق اُستاد کے اخلاق و عادات و آداب و علم کا مرقع بن جاتا ہے۔

قلب کا وہ آئینہ جس میں انوارِ علم نبی کی شعاعیں تابندہ ہوں۔ اس کے مقابل ایسا ہی مصفّا اور منور آئینہ رکھ دیا جائے تو ایک کا عکس دوسرے میں اس شان سے نظر آ جائے گا کہ دیکھنے والا حیران ہوگا۔ اور کچھ پتہ نہ چلا سکے گا کہ اصلیت کس طرف ہے۔ جو نقش و نگار ایک میں ہیں وہی دوسرے میں۔ بس اسی مثال سے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ان مثالوں سے اعلےٰ نتیجے اخذ کرنا عقلمندوں کا کام ہے

اس تعلیم و تربیت سے آپ کے بچپن کے حالات پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ یقیناً آپ کی عمر کا وہ حصہ جسے لڑکپن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہو و لعب میں بسر نہیں ہوا۔ کھیل کود جو تمام بچوں کی فطرت میں شامل ہے آپ کا دامن اس سے پاک ہونا چاہیئے صغارنا کبارنا سوا ۔ یہ وہ خاندان ہے جس کے صغیر و کبیر یکساں ہیں۔ نہ صغر سنی ان کے کمالات کو چھپا سکتی ہے۔ نہ کبیر السن ہونے سے ان کے کمالات میں اضافہ ہوتا ہے۔ وہ ذات اقدس و اعلےٰ جس کے کمالات ذاتی کے آئینے یہ بزرگوار ہیں جب اُس میں تغیر و تبدل روا نہیں ہے تو ان میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

جو شخص رازِ معرفت کو سمجھتا ہے وہ خُوب جانتا ہے کہ اس کی لذتیں کیسی ہیں دنیا کی کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور نہ کوئی سرور اس کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس وہ ذواتِ مقدسہ جو نہ صرف خود معرفت کی منزلت اعلےٰ پر فائز ہوں بلکہ تمام مخلوق کے لئے ذریعہ معرفتِ خداوندی قرار پائیں۔ ان کی حالت کا قیاس عوام الناس پر کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

تلاش کرنے سے بھی ایسے واقعات دستیاب نہ ہوں گے جن سے کوئی نتیجہ نکال سکے کہ جناب سیدہ کی عمر کا یہ بیش بہا حصہ کسی لہو و لعب میں بسر ہوا۔

باب چہارم

حالتِ اسلام وقتِ ولادت سیدہ علیہا السلام

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی اس حالت پر نظر ڈالی جائے جو جناب سیدہ کی ولادت کے وقت موجود تھی۔ اور مختصراً بتایا جائے کہ گوہر صدفِ وحی و تنزیل کی ولادت کے وقت سے ہجرت تک کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔

حضرت کی ولادت حسب تحقیق صاحبِ ناسخ التواریخ بستم ماہ جمادی الثانی ۵ بعثت واقع ہوئی۔ گویا بحساب شمسی ہجرت سے آٹھ برس آٹھ مہینے بائیس روز پہلے اور بحساب قمری آٹھ سال گیارہ مہینے چند روز قبل ہجرت آپ نے اس عالم کو منور فرمایا یہ وہ ایام تھے کہ اسرارِ نبوت کے اعلان کا وقت آچکا تھا۔ وحی تنزیل کا سلسلہ شروع تھا پہلے تین سال تک پوشیدہ دعوت ہوتی رہی۔ یہ بھی ایک رحمت تھی گویا نفوس مردم میں استعداد پیدا کی جارہی تھی۔ اس دعوتِ پوشیدہ کا نتیجہ بھی ظاہر ہوچکا تھا۔ لوگ دائرہ اسلام میں قدم رکھتے جارہے تھے۔ اسی اثنا میں بالاعلان دعوت کا اذن مل گیا۔ جس کے ظاہر ہوتے ہی مکہ میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ رسوم آبائی کے مقلد غیظ و غضب سے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے لگے۔ نامہربان چچا ابولہب نے اپنے بھتیجے کو دیوانگی سے منسوب کیا۔ حمیتِ جاہلیت کی رگیں متحرک ہورہی تھیں اور اندھے پرستار اپنے مصنوعی خداؤں کی بربادی کے تصور سے کانپ رہے

تھے۔ جس صحبت میں جاؤ، جس سوسائٹی میں بیٹھو، یہی ذکر تھا۔ اور اسی امرِ نو کے چرچے کہ ہر کہ ومہ کی زبان پر جاری تھے۔

جن لوگوں نے غیر مہذب قوموں کے شور و شغب کا جو کسی صداقت کی آواز پر بلند ہوتا ہے، تاریخی معائنہ کیا ہے اور جو جو تدبیریں اس آواز کو دبا دینے کی غرض سے عمل میں لائی جاتی ہیں، انہیں الفاظ کی شکلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عرب جن کو اپنی شرافت و نجابت پر ناز تھا۔ جن میں بعض کرائم اخلاق بھی موجود تھے جس سے ان کی عصبیت درجہ کمال تک پہنچ چکی تھی۔ ان کا اس صدا پر کیا حال ہوا ہوگا۔ اس صدائے صدق میں انہیں اپنی مقہوریت پوشیدہ نظر آرہی تھی، وہ اپنے اس دین کی بربادی دیکھ رہے تھے جسے انہوں نے غلطی سے اپنا آبائی دین سمجھ رکھا تھا۔

مکہ میں اس عصبیت و حمیت کا اور بھی جوش تھا۔ مجاورتِ بنائے ابراہیمیؑ نے ان کی عصبیت کو اور بھی چمکا دیا تھا اور اس مجاورت سے ان کے بہت سے دنیوی فوائد بھی وابستہ تھے۔ صدائے حقیقت آمیز کے بلند ہوتے ہی یہ خیالات بھی ان کے دماغوں میں گونجنے لگے کہ اگر لات وہبل کی خدائی باطل ہوگئی تو نہ صرف ہماری فرضی سیادت ہی کو صدمہ پہنچے گا بلکہ ان تمام دنیوی فوائد پر بھی ناکامی کا سیلاب پھر جائے گا جو آج ہمیں حاصل ہیں۔

یہ شور و غوغا بلند تھا اور مکہ کی وادیوں سے ٹکرا رہا تھا باوجودیکہ یہ صدا اسی خاندان سے بلند ہوئی تھی جو سیادت کا اصلی معدن تھا۔ اور خانہ کعبہ کی تولیت جس میں موجود تھی اس بنا پر چاہیئے تھا کہ ان لوگوں کو زیادہ ملال نہ ہوتا مگر ایک اور قبیلہ بھی قریش

کا موجود تھا جو بنی اُمیّہ کہلاتا ہے۔ اس قبیلے کی رقابت خاندانِ ہاشم سے مسلّمہ تاریخ ہے۔ اس کی رقابت کی آگ اور بھی بھڑکی جس نے تمام قریش کو ربا ستثنائے چیندا اپنے شعلوں میں لپیٹ لیا۔

بنی اُمیّہ کے جذباتِ ناقصہ بیان کر رہے تھے کہ اگر اس آواز پہ جو بنی ہاشم سے بلند ہوئی ہے۔ اہل عرب لبّیک کہنے کے لئے تیار ہو گئے۔ پیغمبرؐ کا حلقۂ اطاعت عرب نے اپنی گردن میں پہن لیا تو ہماری موجودہ شان و شوکت خاک میں مل جائے گی۔ اور ہمارا نام مکہ کے افرادِ عالیہ کی فہرست سے کٹ جائے گا۔

جب نفسِ انسانی خواہشاتِ ذاتی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی بصیرت پر پردے پڑتے چلے جاتے ہیں۔ وہ نہ نورِ حقیقت کو دیکھ سکتا ہے۔ نہ کسی سچی آواز پر اس کے دل میں اضطرابِ قبول پیدا ہوتا ہے بلکہ معاملہ برعکس ہو جاتا ہے وہ نور کو ظلمت اور صداقت کو ناراستی سے منسوب کرتا ہے۔ الہامِ فطری کی آوازیں خاموش ہو جاتی ہیں اور قلبِ معکوس سے جو صدا اُٹھتی ہے وہ معکوس ہی ہوا کرتی ہے۔

اسی مرض میں اہلِ مکہ مبتلا ہو گئے۔ اور چونکہ اس مرض کا مریض اپنے آپ کو مریض کبھی خیال نہیں کرتا۔ لہٰذا ان لوگوں نے بھی یہی وطیرہ اختیار کیا کہ بجائے اپنے معاملہ پر غور کرنے کے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا۔ یعنی یہ کوششیں شروع کیں کہ جس طرح ممکن ہو اس آواز کو دبا دیا جائے جس کی سرسبزی سے ہماری کشتِ مراد پر خزاں آنے والی ہے۔ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہونے کے لیے پہلے رسولِ خدا کو رشوت دے کر اپنے موافق کرنا چاہا مگر جب دیکھا کہ ہمارا سونا چاندی۔ ہماری خوبصورت عورتیں اس معاملہ میں بیکار ہیں۔ اور منادیٔ حق مہر و ماہ کی حکومت کے معاوضے

میں بھی اسے فروخت کرنا نہیں چاہتا۔ ازاذیت و آزار کی تجویزیں نہ صرف مکمل ہوئیں بلکہ ان پر عملدرآمد بھی ہونے لگا۔

اُدھر تو مخبر صادق پر مصائب و آلام کی بوچھاڑ تھی۔ اِدھر اولوالعزمانہ صبر کے جوہر کھلتے جا رہے تھے۔ اور وہ راز جو سینۂ پیغمبر میں مدفون تھے۔ ان کے اظہار و اعلان کا حکم پہنچ رہا تھا۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ گرم لوہے پر گھن جب پڑتا ہے تو استعداد نمو بہت جلد مقام فعلیت میں آتی ہے۔ یہی حالت کچھ انسان کی بھی ہے۔ پہلے ایک امر جدید اس کے سامنے پیش کرو۔ بہت غل مچائے گا۔ اسی شور و غل کے عالم میں دوسرا کام اس کے سامنے لاؤ۔ پہلا تعجب برطرف ہوگا۔ دوسرے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ پھر اسی حالت میں تیسرا حکم اس پر پیش کرو۔ شور مچاتا جائے گا اور استعدادِ قبول پیدا ہوتی جائے گی۔ آخر بہت سی چیزیں اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا ضرور اٹھے گا لیکن اس کے ساتھ ہی غور و فکر کی کجلائی ہوئی چنگاری چمک اٹھے گی۔ ضرور قوتِ فکر سے کام لے گا اور ان امورِ مختلفہ میں سے ضرور کسی نہ کسی کام کی خوبی پر اس کی نظر جم جائے گی اور سوچے گا کہ اس کے مان لینے میں تو کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ بس ایک امر کے سامنے جہاں سر جھکایا تو پھر گویا تمام امور کے آگے سر جھکا دیا۔ اس لئے کہ خدائی سلسلے کے تمام امور ایک زنجیر کی مانند ہوتے ہیں جس کی ایک کڑی دوسری سے متصل ہوتی ہے۔ گو انسان اس زنجیر کو توڑنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی اس حلقے میں داخل ضرور ہو جاتا ہے۔

مشرکین مکہ میں شور و غل بلند تو ہو ہی چکا تھا۔ طبیعتیں گرما ہی رہی تھیں کہ ایک

رازِ ربستہ الفاظ عالم قدس "وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ" کا جامہ پہن کر فضائے عالم میں پھیل گیا جس کی تکمیل رسولؐ کے فرائض تبلیغ میں داخل تھی۔

ہادیٔ برحق نے اس کا جو طریقہ اختیار فرمایا وہ کتب تواریخ (طبری وغیرہ) میں مفصل ومشرح موجود ہے۔ قریش کے چالیس آدمی دعوت میں بلائے گئے جنہیں اتنے مختصر طعام سے سیراب کر دیا۔ جو ان میں ایک شخص کے لئے کافی ہو سکتا تھا پہلے دن یہ لوگ بغیر اس کے کہ ارشاد رسولؐ کو سُنیں۔ حضرت پر جادو کا الزام لگاتے ہوئے چلے گئے۔ دوسرے روز پھر دعوت کی گئی۔ اور ان لوگوں کو کھانے کی مقدار قلیل سے سیر کر کے آپ نے فرمایا۔ اے اولادِ عبد المطلب! عرب میں کوئی شخص اپنی قوم کے لئے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں! میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں۔ اب تم میں کون ایسا ہے جو اس بارے میں میرا مددگار ہو۔ اور وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ بنے۔ جناب امیرؑ نے ان الفاظ پر لبیک کہی۔ رسولؐ نے فرمایا۔ ایہا القوم! یہ میرا اخی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کے قول کو سُنو اور اس کی اطاعت کرو۔ اس ارشاد کو سُن کر حاضرین قہقہہ لگاتے اور حضرت ابوطالبؑ پر آوازے کستے ہوئے چلے گئے۔ جو اہل سخاہت کا شیوہ ہے۔

اِس روایت اور اس کے مفہوم پر بحث کرنا اس وقت مجھے منظور نہیں ہے۔ اہل انصاف خود نتیجہ نکالیں۔

یہ واقعہ جناب سیدہؑ کی ولادت کے غالباً بالکل ہی قریب واقع ہوا ہے ظہورِ جناب سیدہ کے وقت فضائل مرتضویؑ کا ابتدائی اعلان کچھ عجیب وغریب

مناسبت رکھتا ہے۔

اس اعلان نے قریش کی رگ حمیت جاہلیت کو اور بھی متحرک کیا۔ اور پیغمبر پر نئے سے نئے مظالم کا دروازہ کھل گیا۔ کبھی رسول اللہ کی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں کبھی چہرۂ اقدس پر لعاب نجس ڈال کر دل ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ کبھی حضرت نماز میں ہوتے تھے اور آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی جاتی تھی۔ رسول اللہ ان صدمات کو برداشت کرتے تھے اور جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا ان صدمات کو اپنے پدر بزرگوار سے دُور کرنے کی کوشش فرماتی تھیں۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ میں بحالت سجدہ ایک کافر نے ابوجہل کے اشارے سے آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی اور یہ اوجھڑی کسی کو اتارنے بھی نہ دیتے تھے۔ جناب سیّدہ تشریف لائیں۔ اور آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے اُسے الگ کیا۔ سن آپ کا نہایت کم تھا۔ مگر رعب وجلال کا یہ عالم تھا کہ کسی کافر کو تعرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اللہ! اللہ! بے رحم انسانوں کی یہ نازیبا حرکتیں اور جناب معصومہ کا اس طرح عمل تسکین کے لئے قدم بڑھانا کس حد تک رسول کے قلب کی تسکین کا باعث ہوتا ہوگا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا اس کم سنی کے عالم میں اپنے پدر بزرگوار کی غمگساری کے لئے ہمہ تن وقف تھیں۔ اور رسول کے رنج واندوہ کو ہلکا کرنے کے لئے سیّدہ عالم کی ذات ایک نعمت الٰہی تھی۔

اسی سال یعنی سال ششم بعثت میں جو سال ولادت جناب سیّدہ ہے بنا بر بعض روایات کے جناب حمزہؓ نے اسلام اختیار کیا جس سے یقیناً اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا۔

ولادتِ جناب سیّدہ۔ اعلانِ مقامِ مرتضویؑ۔ اسلام جناب حمزہؓ یہ تینوں واقعات ایک دوسرے سے عجیب دل کش قربت رکھتے ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ابھی مکہ میں پیغمبرؐ کے مصائب کا خاتمہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے لئے قضا و قدر نے ایک اور ہی وقت مقرر کر رکھا تھا کفار کہ جب اپنی تدبیروں میں ناکام ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ ہماری مخالفتیں داعیٔ حق کے ارادے میں کچھ بھی ضعف نہیں پیدا کر سکتیں۔ بلکہ اسلام کی سرسبزی کے سامان روز بروز پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ ادھر بادشاہ حبش نجاشی نے مسلمان مہاجرین کی سرپرستی کے لئے کمر باندھی ہے۔ ادھر نمودار لوگ دحمزہؓ ابھی اسلام کی طرف رُخ کرتے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عداوت کے خون میں اور جوش پیدا ہوا۔ اور آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ عنقریب محمدؐ ہم پر حکومت کرنے والا ہے۔ اس کا چارہ کار ضرور سوچنا چاہیئے۔ اس مشورے کے بعد قریش نے آپس میں جمع ہو کر یہ قرار دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو انہیں قتل کر دینا چاہیئے۔

جناب ابو طالبؑ جو اپنی حیات تک اسلام کے کامل پشت و پناہ رہے جن سے بعض ارباب مذاق خفا رہتے ہیں شاید خفگی کی وجہ یہی خیر خواہی اسلام ہو گی۔ جو ان سے وقوع میں آئی۔ ان کو جب اس مشورے کی اطلاع ہوئی تمام اولادِ عبد المطلب و بنی ہاشم کو جمع کیا اور ان سب کو معہ ان حضرتؐ اس درۂ کوہ میں لے گئے۔ جو شعب ابو طالب کے نام سے موسوم ہیں۔ اولاد عبد المطلب میں کچھ ایسے بھی تھے جو پیغمبرؐ پر ایمان لا چکے تھے۔ جیسے کہ حمزہؓ اور بعض ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ مگر یہ سب کے سب حفاظت خاندان کے لئے جمع ہو گئے اور سبھی یکساں جناب ابو طالبؑ کی اطاعت کی۔ سوائے ابو لہب کے کہ اس کی حمیت خاندانی بھی رخصت ہو گئی تھی یہ ننگ بنی ہاشم دشمنوں سے ساز باز کر چکا تھا۔ اس وقت غالباً جناب سیّدہ صلوات اللہ علیہا کی عمر دو سال سے کم کی تھی کیونکہ یہ واقعہ محرم ۷ھ قبل بعثت کا تھا جناب خدیجہ جنہوں نے اپنی تمام ثروت رسول اللہؐ کے قدم پر نثار کر دی تھی جن زمانے کا عمیث غریب الدیار لائق یکھ رہی تھیں ان پریشانیوں میں آپ کی تسکین کا سہارا اگر کچھ تھا تو وہ سایۂ رسولؐ کے بعد سیّدہ محترمہ کی ذات تھی۔

یہ لوگ جو شعب میں پناہ گزین ہوئے انکی حالت کچھ زیادہ محفوظ نہ تھی ہر وقت دشمن کے حملوں کا خوف رہتا تھا اس درہ کوہ کے دو دروازے تھے جن پر حضرت ابوطالبؑ نگہبان مقرر کر دیئے تھے۔ اور جناب حمزہؑ تمام شب ننگی تلوار لئے رسولؐ کے گرد پھرا کرتے تھے حضرت ابوطالبؑ کا دستور العمل یہ تھا کہ رسول اللہ کو حضرت علیؑ کے بستر پر سلایا کرتے تھے اور حضرت علیؑ کو رسولؐ کے بستر پر یہ پہل پر خوف یہ مصیبت ہفتہ دو ہفتہ یا مہینے دو مہینے کی نہ تھی بلکہ یہ تکلیفیں تین برس تک نئی سے نئی شکل میں نمودار ہوتی رہیں۔

اس طویل مدت میں صرف گھر سے علیحدگی اور درہ کوہ میں پریشانی ہی باعث تکلیف نہیں تھی بلکہ قریش کی شرارتوں نے ان کے لئے بلائے قحط کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب قریش نے دیکھا کہ ہم کسی طرح پیغمبرؐ پر قابو نہیں پا سکتے۔ تو باہم یہ عہد کیا کہ اولاد ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے قطعاً راہ و رسم ترک کر دی جائے۔ ان سے نہ شادی بیاہ کے تعلقات کریں۔ اور نہ کسی قسم کا لین دین روا رکھیں۔ اور جب تک وہ پیغمبرؐ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک ان سے صلح نہ کی جائے۔ یہ عہدنامہ جس پر قریش کی مہریں ثبت تھیں۔ لکھا گیا۔ اور یہ صحیفہ ملعونہ ابوجہل کی خالہ ام جلاس کے سپرد کیا گیا کہ وہ حفاظت سے اپنے پاس رکھے۔

کوئی شک نہیں کہ بنی ہاشم کو اس سے سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ ایام حج کے موقعہ پر جب ویگر قبائل عرب مکہ میں آتے تھے تو بنی ہاشم ان سے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے تھے۔ اور یہ بھی قریش کو گوارا نہ ہوتا تھا۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ اہل شعب فلاں چیز خریدنے والے ہیں تو اس کی قیمت بڑھا دیتے تھے یا خود خرید لیتے تھے اور اگر سن پاتے تھے کہ کسی شخص نے بنی ہاشم کے ہاتھ رعایت سے مال بیچا ہے تو اس بیچنے والے کو تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔

پورے تین سال تک بنی ہاشم نے اس قید و قحط کی تکلیفیں اٹھائیں۔ گویا جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا نے اپنی کم سنی کے تین سال اس درہ کوہ میں بسر کئے۔

اگر ہم ان بزرگواروں کے حالات کو ظاہری انسانی نظر سے جانچیں تو یہ کہیں گے کہ وہ کرنے والدین ہیں جن کے دل میں اولاد خصوصاً کسی اولاد کی راحت رسانی اور دلبستگی کے ارمان نہیں ہوتے

جناب خدیجہؓ کے مغموم اور پریشان چہرے پر جب کمسن معصومہ کی محبت آمیز نظریں پڑتی ہونگی تو ادھر تو جناب خدیجہؓ کے دل میں مسرتوں کا طوفان اٹھتا ہوگا اور ادھر یہ ارمان نشتر بن کر کھٹک جاتا ہوگا کہ افسوس ہمارے ساتھ یہ معصومہ بھی گرفتار بلا ہے اور ہم اپنا کوئی بھی ارمان پورا نہیں کر سکتے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ ان بزرگوں کا دامن اس غبار سے بہت بلند تھا۔ ان کے ارمان اور ان کی آرزوئیں اور تھیں۔ ان کے ولولے کسی اور ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کی تمنائیں کسی اور ہی چمن کی سیر کر رہی تھیں۔ انہیں خدا سے کام تھا۔ انہیں خدائی امور سے تعلق تھا۔ اشاعت دین حقہ کی فکریں ان کے دامن گیر تھیں۔ وہ خدا کے تھے۔ خدا ان کا تھا۔ اور خدا کی راہ میں انہیں ہر قسم کی مشکل آسان نظر آتی تھی۔

جناب سیدہ اسی عالم میں پرورش پا رہی تھیں۔ تکبیر و تہلیل کی صدائیں ان کی لوریاں تھیں۔ فرشتوں کے پر ان کے جھولے تھے۔ جبرئیل گہوارہ جنبانی کے لئے کمر بستہ تھے۔ ملائکہ مقربین روحانی تحفے ان کے سامنے لا لا کر چنتے تھے۔ طائران قدس اپنے چہچہوں سے دل بہلاتے تھے۔ اور اس طرح رسول اللہ کی نور نظر حقیقی مسرتوں کے دامن میں پرورش پا رہی تھی۔

اہل حقیقت کو جناب سیدہ کی اس حالت پر نظر رکھنی چاہیئے۔ خصوصاً وہ لوگ جو غریب اور افلاس کے دام میں آ کر اپنی اولاد کے متعلق کوئی ارمان پورا نہیں کر سکتے۔ اور جب ابنائے جنس کو بچوں کی ناز برداری پر مجبور دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں پر تیر سا لگ جاتا ہے۔ انہیں سیدہ عالم کی اس حالت کو زیر نظر رکھ کر اپنے قلب کو تسلی دینی لازم ہے۔

"ہجرت"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی سختیوں اور بے رحمیوں کا نشانہ بن رہے تھے مگر پیشانی عزم کبھی شکن آلود نہیں نظر آتی تھی۔ شعب ابوطالب کی سختیاں اٹھانے کے بعد بھی قریش کی جفائیں آپ کے لئے وقف ہو رہی تھیں۔

یہ سلسلہ مصائب تو تھا ہی لیکن قضا و قدر کے حجاب سے ایک اور واقعہ دنیا کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی جناب ابوطالبؑ نے بعثت کے دسویں سال اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ گویا شعب ابوطالبؑ سے نکلنے کے بعد چند ہی مہینے آپ زندہ رہے۔ آخر اسی برس کی عمر میں پیمانۂ حیات لبریز ہو گیا۔ بستر بیماری پر آپ نے اولادِ عبدالمطلب کو جمع کر کے مندرجہ ذیل وصیتیں فرمائیں۔

"تم سب خبردار ہو کہ اگر محمدؐ کی اطاعت کرو گے۔ اس کے امر و نہی کے پابند ہو گے تو ہر دو جہان میں تمہاری نجات ہے۔ میں تمہیں یہی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خانہ کعبہ کی بزرگی کو محفوظ رکھنا۔ اسی میں تمہارے لئے اچھی زندگی کا راز مضمر ہے صلۂ رحم کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اسی میں تمہاری عزت ہے۔ بغاوت و سرکشی سے پرہیز کرنا۔ کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ اس وجہ سے برباد ہو گئے ہیں۔ محتاجوں اور سائلوں سے آنکھ نہ چرانا جس میں دونوں جہان کی بہتری ہے۔ سچی بات کہنا۔

امانتوں کو ادا کرنا۔ تہمت سے بَری رہو گے۔ محمدؐ کے مطیع رہنا کہ وہ امین قریش ہے صدیقِ عرب ہے۔ اور جس اَمر کے لئے وہ خواہش کرتا ہے آسے اپنی گردنوں پر جگہ دینا۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ شرفائے زمانہ نے اس کی دعوت قبول کر لی ہے بزرگانِ عرب اس کے غلام ہو چکے ہیں۔ غنی اس کے محتاج ہیں۔ دنیا کی لگام اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کی مخالفت میں خون ریزیاں ہو رہی ہیں۔ دلوں میں اس کی دوستی گھر کر چکی ہے۔ اے بنی ہاشم اس کی قربت اختیار کرو۔ اور جان و مال سے اس کی امداد کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

یہ کلمات حکیمانہ ہیں جو مرض الموت میں حضرت ابوطالبؑ کی زبان پر جاری تھے۔ اگر اہلِ زمانہ نے اسی نصرتِ دین الٰہی اور اشاعتِ اخلاق کا نام کفر رکھا ہے۔ تو خدا کرے ایسا کفر سب کو نصیب ہو۔ کیونکہ ایسا ہی کفر رُوحِ اسلام ہے۔

اِس واقعہ سے جناب رسول اللہؐ کو یقیناً سخت صدمہ اُٹھانا پڑا۔ اور جناب سیدہ اس کم سنی کے عالم میں ایسے بزرگِ خاندان سے الگ ہو گئیں جو ان کے پدر بزرگوار کا ہر طرح سے جان نثار تھا لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اَور داغ جناب سیدہ کو اٹھانا پڑا۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے چند ہی روز بعد جناب خدیجہؓ راہی جنان ہو گئیں۔ تواریخ میں یہ مدّت تین دن یا پینتیس دن یا ایک سال بعد وفاتِ ابوطالب قرار دی گئی ہے۔ بہر طور جناب خدیجہؓ کا صدمہ جناب فاطمہؑ کے لئے ایک جانکاہ صدمہ تھا۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ برس کی تھی۔ جب رسول اللہؐ جناب خدیجہؓ کو دفن کر کے دولت سرا میں تشریف لائے ہیں تو جناب فاطمہؑ نے سوال کیا کہ میری والدہ کہاں ہیں؟

سوال بظاہر معمولی تھا مگر فی الحقیقت گہرا سوال تھا جس کا منشاء یہی تھا کہ جناب خدیجہؑ کے مراتب اُخروی کا اعلان فرمایئے۔ اس منشا کو خدا اور رسولؐ ہی سمجھتے تھے چنانچہ اسی وقت حکمِ ایزدی ہوا کہ فاطمہ کو ہمارا اسلام پہنچاؤ۔ اور ان سے کہو کہ ماں تمہاری ایسے گھر میں ہیں جو طلائے خالص سے بنا ہے۔ اس کے ستون یاقوت سرخ کے ہیں۔ ان کا مکان خانۂ مریم و آسیا کے درمیان میں ہے۔ یہ پیغام سُن کر حضرت فاطمہؑ نے فرمایا۔ ان اللہ ھو السلام ومنہ السلام والیہ یعود السلام بے شک اللہ ہی سلام ہے۔ اسی کی طرف سے سلام ہے اور اسی کی طرف سلام عود کرے گا۔

کہنے کو یہ چند لفظ ہیں جو پانچ برس کے سِن میں جناب سیدہ کی زبان سے لوگوں نے سُنے۔ لیکن جویائے حقیقت ہی جانتے ہیں کہ ان لفظوں میں کس قدر علم کثیر بھرا ہوا ہے۔ کتنے اسرارِ توحید ہیں جو بیان کر دئیے گئے ہیں۔ کتنا وسیع مفہوم ہے جو ان لفظوں میں سمو دیا گیا ہے۔

بہر طور یہ سال یعنی سنہ ۱۰ھ بعثت رسول اللہ کے لئے خصوصاً جناب سیدہ کے واسطے نہایت حزن و اندوہ کا سال تھا۔ اِسی لئے اس کا نام عام الحزن (اندوہ کا سال) رکھا گیا۔ رسولؐ اللہ دولت سرا سے بہت ہی کم باہر تشریف لاتے تھے۔ اور گھر میں سنسان گھر میں۔ رسولؐ کی تسلی کا سامان معصومہ کی ذات سے وابستہ تھا۔ اور جناب معصومہ کے لئے صرف ذاتِ رسولؐ اللہ ہی تشفی بخش تھی۔

یہ سب کچھ تھا لیکن اس حزن و اندوہ کے یہ معنی نہیں تھے کہ وہ فرض جو منجانب اللہ واجب کیا گیا تھا۔ اس میں کسی قسم کا فرق آئے۔ چنانچہ آپ نے اس واقعہ کے دوسرے ہی سال تبلیغ و ارشاد کے لئے طائف کا سفر فرمایا۔ اہلِ طائف نہایت بے مروتی

سے پیش آئے۔ آپ نے یہاں بروایتے دس دن اور بروایتے پچاس دن قیام فرمایا لیکن اہل طائف نے سوا ایذا رسانی کے اس ہادیٔ مطلق کی آواز پر توجہ نہ کی۔ واپسی میں ایک غلام نے جس کا نام عداس تھا اور عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ اسلام قبول کیا۔

وہ اہل تعصب جو عام طور پر یہ اعلان کیا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ ایسی حالت میں اسلام لانے والوں کے لئے کونسی توجیہ پیش کریں گے۔

طائف سے واپسی میں ہی بہ مقام بطن نخلہ جنات نے اسلام قبول کیا۔ بہر طور آپ مکہ میں واپس تشریف لائے۔

حضرت کا قاعدہ تھا کہ موسم حج میں جب قبائل جمع ہوتے تھے تو حضرت ان کے پاس جاتے اور حق کی منادی فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر تم سے ہو سکے تو مجھے اپنی قوم میں لے چلو۔ اور میری دشمنوں سے حفاظت کرو۔ تاکہ میں باطمینان خدا کی عبادت بجا لاؤں اور اس کے احکام مخلوق تک پہنچاؤں۔ بہت سے قبائل کے سامنے یہ عجیب و غریب درخواست پیش ہوئی۔ مگر کسی کو لبیک کی توفیق نہ ملی یثرب کے چند متوسطین نے اسلام قبول کیا۔ جنہیں قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو وہاں سے عریضہ لکھا کہ آپ کسی ایسے شخص کو بھیجیے جو ہم کو قرآن اور آداب دین تعلیم کرے۔ حضرت نے مصعب ابن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو روانہ فرمایا۔ یہ بزرگوار حضرت کے چچا تھے۔ اس وقت تک جس قدر قرآن نازل ہوا تھا سب ان کو یاد تھا اور مسائل وغیرہ سے ماہر تھا۔ یہ پہلے بزرگوار معلوم ہوتے ہیں جو منجانب رسول اللہ اشاعت اسلام کے لئے باہر روانہ کئے گئے۔ ان کے جانے سے مدینہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی جب حج کا موسم آیا تو بزرگان مدینہ نے جو مشرف باسلام ہو

چکے تھے۔ بارہ شخصوں کو منتخب کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ درخواست کی کہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو ہم اپنی جانوں سے زیادہ آپ کو عزیز سمجھیں گے۔ اور آپ کی حمایت وحفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی عمل میں نہ آئے گی۔ یہ لوگ آئے۔ حضرتؐ سے بیعت کی اور قوم کا پیغام پہنچایا۔

اِدھر تو اہلِ مدینہ کی یہ حالتیں تھیں۔ اُدھر کفارِ قریش کی عداوتیں اور بڑھ گئیں خصوصًا جب انہوں نے دیکھا کہ شجرۂ نبوت بارآور ہوتا ہی جاتا ہے۔ اور اہلِ مدینہ بھی اس کے سائے میں آچکے ہیں تو انہیں صدمہ ہوا۔ دارالندوہ میں چالیس آدمیوں کی کمیٹی ہوئی جس میں یہ تجویز شیطانی مستحکم کی گئی کہ ہر قبیلے سے ایک ایک آدمی چُن لو۔ اور سب مل کر پیغمبرؐ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالو۔ ایسی صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں منتشر ہو جاوے گا اور بنی ہاشم کی جرأت نہ ہوگی کہ وہ تمام قبائل کے مقابلے میں تلواریں اٹھائیں زیادہ سے زیادہ خون بہا مانگیں گے جو بآسانی ادا کر دیا جاوے گا۔

تجویز مکمل ہوئی اور یہ لوگ مسجد الحرام میں جمع ہوئے۔ جب رات ہوئی تو گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ ابولہب جو ان کا ہمراز تھا۔ اس نے روکا اور کہا کہ گھر میں عورتیں بھی ہیں۔ بچے بھی رات کے وقت اندیشہ ہے کہ ان کو صدمہ پہنچے لہٰذا صبح کو یہ ارادہ پورا کرنا۔ چنانچہ ان لوگوں نے خانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا۔

اِدھر رسول اللہ کو ان واقعات کی اطلاع اسی کیفیت باطنی کے ذریعہ سے ہو گئی تھی جسے وحی کہا جاتا ہے اور اذن مل چکا تھا کہ اب یہاں سے نکلنے کا وقت آگیا ہے۔ چھوڑو۔ وطن کو چھوڑو۔ سودائے محبت کے واسطے وادیٔ غربت کی سیر بھی لوازمات میں سے ہے۔

آپ نے اپنے بھائی علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ میں یہاں سے بحکم خدا ہجرت کرتا ہوں۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ میرے لیٹنے سے آپ صحیح وسلامت منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے؟ فرمایا ہاں۔ آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اس اُمّت میں یہ پہلا سجدۂ شکر تھا۔ جس کی ابتدا امیرالمومنینؑ سے ہوئی۔ اور پھر اُمّت کے لئے مستحب قرار پایا۔ اس کے بعد دونوں بھائیوں میں راز و نیاز ہوئے۔ رسول اللہؐ نے کچھ وصیتیں فرمائیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"اے برادر حق تعالےٰ میرے باب میں تمہارا اور تمہارے باب میں میرا امتحان کرتا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا امتحان ہوا۔ بلکہ یہ امتحان اس سے سخت تر ہے اس لئے کہ اسمٰعیلؑ نے باپ کی چھری کے نیچے گردن رکھ دی تھی۔ اور تم بطیب خاطر دشمنوں کی تلواروں کے نیچے گردن جھکا رہے ہو۔

اے برادر! کامل صبر سے کام لو۔ کیونکہ نیکو کاروں سے رحمتِ خدا بہت قریب ہے۔ میرے پاس بہت لوگوں کی امانتیں ہیں وہ سب تمہارے سپرد ہیں۔ میرے جانے کے بعد اعلان کر دینا کہ جس کی امانت رسولِ خدا کے پاس ہو۔ آکر لے جائے اور جسے امانت واپس کرنا گواہوں کے سامنے واپس کرنا۔ یاں سواریوں کے واسطے اور باربرداری کے لئے اونٹ خرید لینا۔ جب ادائے امانت سے فارغ ہو اور میرا نامہ تم کو پہنچے تو فاطمہؑ زہرا، فاطمہؑ بنت اسد اور جو تمہارے ہمراہ چلنے پر رضامند ہوں۔ انہیں ساتھ لے کر مدینہ کی طرف راہی ہو جانا۔"

ان وصایا کے بعد آپ دولت سرا سے برآمد ہوئے۔ جبرئیلؑ جلوداری میں حاضر تھے۔ قریش مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ حضرتؐ نے یہ آیہ تلاوت فرمایا وجعلنا

من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا فاغشینا ھم فھم لایبصرون

ہم نے اُن کے سامنے بھی دیوار کھینچ دی ہے۔ اور پس پشت بھی ہم نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ اب وہ ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ غارِ ثور میں تشریف لے گئے ہیں۔ اور وہاں تین روز توقف فرما کر بخیر و عافیت مدینہ میں داخل ہو گئے۔

امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر آرام فرمانا فی الحقیقت آپ کے کمالاتِ باطنی کا کامل اظہار ہے مگر انہیں کے لئے جو بصیرت سے حصّہ لئے ہوئے ہیں۔

حضرتؐ کے تشریف لے جانے کی خبر عام ہوگئی۔ قریش مقام ابطح میں جمع ہوئے اور عقبہ ابن ابی معیط ان لوگوں پر شماتت کرنے لگا۔ جنہوں نے حضرتؐ کے پاس اپنی امانتیں رکھوائی تھیں۔ اور صاف لفظوں میں کہا کہ اب ہوشیار رہو۔ اسی مال کے ذریعے سے وہ لشکر جمع کر کے تم پر چڑھائی کرے گا جسے تم صادق اور امین کہتے تھے

امیر المومنین علیہ السّلام مع اپنے چچا عباس کے وہاں تشریف فرما تھے۔ آپ نے دست بقبضہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے کافر مردود تو رسول کو اپنے ہی نفس خبیث پر قیاس کرتا ہے۔ اگر وہ تشریف لے گئے تو میں ان کا بھائی اور ابن عم موجود ہوں۔ انہیں کی طینت سے پیدا ہوا ہوں۔ ان کا جانشین ہوں۔ میں ان تمام امانتوں کو ادا کروں گا۔

اس مقام سے سیرتِ نبویؐ پر ایک روشنی پڑتی ہے وہ امانتیں اس قدر کثیر تھیں کہ عقبہ کو یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ ان کے ذریعے سے ایک لشکر جمع ہو سکتا ہے گویا قریش باوجودیکہ حضرتؐ سے کمال دشمنی رکھتے تھے لیکن آپ کی امانتداری اور صداقت

ان کے دلوں پر نقش تھی۔ وہ یہ خوب جانتے تھے کہ یہ رسول اپنے وعدوں میں سچا ہے
مگر اخلاق باطلہ و وساوس شیطانیہ نے ان کی بصیرتوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔
غرض امیر المومنین نے امانتوں کی ادائیگی کا اعلان کر دیا اور سب کی امانتیں ادا کر
دیں۔ فی الحقیقۃ یہ کام منصب رسالت کے شایان تھا اور اُسے خود رسول اللہؐ ادا
کرتے یا وہ شخص جو ان کا حقیقی جانشین ہو حالانکہ اس وقت خاندان میں کئی ایسے
لوگ تھے جو سن میں حضرت علیؑ سے بزرگ تھے اور وہ اسلام بھی لا چکے تھے (مثلاً
جناب حمزہؓ) مگر یہ کام علیؑ کے ہی سپرد فرمایا کوئی تو اس میں راز ہے۔
اسی اثنا میں رسول اللہ کا نامہ مدینے سے آگیا جس کی اصل عبارت تبرکاً لکھی
جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد بن عبد اللہ الی وصیہ علی ابن ابی طالب
اما بعد فقد عظم علی فراقك وانی لا اجد شخصك متمثلاً
بین عینی وقد عرض علی القریب والبعید فلم احد
عوضاً عندی یبلغ درجتك وقد شکرت الی اللہ وحتی
منك ومن ابنتی فاطمۃ الزہراء فوعدنی اللہ لوصولك و
امرنی ان اکاتبك لتقحم علی فاذا اقرأت کتابی ھذا
فاشدد درعك علیك وخذ سیفك وعلیك فی سفرك
بالحذر فقد اوعدنی ربی ان یخرجك سالماً نهاراً
مؤیداً منصوراً ولا تخف من اعدائك فان اللہ

یاویك وینصرك علی اعدائك ولا تترك احداً من النساء
واسئال اصحابی ومن کان منهم یرید الهجرت فخذهم
معك واعلم بانی قد خلفت مع ابنتی فاطمة الزهراء
علیها دنانیر ودراهم فاشتربها اباعر وجهازا ولیکن
معك زید ابن حارثه یعینك علیٰ امرك ویقوم بحوائجك
واسرع الیّ فاننی مشتاقٌ الیك والیٰ لقائك والسلام علیك
ورحمة الله وبرکاته والسلام علی ابنتی فاطمة الزهراء
واهل بیتی والمومنین والمومنات وحسبی الله ونعم الوکیل

ترجمہ:۔ یہ خط محمد ابن عبداللہ کی جانب سے اس کے وصی علی ابن ابی طالبؑ کے نام ہے۔ بعد حمدِ خدا معلوم ہے کہ اب تمہاری فرقت مجھ پر بہت شاق ہے تمہاری تصویر ہر وقت میری نگاہوں میں پھرتی رہتی ہے۔ میرے پاس قریب و بعید سے بہت لوگ آئے لیکن میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ میرے نزدیک کوئی بھی تمہارا بدل ہو سکے۔ اپنی تنہائی اور تمہاری اور فاطمہ زہرا کی جدائی کا شکوہ میں نے خدا سے کیا۔ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم بخیریت میرے پاس پہنچ جاؤ گے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں آنے کے لئے لکھوں۔ پس جب تم میرا خط پڑھو تو فوراً اپنی زرہ پہن لو۔ تلوار ہاتھ میں لو۔ سفر میں ہتھیاروں کا ساتھ ہونا لازمی ہے خدا نے مجھ سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں دن کے وقت سلامتی کے ساتھ مؤید و منصور وہاں سے نکلنے کا موقع دے گا اپنے دشمنوں سے نہ ڈرنا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں دشمنوں پر نصرت

عطا فرمائے گا۔ عورتوں میں سے کسی کو پیچھے نہ چھوڑنا۔ ہاں! میرے اصحاب سے پوچھ لینا اور جو ان میں سے ہجرت کا وعدہ کرے اسے اپنے ساتھ لے لینا۔ میں نے اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کے پاس کچھ درہم و دینار چھوڑے ہیں انہیں لے کر سواری اور باربرداری کے اونٹ خرید لینا۔ زید ابن حارثہ کو ضرور اپنے ساتھ رکھنا وہ تمہارا کاروبار میں ہاتھ بٹائے گا اور خدمات ضروریہ انجام دے گا مگر بہت جلد میرے پاس پہنچو میں تمہارا بہت ہی مشتاق ہوں والسلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ میری بیٹی فاطمہ زہرؑا اور میرے اہل خانہ اور سب مومنین و مومنات کو سلام پہنچانا وحسبی اللہ ونعم الوکیل۔

اس خط کے ایک ایک فقرے سے ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ کو علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی جدائی کس قدر شاق تھی اور حضرت کس بے تابی کے ساتھ ان کا انتظار فرما رہے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنے گھر کا اندرونی انتظام جناب فاطمہؑ کو سپرد کر رکھا تھا۔ باوجودیکہ آپ اس وقت نہایت کم سن تھیں۔ اور آٹھ برس سے کچھ ہی زیادہ عمر ہوگی۔ لیکن رسولؐ اللہ نے اپنے خانگی معاملات آپ کے ہی سپرد کر رکھے تھے گویا اس زمانہ میں آپکی انتظامی قابلیت اس قابل تھی کہ خدا کا رسول اعتماد کر سکے۔ اسی سے روشنی پڑتی ہے آپ کی تعلیم و تربیت پر بلکہ آپ کے کمالات وہبی پر۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ جناب سودہ بنت زمعہ اور جناب عائشہؓ سے نکاح فرما چکے تھے۔ جناب عائشہ کی تو رخصت نہ ہوئی تھی۔ آپ تو سال اول ہجری میں رسول کے گھر میں تشریف لائی ہیں لیکن جناب سودہ اس وقت

رسول اللہ کے بیت الشرف میں تشریف لا چکی تھیں مگر اس حالت میں امورِ خانگی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے ہی ہاتھ میں تھے۔ اور رسول اللہ نے اپنا مال فاطمہ زہرا کی ہی تحویل میں رکھا تھا جیسا کہ اس خط میں اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ خط پڑھا تو فرح و سرور کا خون چہرۂ اقدس پر دوڑ گیا۔ سامانِ سفر درست ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے پھر ایک دن مقام ابطح میں کھڑے ہو کر بآوازِ بلند فرمایا۔ اے بنی مخزوم، بنی زہرہ، بنی عبدالدار، بنی اُمیہ، بنی عدی میں اعلان کرتا ہوں کہ اب جس کی امانت میرے پاس رہ گئی ہو وہ آ کر لے جائے۔ میں اب اسے رکھ نہیں سکتا۔ میں بہت جلد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تم لوگ رسول اللہ کا اکرام کرو ان کے ارشاد کی تصدیق کرو۔ تم یہ نہ کہنا کہ علیؑ ہمارے خوف سے چھپ کر چلا گیا۔ میں دن کے وقت سب کے سامنے جاؤں گا اور اہلِ حسد کی اونچی ناک توڑ کر نکلوں گا۔"

اس تقریر کو سن کر قریش پر سناٹا چھا گیا لیکن ابوجہل نے کچھ لاف زنی کی۔ اور قریش کو اُبھارنے لگا کہ ابھی ابھی اس نوجوان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ یہ سنتے ہی فوراً جناب حمزہؓ کھڑے ہو گئے۔ ابوجہل کو ڈانٹا۔ جناب امیر کی مدح میں اشعار پڑھے جنہیں سن کر ابوجہل خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

غرض امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حسب منشا سامان درست کر لیا تو نہایت اطمینان کے ساتھ اہلِ حرم کو لے کر دن کے وقت تمام قریش کے سامنے مکہ سے نکلے اور مع الخیر رسول اللہ سے جا ملے۔

باب ششم

شادی خانہ آبادی

مدینہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ کو کفار مکہ کے مصائب سے ایک گونہ اطمینان ہو گیا تھا۔ یہاں سے آپ کی زندگی کا ایک دوسرا باب شروع ہوتا ہے۔ یا یوں کہو کہ اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلتا ہے۔

ان فتوحات کے متعلق اہلِ قلم نے بہت کچھ زورِ قلم دکھایا ہے۔ بخصوصًا وہ لوگ جن کا مقصد اصلی صرف عیب جوئی ہے۔ وہ ان فتوحات سے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اور بڑے زور سے اعلان کرتے ہیں کہ "اسلام بزورِ شمشیر پھیلایا گیا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جو مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا جائے وہ حق و صدق سے خالی ہے۔

اسلامی قلب سے اس اعتراض کے بہت سے جواب شائع ہوئے ہیں اور واقعات سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت کی یہ لڑائیاں دفاعی حیثیت رکھتی تھیں اور "دفاع" ایک ایسی چیز ہے جو فطرت انسانی میں داخل ہے اس کے مخالف ہو کر کوئی انسان بھی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔

جواب کی عمدگی میں کوئی شبہ نہیں لیکن اگر معقولیت کی خوردبین سے دیکھا جائے تو تصویر کا وہ رُخ بھی جس پر اعتراضی نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ فی الحقیقت بُرا نہیں اگر تسلیم

کر لیا جائے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا تو بھی اس کا وہ نتیجہ نہیں نکلتا جس سے عداوت پسند دماغ ٹکرانا چاہتے ہیں۔

سنو! غور کرو! اور عقل سے کام لو! کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حقیقت اور صداقت دنیوی تمدن کے لئے ایسی ضروری چیز ہے کہ بغیر اس کے تمدن انسانی ایک تصویر برجستہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور تمام بنی نوع انسان کا اس پر اتفاق ہے۔ اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ انسان اکثر اوقات اس صحیح مرکز سے ہٹ جاتا ہے جس کے سبب سے تمدنی مشین بیکار ہو جاتی ہے اور بہت سے مفاسد خدا کی زمین پر ایسے پھیل جاتے ہیں جن کی خرابی پر تمام عقلوں کا اتفاق ہے۔ اب اہل نظر کو ایسی حالت میں سوچنا چاہیئے کہ وہ برقی قوت جسے حقیقت و صداقت بھی کہہ سکتے ہیں۔ قلوب انسانیہ میں دوڑائی جائے یا نہیں۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہیئے کہ نسل انسان امراض جہل میں گرفتار ہو چکی ہے۔ آیا اس کے علاج کی ضرورت ہے ؛ یا نہیں ؟

ہم نہیں کہہ سکتے کہ کوئی شخص اس ضرورت سے انکار کرے گا اور اگر فی الحقیقت کوئی شخص ایسی سامنے کی باتوں کا انکار کرنے پر تلا بیٹھا ہے تو یہ بے چارہ خود بیمار ہے۔ اس سے خطاب کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس جب یہ ضرورت مسلم ہو چکی تو اس کی اشاعت بھی لازمی قرار پائے گی۔

اشاعت کے بہت سے قاعدے ہیں۔ صبر سے کام لیا جاتا ہے۔ حلیم بن کر سمجھایا جاتا ہے۔ بردباری برتی جاتی ہے۔ طعن و تشنیع سنے جاتے ہیں۔ غرض تمام مراتب طے ہو جاتے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ آخری علاج یہی ہے کہ ان نفوس

کو دنیا سے رخصت کر دیا جائے جو حقیقت کی اشاعت میں حارج ہوتے ہیں
ان کے حارج ہونے کا نقصان اگر انہیں تک محدود رہتا پھر بھی کوئی مضائقہ نہ تھا
لیکن ان کا زہریلا اثر دوسرے ابنائے جنس کو بھی مسموم کرتا رہتا ہے لہٰذا بقاعدۂ
عقل ضروری ہے کہ اس مواد فاسد کا بالکلیہ استیصال کر دیا جائے اس لئے کہ نفوس
کثیرہ کے فائدے کے مقابلے میں چند نفوس کا اتلاف بالکل جائز ہے۔

اب اگر بحث رہ جاتی ہے تو صرف یہ کہ وہ حقیقت جو پھیلائی جا رہی ہے
واقعاً حقیقت ہے یا نہیں۔ اگر واقعی وہ حقیقت ہے تو پھر عند العقل اسے اختیار
مندرجہ بالا حاصل ہے۔ والا فلا۔ لہٰذا اہلِ عقل کو چاہیئے کہ جہادِ اسلامیہ پر بحث کرنے
سے پیشتر حقیقتِ اسلام پر نظر ڈالیں بشرطیکہ وہ حق جوئی اور نیک نیتی کے ساتھ
کام کرنا چاہیں۔ اب رہا بغض و عناد۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

اسلامی لڑائیاں جو پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ میں ہوئیں وہ تو حقیقۃً
دفاعی حیثیت رکھتی تھیں لیکن اگر اسلام میں حقیقت ہے تو اس کو وہ حق حاصل ہے
کہ فاسد مادّے کو قطعی اکھاڑ کر پھینک دے۔

اس کی مثال یُوں سمجھو کہ یہ عالم مجموعی حیثیت سے ایک جسم واحد ہے اس کے
جتنے افراد ہیں وہ اعضاء کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی عضو بیمار ہو تو پہلے
مختلف طریقوں سے اس کا علاج کیا جائے گا۔ جب ہر طرح ناکامی ہو گی۔ اور عضو
میں صلاحیت باقی نہ رہے گی تو اس کو کاٹ ڈالا جائے گا تاکہ بقیہ جسم اس کے
زہریلے اثر سے محفوظ رہے گا۔

اسلام نے ابھی تک اپنے اس اختیار کو استعمال نہیں کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی

نہیں کر وہ کبھی بھی استعمال نہ کرے گا۔ اور اس کے استعمال سے ہرگز اس کی حقانیت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہو سکتا۔

منقولات متواترہ اسلامیہ سے روشن و آشکار ہے کہ اسلام میں ایک بزرگ ظہور کرے گا۔ جس کے ہاتھ میں تلوار ہوگی۔ اسی کو مہدی موعود کہا جاتا ہے۔ اور فطرتِ عالم اسی کی منتظر ہے۔ وہ بزرگوار اسی طاہرہ مطہرہ کی نسل سے ہوگا۔ جن کی سیرت آپ کے پیش نظر ہے۔ اور اسی ازدواج کا نتیجہ ہے جس کی مختصر کیفیت آپ دیکھ رہے ہیں۔

بعض جھوٹے مدعیان مہدویت دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے اعتراضاتِ واہیہ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اُسے خونی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں مگر اس جاہلانہ تعبیر سے اس کی شان میں فرق نہیں آسکتا۔ پہلے یہ لفظ "خدا" کی نسبت استعمال کرتے ہوئے آؤ۔ پھر ادھر آنا۔ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔

غرض ہجرت کے دوسرے سال جب کہ فاطمہؑ زہرا صلوات اللہ علیہا کی عمر دس برس کی تھی۔ آپ کے عقد کی درخواستیں پیش ہونے لگیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر ایک درخواست کو سن کر منہ پھیر لیتے تھے۔ بعض خوش فکروں کا یہ بھی خیال تھا کہ تنگی اور عسرت آپ کو اس عقد سے مانع ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اس درخواست کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ میں گرانبہا مہر دینے کو تیار ہوں جس سے حضرتؐ غضبناک ہوئے۔ آپ نے کچھ کنکریاں دستِ حق پرست میں اٹھا لیں سو دستِ خدا کے ہاتھ میں آکر ان کنکریوں سے صدائے تسبیح بلند ہوئی۔ پھر آپ نے کنکریوں کو اسی شخص کے دامن میں ڈال دیا۔ اب وہ کنکریاں نہ تھیں

بلکہ اسول سمتی تھے۔

یہ درخواست کرنے والے حضرت عبدالرحمن ابن عوف بیان کئے جاتے ہیں

جنہیں عشرہ مبشرہ میں سے سمجھا گیا ہے۔

المختصر جب تمام لوگ مایوس ہو گئے تو اس وقت اس بزرگوار کی درخواست پیش ہوئی کہ جو عالم نور میں لشکل تاج جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے سر پر جگمگا رہا تھا۔ لب لعلین رسول اللہ اس درخواست کو سن کر تبسم ریز ہوئے۔ اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ "علی تمہارے پاس کیا چیز ہے۔ جس پہ عقد کیا جائے۔ ادھر سے شرمیلی آواز میں جواب دیا گیا کہ میرا حال آپ پہ روشن ہے۔ میرے ذلی ہری ککا قبضہ میں اس وقت ایک تلوار ہے۔ ایک زرہ ہے اور ایک آب کشی کا اونٹ

ارشاد ہوا کہ تلوار دشمنانِ خدا سے جہاد کرنے کے لئے ہے۔ اونٹ تمہاری آبکشی کی ضرورتوں کے لئے ہے۔ ہاں ہم زرہ پر تمہارا عقد کئے دیتے ہیں۔

واضح ہو کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کا اکثر معرکوں میں یہی دستور العمل رہا ہے اور آپ بغیر زرہ پہنے دشمنوں کی صفوں میں قوت یداللہی کے جوہر دکھاتے رہے ہیں

غرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ حضرت امیرؑ سے یہ ارشاد فرما کر حجرۂ فاطمہؑ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے نورِ نظر میری خدا سے استدعا تھی کہ بہترین خلق اور محبوب ترین مخلوق سے تیرا پیوند کیا جائے۔ پس آج علی ابن ابیطالب تمہارے رشتے کی درخواست لے کر آئے ہیں۔ جناب فاطمہؑ نے یہ سن کر سکوت فرمایا۔ اور رسول اللہ صلعم یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ سکوتھا اقرارھا یہ خموشی رضامندی پر مبنی ہے۔

بعض روایات میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے یہ سُن کر فرمایا کہ آپ کا ارشاد بسر و چشم۔ لیکن قریش کی عورتیں مجھ سے بیان کرتی ہیں کہ علیؑ کا پیٹ بڑا ہے۔ بازو بڑے بڑے ہیں۔ غرض حضرت کے حلیہ ظاہری پر بزبان زنانِ قریش اعتراض کیا۔ جسے سُن کر رسول اللہؐ نے علی مرتضٰےؑ کے مناقب بیان فرمائے

یہ روایت بالکل مہمل اور بے سرو پا ہے۔ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا بذاتِ خود حضرت علیؑ سے واقف تھیں۔ علی مرتضیٰ اسی گھر میں رہتے تھے۔ جس میں جناب سیدہ ہجرت کے وقت علیٔ مرتضیٰ ہی ان کے کفیل تھے۔ اول تو کہ میں ظاہری طور پر آیۂ حجاب کا نزول نہ ہوا تھا۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ پیغمبرؐ کے گھر میں تمام حقائق شرعیہ پر پہلے ہی سے عمل ہوتا تھا جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اول تو علی و فاطمہؑ میں کوئی مغائرت نہیں۔ اور پردے کا ثبوت دینا بلحاظ واقعات مشکل ہی نہیں۔ سخت مشکل ہے۔ لیکن اس ثبوت کو تسلیم کرنے کے بعد یہی کہا جائے گا کہ وہ سن جو بحیثیت شرعی سن بلوغ کہلاتا ہے۔ وہ مدینہ ہی میں نمودار ہوا جناب سیدہؑ جب مکہ سے تشریف لائی ہیں تو آٹھ برس کا سن تھا اور علی مرتضٰےؑ ہی اس قافلے کے سردار تھے۔ حضرت فاطمہؑ اس وقت یقیناً علی مرتضٰے سے پردا نہیں کرتی تھیں۔ اور علی مرتضٰے کے خدوخال ان کی نگاہوں میں موجود تھے پھر چند ہی روز کے بعد جناب سیدہ کا "زنانِ قریش" کے الفاظ کی ترجمانی کرنا اور ان کے قول پر اعتماد ظاہر کرنا یہ کس قسم کی بے تکی بات ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بلحاظِ شرم و حیا خود کچھ نہ کہا۔ دوسروں کا قول نقل کیا تو یہ ایک افسوس ناک غلط بیانی ہے جو سیدہؑ طاہرہ کے ذمے عائد ہوتی ہے۔ ہمارے لئے یہ بہت آسان ہے کہ جناب سیدہ کی

طرف غلط بیانی کو منسوب کرنے کی بجائے اس روایت کو مہمل اور لغو قرار دیں۔
دوسرے یہ امر ہے کہ جو حلیہ علی مرتضےٰ کا اس روایت میں نقل کیا گیا ہے
وہ بھی غلط ہے۔ اور یقیناً کسی دشمن کا تراشا ہوا ہے اور اس بیان میں فضائل و مناقب
کی چاشنی دے کر اس قابل بنایا ہے کہ اُسے جلدی سے قبول کر لیا جائے

حُلیۂ مُبارک علیؑ مُرتضےٰ

واضح ہو کہ پیغمبر و اوصیاء از روئے خَلق و خُلق عیوب سے پاک ہوا کرتے ہیں
جناب امیر المومنین کا حُلیہ ظاہری جو اہل سُنت نے بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے
وہ بھی نہایت شاندار ہے۔ قال المحب الطبری رحمہ اللہ کان علیہ السلام
ربعۃ من الرجال ادعج العینین عظیمھا حسن الوجہ کانہ قمر لیلۃ
البدر عظیم البطن الی السمن عریض ما بین المنکبین لمنکبہ مشاش
کمشاش السبع الضاری لا تبین عضدہ من ساعدہ قد ادمج ادماجا
شثن الکفین عظیم الکرادیس اغید کان عنقہ ابریق فضۃ اصلع لیس
فی راسہ شعر الا من خلفہ کثیر شعر اللحیۃ و کان لا یخضب
وجاء عنہ الخضاب والمشھور انہ کان ابیض اللحیۃ وکان اذا مشی تکفی
شدید الساعد والید واذا مشی الحروب ھرول ثبت الجنان قوی ما
صارع احدا الا صرعہ شجاع منصور علی من لاقاہ۔
طبری نے مندرجہ ذیل الفاظ آپ کے حلیہ کے متعلق لکھے ہیں کہ آپ کا قد
درمیانہ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں جن کی پتلیاں سیاہ تھیں۔ چہرہ ایسا روشن تھا

جیسے چودھویں کا چاند۔ شکم اقدس کسی قدر بزرگی کی طرف مائل تھا۔ سینہ چوڑا اور کشادہ تھا شانوں کی ہڈیاں ایسی تھیں جیسے شیر کی ہوتی ہیں۔ بازو اور کلائی کی ہڈی ملی ہوئی تھی کہ دونوں میں کوئی جدائی معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہتھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ جوڑ بند مضبوط اور بھرے ہوئے تھے۔ گردن لمبی اور ایسی جیسے چاندی کی صراحی۔ سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ تھے۔ پچھلے حصہ پر بال تھے۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ آپ خضاب نہیں کرتے تھے گو خضاب کا ذکر بھی آیا ہے مگر مشہور یہی ہے کہ ریش مبارک سفید تھی۔ چال میں بانکپن تھا۔ بازو اور ہاتھ قوی تھے۔ جب جہاد پر جاتے تھے۔ تو بغیر اضطراب کے دوڑتے ہوئے جاتے تھے جس سے آپ کا مقابلہ ہوا اسی کو نیچا دکھایا۔ اور جو سامنے آیا اسی پر شجاعت کے ساتھ فتحیاب ہوئے۔"

واضح ہو کہ یہ حلیہ آپ کے بڑھاپے کا ہے اور ظاہر ہے کہ جوانی میں تو کچھ اور ہی انسان کا حسن ہوتا ہے۔ یہ ارشاد اہل سنت کا ہے۔ اب رہے عارفین شیعہ ان کا مذاق اور ہے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام عام طور پر ایسے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے کہ عقول مردم تحمل کر سکیں ورنہ وہ کسی صورت کے مقید نہ تھے۔ وہ جس صورت میں چاہتے جلوہ فرما سکتے تھے مگر وہ آنکھیں کہاں سے آتیں جو اس نور کو دیکھ سکتیں۔ ایک جھلک اور یونہی سی جھلک موسیٰ کو ساغر مدہوشی پلانے کے لئے کافی ہے۔ ان چیزوں پر نظر کرتے ہوئے وہ روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے جس میں جناب فاطمہؑ زہرا کی زبانی حلیۂ مرتضویؑ پر اعتراض کیا گیا ہو۔

غرض اس طرف جناب سرور عالم حجرۂ فاطمہؑ سے باہر تشریف لائے۔ اور ادھر شہپر جبرئیل کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت جبرئیل حاضر ہوئے اور عرض کیا

یارسول اللہ فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دیجے۔ خدا نے علیؑ کو فاطمہؑ کے لئے اور فاطمہؑ کو علیؑ کے واسطے پسند فرمایا ہے۔ اس خوشخبری کو رسولؐ اللہ نے حضرت علی مرتضیٰ تک پہنچایا۔ اور ارشاد کیا اے علیؑ مبارک ہو کہ خدا نے تمہیں وہ کرامتیں عطا فرمائی ہیں۔ جو کسی کو مرحمت نہیں فرمائیں۔ میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد تم سے کرتا ہوں۔ اسی چیز پر جس پر خدا نے اس کا عقد کیا ہے۔ اور میں اس شے سے راضی ہوں جس سے خدا راضی ہے۔ اچھا اب تم مسجد کو چلو۔ میں بھی تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ سب کے روبرو تمہارا عقد کروں گا اور تمہارے وہ فضائل بیان کروں گا۔ جس سے تمہاری اور تمہارے دوستوں کی دنیا و آخرت میں آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ابھی ہم مسجد تک نہ پہنچے تھے۔ کہ رسول اللہ بھی ہم سے آ ملے اور حضرت کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک رہا تھا۔ آتے ہی بلال کو آواز دی وہ لبیک کہتا ہوا حاضر ہوا۔ ارشاد کیا سب مہاجر و انصار کو جمع کرو۔ جب سب جمع ہو گئے تو آفتابِ رسالتؐ منبر پر جلوہ افروز ہوا۔ قد سیوں نے اپنے پروں کا سایہ کیا۔ اور حمد و ثنائے عالم میں خطبہ ادا کیا گیا اور بعد خطبہ ارشاد ہوا۔ میں نے علیؑ کو فاطمہؑ سے پیوند کر دیا۔ چار سو مثقال چاندی اس کا مہر ہے۔ اگر علیؑ خوشنود و رضامند ہو ادھر سے قبول کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت علیؑ سجدہ شکر بجا لائے۔ رسولؐ اللہ نے دعا فرمائی کہ خداوند تم دونوں کی نسل سے طیب و طاہر پیدا کرے۔ اور تم کو برکت عطا فرمائے۔ چاروں طرف سے "مبارک" "مبارک" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ چھوہاروں کا ایک خوان اٹھایا گیا۔ اُدھر رسول اللہ نے دولتسرا میں قدم رکھا اور ازواج نے تہنیت ادا کی۔ حضرت فاطمہؑ کو اطلاع دی گئی۔ اور رسول اللہ نے

فرمایا کہ اگر تیرے کنبے میں کوئی علیؑ سے بہتر ہوتا تو اسی سے تمہارا عقد کرتا۔ میں نے تمہارا نکاح نہیں کیا بلکہ خدا نے تمہیں پیوند کیا ہے۔ اور تیرے مہر میں خمس مقرر فرمایا ہے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہ ارشاد فرما کر دولتسرا سے باہر تشریف لائے اور علی مرتضےٰ سے فرمایا کہ اب تم جا کر اپنی زرہ بیچ ڈالو تاکہ تمہارے سے اور فاطمہؑ کے واسطے سامانِ ضروری تیار کیا جائے۔ حضرتؑ نے یہ ارشاد سن کر چارسو درہم کو زرہ بیچ ڈالی اور قیمت لا کر رسول اللہؐ کے سامنے رکھ دی۔ حضرتؐ نے خریدِ سامان کے لئے حضرت مقداد کو مقرر فرمایا۔ چند صحابی ان کے ساتھ ہو ئے۔ سامان جو سیدہ کے جہیز کے لئے خریدا گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ ایک گدیلہ جس میں اُون بھری ہوئی تھی مصر کا بنا ہوا۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال تھی۔ ایک خیبری عبا ایک پرانی مشک پانی کے لئے۔ چند آبخورے۔ چند ٹھلیاں۔ ایک لوٹا۔ ایک ہلکا سا بالوں کا پردہ۔ ایک قمیص۔ ایک چادر یچہ خیبری۔ ایک پلنگڑی کھجور کے بانوں کی بنی ہوئی۔ دو فرش مصری خرما کی چھال کے۔ ایک بوریا۔ ایک چکی۔ ایک تانبے کا لگن ایک لکڑی کا پیالہ۔ غرض زیادہ سے زیادہ سامان کی تفصیل یہی ہے جو ذکر ہوئی۔ ہاں خوشبو اس کے علاوہ تھی۔ یہ ہے سامان جہیز سیدہ عالم کا۔ جب رسول اللہؐ کے سامنے یہ چیزیں آئی ہیں تو ایک ایک چیز کو دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ خداوندا اس میں برکت عطا فرما اور ارشاد کرتے تھے کہ خداوندا ان لوگوں کو برکت عطا کر۔ جن کے کل برتن مٹی کے ہوں۔ غرض یہ سامان خانہ رسالتؐ میں رکھا گیا۔

نکاح کے بعد ایک مہینہ گذر گیا اور وداع کے باب میں کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔ آخر ازواج میں سے حضرت اُم سلمہ نے رسول اللہؐ سے اس کا ذکر چھیڑا۔ اور عرض کیا کہ

آپ فاطمہؑ کو رخصت فرمائیے تاکہ وہ اپنے شوہر کا سکھ دیکھے اور ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ فرمایا ہم تو اس درخواست کے منتظر تھے۔ غرض علی مرتضےٰ کو بلایا گیا۔ حضرت تشریف لائے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ ہم آج شب کے وقت انشاء اللہ فاطمہ کو وداع کر دیں گے۔

ولیمہ

ادھر ازواج کو حضرت نے یہ حکم دیا کہ فاطمہؑ کو آراستہ کریں۔ ادھر باہر آکر بلال کو حکم دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اُمّت میں یہ سُنّت جاری ہو۔ جب جنگل سے گلّہ آوے تو ایک بکری لے کر ذبح کرو۔ اور ایک خوان کھانے کا تیار کرو۔ کچھ گھی تازہ خرما اور دہی بھی منگایا گیا۔ سعد انصاری نے یہ سُن کر ایک بکرا پیش کیا۔ جنید انصاری کچھ غلّہ لے کر آئے۔ باقی اصحاب نے تحفے اور ہدیے پیش کئے۔ غرض کھانا تیار ہو کر سامنے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ کوٹھے پر جاکر ندا کر دو کہ رسول خدا کے یہاں دعوت ہے۔ یہ آواز غالباً علی مرتضےٰ کی تھی۔ مدینے اور اس کے گرد و نواح میں جس قدر آدمی تھے۔ جوق درجوق آنے لگے۔ کھانے کی مقدار بظاہر بہت قلیل تھی مگر یہ رسُول کی برکت تھی۔ فاطمہؑ کا ولیمہ تھا۔ علی مرتضیٰ کا اہتمام تھا۔ جتنے آئے سیر ہو کر گئے۔ پھر گھر میں کھانا بھیجا گیا۔ تمام عورات مدینہ جمع تھیں سب نے سیر ہو کر کھایا۔

ولیمہ سے فرصت پاکر رسول اللہ بیت الشرف میں تشریف لائے اور ازواج سے فرمایا کہ اب ہم فاطمہؑ کو علی مرتضیٰ کے حوالے کرتے ہیں اور تم جانتی ہو کہ وہ مجھے کس قدر پیاری ہے۔ اب اسے رخصت کرو۔ ازواج نے سیّدہ عالم کو خوشبو میں بسایا۔ رخصت کا وقت آگیا۔ علی مرتضےٰ کو رسول اللہ نے طلب فرمایا۔ اُمّ سلمہ

حضرت سیدہ کو حجرے سے باہر لائیں اور اُسی وقت یہ مخدرۂ عصمت و طہارت سر سے
پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی تھیں۔ فاطمہؑ کا ہاتھ علی مرتضٰےؑ کے ہاتھ میں دیا گیا اور ارشاد
ہوا۔ اے علی تمہاری دلہن کس قدر برکت والی ہے۔ جو خیر النساءؑ ہے۔ سب عورتوں
سے بہتر ہے۔ اور اے فاطمہؑ کیا خوب تمہارا شوہر ہے جو خیر البشر ہے۔ اس کے
ساتھ ہی ارشاد ہوا۔ کہ حجرے میں پہنچکر تم میرا انتظار کرنا۔ اشترِ خاص رسول اللہ جس کا
نام شہبا تھا طلب ہوا۔ اس پر ایک چادر دُہری کر کے ڈالی گئی۔ جناب سیدہ اس
پر سوار ہوئیں۔ سلمانؓ فارسی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور خود رسول اللہ اسے ہانک
رہے تھے۔ رسول اللہ تن تنہا ہمراہ نہ تھے۔ قدوسیوں کی ہزاروں صفیں ہمراہ تھیں
جبرئیل لگام تھام رہے تھے۔ اسرافیلؑ کے رکابوں پر ہاتھ تھے میکائیل دمچی پر ہاتھ رکھے
تھے۔ ساکنین ملاء اعلٰے کی تہلیل و تکبیر کی صدائیں عالم ملکوت میں بلند تھیں۔ جنت کے
درخت فرطِ مسرت سے جھوم رہے تھے۔ برابر معرفت کی بارش تھی اور جنت
والے لوٹ میں پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے گرد حوروں کا جھرمٹ تھا۔ بنی ہاشم
ننگی تلواریں لئے ہوئے ہمراہ تھے۔ جناب جعفر طیارؓ۔ جناب عقیلؓ۔ جناب حمزہؓ
تلواریں برہنہ کئے شہزادی کے جلو میں تھے۔ ازواج نبی آگے آگے رجز پڑھتی
جاتی تھیں۔

رجز حضرت اُمِّ سلمہ

سِرنَ بِعَونِ اللّٰہِ یَا جَارَاتِ	وَاشکُرنَہٗ فِی کُلِّ حَالَاتِ سِرنَ
آؤ ہمسائیو بڑھاؤ قدم	شکر خالق ادا کرو ہر دم

چلو ہمسائیو بنامِ خدا

واذکرن ما انعم رب العلی　　من کشفِ مکروہ و آفاتِ "سرن"

نعمتوں کا خدا کی ذکر کرو　　دور جس نے کیا بلاؤں کو

چلو ہمسائیو بنامِ خدا

فقد ھدانا اللہ بعد کفرٍ　　وقد انعشنا رب السمٰوٰت

کفر غارت کیا۔ ہدایت دی　　ہم کو رب السما نے رفعت دی

چلو ہمسائیو بنامِ خدا

وسرن مع نساء خیر الوریٰ　　تفدیٰ بعماتٍ وخالاتٍ "سرن"

چلو خیر النساء کے ساتھ چلو　　جس پہ قربان پھپھی ہو۔ خالہ ہو

چلو ہمسائیو بنامِ خدا

یا بنت من فضلہٗ ذوالعلیٰ　　بالوحی منہ والرسالات "سرن"

اس کی بیٹی ہے تو جسے حق نے　　وحی بخشی۔ کیا رسولؐ جسے

چلو ہمسائیو بنامِ خدا

حضرت عائشہ کا رجز

یا نسوۃ استترن بالمعاجر　　واذکرن ما یحسن فی المحاضر

اوڑھ لو چادریں! مری بہنو　　بات محفل میں جو ہو۔ اچھی ہو

واذکرن رب الناس اذیخصنا　　بدینہ مع کل عبدٍ شاکرٍ

کیا مخصوص دین سے اپنے　　ساتھ ہر ایک عبدِ شاکر کے

اس مربیؐ کا ذکر لازم ہے

والحمد للہ علی افضالہ — والشکر للہ العزیز القادر

اس کی نعمت پہ لاکھ حمد و ثنا — شکر ہے اس قوی و قادر کا

سرن بہا ان اللہ اعلیٰ ذکرہا — وخصہا منہ بطہر طاہر

فاطمہؓ کا ہی ذکر ہے برتر — پاک و طاہر جسے ملا شوہر

بی بیو! آؤ۔ اس کے ساتھ چلو

رجز حضرتِ حفصہ

فاطمہؓ خیر نساء البشر — ومن لہا وجہ کوجہ القمر

فاطمہ بہترین مرد و زن — جس کا چہرہ ہے چاند سا روشن

فضلک اللہ علی کلّ الوریٰ — بفضل من خص بآی الزمر

تجھ کو مخلوق پر فضیلت دی — اس کی خاطر یہ سب کرامت دی

شان میں آیا ہے زمر جس کی

زوّجک اللہ فتی فاضلاً — اعنی علیاً خیر من فی الحضر

لوگ جتنے یہاں یہ ہیں موجود — سب میں اعلیٰ رہی علیؑ کی نمود

ہے یہ لاریب فضل ربِ ودود — تیرا شوہر بنا ہے ایسا وجود

فسرن جاراتی بہا فانہا — کریمۃ بنت عظیم الخطر

آؤ! ہمسائیو۔ چلو ہمراہ — اس کی بیٹی ہے یہ بلا اشتباہ

منزلت پر خدا ہے جس کی گواہ

رجز معاذہ انصاریہ ام سعد ابن معاذ

اقول قولاً فیہ ما فیہ — واذکر الخیر و أبدیہ

آئی وہ بات میرے ہونٹوں پر — جس میں ہیں نیکیاں ہی سرتاسر

محمّد خیر بنی آدم — ما فیہ من کبرٍ و من تیہ

ہیں محمدؐ سرِ بنی آدم — دور ہے جن سے کبر و شر کا قدم

بفضلہ عرفنا رُشدنا — فاللہ بالخیر یجازیہ

ان کے دم سے نجات پا گئے ہم — رکھے خالق انہیں بلُطف و کرم

ونحن مع بنتِ نبی الوریٰ — ذی شرفٍ قد مکنت فیہ

ہم ہیں اب دخترِ نبیؐ کے ساتھ — وہ کہ جس میں ہیں جمع حسن صفات

فی ذروۃٍ شامخۃٍ اصلھا — فما اریٰ شیئاً یُدانیہ

اس کا رتبہ ہے اس قدر اعلےٰ — کوئی جس کو پہنچ نہیں سکتا

اس شان سے جناب سیدہ کی سواری بیت الشرف تک جا پہنچی۔

واضح رہے کہ جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آستانہ قدس کاشانہ دولت سرائے رسول اللہ سے کچھ بہت فاصلے پر نہ تھا۔ حضرت کے مکان کا دروازہ صحن مسجد ہی میں تھا جس طرح رسول اللہ کے مکان کا دروازہ تھا۔ کچھ اور دروازے بھی اس طرف تھے۔ مگر وہ بند کر دئے گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری جناب سیدہ کی کسی قدر گردش کے ساتھ برج مہر امامت و وصایت تک پہنچی ہے۔ یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ اس موقعہ کے لئے حارثہ بن نعمان کا

مکان کرائے پر لیا گیا تھا۔ اس جلوس پر نظر کرتے ہوئے یہ روایت قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔

اس وقت اس حجرے کی زینت باطنی جس شئے سے تھی اس کی حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ لیکن زینتِ ظاہری کا حال یہ تھا کہ کمرے میں ریت بچھا کر بحرینی چٹائی کا فرش کیا تھا۔ بروایتے بکری کی کھال بچھی تھی۔ ممکن ہے ایک طرف اسی چٹائی پر بکری کی کھال بچھائی گئی ہو۔ ایک تکیہ تھا جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک لکڑی صحن میں مشکیزہ لٹکانے کو گڑی تھی جس پر کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ ایک لکڑی بجائے الگنی کے لگائی گئی تھی۔ بروایتے ایک گدیلہ بھی تھا۔ جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک خیبری چادر تھی۔ اور ایک پانی کی بالٹی وہاں رکھی ہوئی تھی۔ اُم ایمن اس حجرے کے دروازے پر بیٹھی تھیں۔ اتنے میں رسول اللہ تشریف لائے۔ عورتیں حضرت کو دیکھ کر پسِ پردہ ہو گئیں مگر اسماء بنت عمیس سامنے رہیں۔ حضرت نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے عرض کی میں اسما بنت عمیس ہوں۔ لڑکیوں کو ابتدا میں ایک ہمراز کی ضرورت ہوا کرتی ہے تاکہ اگر کچھ درکار ہو تو وہ مہیا کر دے۔

ایک روایت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ میں وقتِ وفاتِ خدیجہ موجود تھی۔ یکایک وہ رونے لگیں۔ میں نے کہا تم روتی کیوں ہو۔ تم تو سیّدۃ نساءِ عالمیان ہو۔ زوجہ نبیؐ ہو۔ تمہیں رسولؐ اللہ نے جنّت کی بشارت دی ہے۔ وہ بولیں میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ ابتداءً دلہن کو ایک ایسی عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس کی ہمراز ہو۔ اور جس سے وہ

پردہ نہ کرے۔ اور اپنی ضروریات بیان کر سکے۔ میری فاطمہؑ کم سن ہے دیکھئے اس کی کفیل کون ہوگی۔ میں نے ان سے عہد کیا کہ اے بی بی اگر میں زندہ رہی تو وعدہ کرتی ہوں کہ یہ خدمت میں سر انجام دوں گی۔

لیکن بعض اہلِ تاریخ کا خیال ہے کہ اسما بنتِ عمیس کی موجودگی وہاں صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ اس زمانے میں اپنے شوہر جناب جعفر طیار کے ہمراہ حبشہ میں تھیں لیکن روایات متعددہ میں ان کا ہی نام ملتا ہے۔ ممکن ہے اپنے شوہر سے پہلے مدینے میں چلی آئی ہوں۔ ملا جامی کی شواہد النبوت میں ان کا نام سلمیٰ بنت عمیس ہے۔

بہر طور وہ اسما ہوں یا سلمیٰ حضرت نے ان سے فرمایا کہ خدا تیرا ہر طرف سے نگہبان ہو۔ اس وقت آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔ یہ فاطمہؑ میری بیٹی ہے فمن اکرمہا فقد اکرمنی ومن اہانہا فقد اہاننی۔ جس نے اس کی تعظیم کی اس نے میری تعظیم کی۔ اور جس نے اس کی اہانت کی اس نے میری اہانت کی۔

یہ اعلان فضائل برائے تنبیہ عوام تھا۔ اس اعلان کے بعد آپ نے دعا کی۔

اللھم بارک لھما وبارک علیھما واجعل منھما ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء۔

خداوندا ان کے لئے برکت عطا فرما۔ ان پر اپنی برکتیں نازل فرما اور ان سے ذریت طیب، طاہر، ظاہر فرما۔ بہ تحقیق کہ تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔

بروایت دیگر یوں دعا فرمائی۔

بارك الله لكما في سركما وجمع شملكما والف على الايمان قلوبكما۔

خداوند عالم تمہارے اسرار میں برکت دے۔ تمہارے امور کو جمع کرے اور تمہارے دلوں کو ایمان سے تالیف کر دے۔

ان دونوں دعاؤں میں اسی موقعہ پر جمع ممکن ہے۔ یعنی پہلے دعائے اول فرمائی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چلنے کا قصد کیا تو اس وقت دوسری دعا کی۔ غرض جب حضرت کھڑے ہوئے تو جناب سیدہ اپنے پدر بزرگوار کے قدموں سے لپٹ گئیں اور رونے لگیں۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے فاطمہؑ روتی کیوں ہو۔ میں نے تمھیں ایسے شخص سے بیاہا ہے۔ جو حلیم ہے۔ بُردبار ہے۔ اور بہت بڑا عالم ہے۔ اور چلتے ہوئے رسولؐ کی زبان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔ مرحبا بحرين يلتقيان و نجمان يقترنان۔ مرحبا ان دو نورانی دریاؤں پر جو آپس میں مل رہے ہیں۔ اور ان دو ستاروں پر جو ایک برج میں جمع ہوئے ہیں۔ پھر دروازے سے نکلتے ہوئے ارشاد کیا۔ طهركما وطهر نسلكما انا سلمٌ لمن سالمكم و حرب لمن حاربكم۔ خدا نے تم دونوں کو طاہر کر دیا اور تمہاری نسل کو بھی طاہر فرمایا۔ میں اس سے صلح کروں گا جو تم سے صلح رکھے۔ اور اس سے لڑائی کروں گا جو تم سے لڑائی کرے۔ یہ فرماتے ہوئے دولت سرا کو تشریف لے گئے۔ اور ادھر دونوں بزرگواروں نے تسبیح و تقدیس کے آغوش میں آرام فرمایا۔

صبحِ عروسی

جب یہ رات گذری۔ صبح نمودار ہوئی۔ تو رسُولؐ اللہ نے دروازے پر آکر فرمایا۔ السلام علیکم یرحمکم اللہ۔ اسما نے دروازہ کھولا۔ اُس وقت دونوں بزرگوار ایک چادر میں لپٹے ہُوئے تھے۔ فرمایا جس طرح لیٹے ہو اسی طرح لیٹے رہو خود آکر سرہانے بیٹھ گئے۔ اور دونوں پاؤں ان کے درمیان میں رکھ دیئے اور علیؑ مرتضیٰ سے پُوچھا کہو اپنی زوجہ کو کیسا پایا۔ آپ کی زبان سے یہ کلمات حقیقت آمیز نکلے کہ طاعت پروردگار کے لئے عُمدہ مددگار ہے۔ یہی استفسار جناب سیّدہ سے فرمایا کہ تمہارا شوہر کیسا شوہر ہے؟ سیّدہ نے عرض کیا کہ بہترین شوہر ہے۔ رسُولؐ اللہ نے دونوں کے لئے دُعا فرمائی۔ کہ خداوندا! ان سے پریشانی اور تفرقے کو دُور رکھ۔ ان کے دلوں میں اُلفت دے۔ ان کو اور ان کی اولاد کو جنّت النعیم کا مالک بنا۔ انہیں طیب وطاہر و مبارک ذریت عطا کر۔ ان کی اولاد میں برکت دے۔ انہیں امام بنا جو تیرے حکم سے تیری اطاعت کے لئے ہدایت کریں اور اس کام کا حکم دیں جس میں تیری رضامندی ہو۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ جناب رسُولؐ اللہ ایک دودھ کا پیالہ بھی ہمراہ لائے اور جناب سیّدہ سے فرمایا اشربی فداك ابوك بابا قربان یہ پی لو۔ اور جناب علیؑ مرتضےٰ سے بھی فرمایا کہ اشرب فداك ابن عمك بھائی تم پہ فدا ہو تم بھی پیو۔

جوابِ دُعا

اس روایت میں جو دُعا مرقوم ہے۔ اس کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو وہ

قبول درگاہِ خداوندی ہوئی یا نہیں؟ نفی قبولیت کو ہرگز کوئی صاحبِ ایمان گوارا نہ کرے گا۔ لامحالہ قبولیت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اب دیکھیے اس دعا کا جواب کلام مجید میں آپ کو مل جائے گا۔ خداوندعالم سورہ انبیاء میں ارشاد فرماتا ہے۔

وجعلنھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین۔

"ہم نے ان کو امام بنا دیا۔ وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں۔ ہم نے انہیں افعال نیک۔ اقامت نماز اور ایتاء زکوٰۃ کی وحی کر دی اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے"۔

یہ آیۂ مقدسہ گویا جواب ہے دعائے پیغمبرؑ کا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ خداوندا ہمارے لئے آخرین میں ایک سچی زبان قرار دے اور خدا قرآن میں ہی اس کا جواب دے دیتا ہے۔ وجعلنا لھم لسان صدق علیاً۔ ہم نے ان کے لئے سچی زبان علیؑ کو قرار دیا۔ اسی طرح دعائے پیغمبری کا جواب ارشاد ہوا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن عجیب تماشہ ہے کہ بعض مدعیانِ تشیع جن کو فضائل آئمہ سے خدا واسطے کی کاوش آپڑی ہے وہ اس کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں بلکہ برملا کہتے ہیں کہ آئمہ اہلبیت کو اس آیت سے کیا تعلق۔ ان لوگوں کو لفظ وحی نے وہم میں ڈال دیا ہے اور اسی کی بنا پر یہ آئمہ سے وحی کی بھی نفی کر رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

متفرقات

نتیجۂ حالات

یہ تمام حالات جو تاریخی حیثیت رکھتے ہیں ان پر نظر کرنے سے ہم ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ یہ کہ بعض اربابِ فکر جناب رسول اللہؐ کی اور بھی دو لڑکیاں بطنِ خدیجہ سے قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ پر مختلف اہلِ قلم نے کافی بحثیں کی ہیں لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کرلیں تو بھی ہمیں ماننا پڑے گا کہ جو خصوصیت جناب فاطمہؑ کو تھی۔ وہ کسی دوسری صاحبزادی کو نہ تھی۔ رسول اللہؐ نے جو اہتمام فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے نکاح کا فرمایا ہے۔ وہ کسی دوسری کے لئے دیکھنے میں نہیں آیا۔ نسلِ رسول اللہ اگر چلی ہے تو فاطمہؑ سے ہی چلی ہے۔ وہ فاطمہؑ ہی کی اولاد ہے۔ جسے آلِ رسولؐ کہا جاتا ہے۔ فاطمہؑ ہی وہ صدفِ پاکیزہ گوہر ہے جس سے گیارہ گوہرِ غلطاں ظاہر ہو کر مسندِ خلافتِ الٰہیہ پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ شرافت فاطمہؑ کو ہی حاصل ہے کہ رسول اللہؐ نے فاطمہؑ کی ایذا کو اپنی ایذا قرار دیا۔ فاطمہؑ کی ہی حقیقت وہ حقیقت ہے جو حقیقتِ احمدیہ سے اتصال و اتحادِ کلی رکھتی ہے۔ وہ فاطمہؑ ہی ہے جس کے نکاح کا اہتمام منجانب اللہ عمل میں آیا۔ فاطمہؑ ہی وہ بیٹی تھی جو رفتار و گفتار میں رسولؐ سے مشابہ تھی وہ فاطمہؑ ہی ہے جس کی تعظیم کے لئے رسول اللہ کھڑے ہو جاتے تھے۔ فاطمہؑ کے بیا

بیٹے رسول اللہ کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور فاطمہؑ ہی وہ دروازہ ہے جس سے علوم رسالت و امامت نے ظہور کیا۔ اشرافِ قریش نے تزویج فاطمہؑ کے لئے جو کوششیں کی ہیں ان سے کتب تواریخ لبریز ہیں۔ آخران کوششوں میں کوئی تو راز تھا۔ اس مواصلت میں کوئی تو شرف تھا۔ حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ علیؑ کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو میرے نزدیک شترانِ سُرخ مو سے افضل ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ ان کا عقد فاطمہؑ کے ساتھ ہوا۔

حسب و نسب

اہلِ علم کی نظر میں شرافت کی دو حالتیں ہیں۔ ایک شرافت نسبی یعنی انسان کسی اعلےٰ انسان سے بلحاظ نسب منسوب ہو۔ اسے وصف انسانی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ نسبت بیکار بھی ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بدیہی بات ہے۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں۔

الناس من جهة التمثال اكفاء

ابوهم آدم و الام حواء

انسان بلحاظ کفو سب آپس میں برابر ہیں کیونکہ باپ سب کے حضرت آدمؑ ہیں اور ماں سب کی حضرت حوا۔ یعنی تمام انسانوں کا سلسلہ انہیں سے چلتا ہے۔ اور انہیں پر منتہی ہوتا ہے۔

دوسری شرافت ہے۔ شرافتِ حسبی۔ یعنی انسان جس بزرگ سے منسوب ہو۔ اس کے اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ فاضلہ کا بھی حصّہ لئے ہوئے ہو۔ یہ انسان کا

وصفِ ذاتی کہلاتا ہے۔ وصفِ ذاتی فی الحقیقت نہایت کارآمد چیز ہے یہ وصف انسان میں کبھی تو بزرگوں کے مماثل ہوتا ہے۔ اور کبھی ان سے بھی بڑھ جاتا ہے جیساکہ جناب سرورِ کائنات بلحاظ نسب۔ ظاہری حضرت آدمؑ سے منسوب ہیں۔ لیکن شرافتِ ذاتی ایسی رکھتے ہیں جو حضرت آدم سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اور اسی وصفِ ذاتی کی بنا پر آپ سب پیغمبروں سے افضل ہیں۔ غالباً آیہ کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہیں وہی خدا کے نزدیک سب سے مکرم ہیں) میں اسی شرافتِ حسبی یا وصفِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شرافتِ نسبی کوئی چیز نہیں ہے۔ بے شک بڑی چیز ہے مگر انسان اپنے اخلاقِ رذیلہ سے خود اس جوہر کو چھپانے کی کوشش کرے۔ تو اس کا کیا علاج۔ ہر وہ شخص جو محض شرافتِ حسبی رکھتا ہے۔ شرافتِ نسبی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس سے شرافتِ نسبی کی اہمیت کا بھی پتہ چل جائے گا۔ اسی لیئے اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا میں یہ دونوں شرافتیں بدرجۂ کمال جمع تھیں از روئے نسب فخر بنی آدم محبوب کبریا فخر کائنات کی لختِ جگر تھیں۔ اور از روئے حسب آپ ان اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ فاضلہ کی وارث تھیں جو رسول اللہؐ میں موجود تھے۔ آپ ایک آئینہ تھیں جس میں سے ہر انسان اوصافِ رسولؐ کا معائنہ کر سکتا تھا اور حالاتِ مدونہ کی بدولت آج بھی کر سکتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ رسول اللہؐ آپ پر گرویدہ اور فدا تھے۔ آپ عالمِ ظاہر میں رسول اللہؐ کی بیٹی تھیں۔ اور عالمِ باطنی میں جزو نورِ احمدی اور حصہ دارِ سیرتِ محمدیؐ۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہؐ کو

آپ کا بے حد خیال رہتا تھا اور کبھی کسی اَمر میں آپ کی دل شکنی گوارا نہ فرماتے تھے اِس لئے آپ کے نکاح کا اہتمام جس طرح رسول اللہؐ نے فرمایا ہے گو بظاہر بہت سادہ ہے۔ لیکن اس سادگی پر ہزار ہزار جنتیں قربان ہیں اور رسول اللہؐ کی ایک ایک حرکت سے وہ شان فاطمہ زہراؑ کی اہلِ نظر کی نگاہ میں معلوم ہوتی ہے۔ جس کا اندازہ کرنا محال ہے۔ دوسری صاحبزادیاں اگر ان کا وجود تسلیم بھی کیا جائے تو ان کے متعلق رسولؐ اللہ کا ایسا تعلقِ خاطر ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے ان صاحبزادیوں کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ اس میں کسی کو برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہ واقعات ہیں جو زمانے کے ورق پر ثبت ہیں۔ اور رہیں گے۔ اور ان واقعات کے یہ نتائج ہیں جنہیں ہر اہلِ عقل اپنے صفحاتِ قلب پر لکھتا رہے گا۔

زمین کا علی مرتضیٰ علیہ السّلام سے باتیں کرنا

سبحان اللہ! بیٹی ایسی۔ داماد ایسا۔ اس سے زیادہ رسولؐ اللہ کے لئے اور کیا مقامِ مسرت ہو سکتا ہے۔ ملّا جامی نے بعض روایت طولانی شواہد النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب چوتھے دن رسول اللہ خانہ سیدۃؑ میں تشریف لائے۔ تو تھوڑا سا پانی لے کر اس پر قرآن کی آیات دم کیں اور جناب سیدہ و علی مرتضیٰ کو وہ پانی پلایا اور دعا کی کہ خداوندا! ان سے ہر قسم کی رجس کو دور رکھیو۔ اس کے بعد علی مرتضیٰؑ باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت صدیقہ طاہرہؑ نے اپنے پدر بزرگوار سے عرض کیا کہ میں نے رات کو دیکھا کہ زمین میرے ابن عم سے باتیں کر رہی تھی۔ اس واقعہ سے مجھ پر خوف

طاری ہے۔ پیغمبرِ خدا نے یہ سن کر سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ بیٹیا! یہ تو شکر اور مسرت کا مقام ہے۔ تمہارے شوہر کو خدا نے یہ منزلت عطا فرمائی ہے۔ اس نے زمین کو حکم دیا ہے کہ جو واقعات اُس پر گذریں وہ اُن کو علی مرتضیٰ سے بیان کرے اس روایت سے علی مرتضےٰ کی شان کو بھی اہلِ نظر دیکھ سکتے ہیں مگر روایت کا یہ فقرہ کہ جناب سیدہ اس واقعہ اخبار ارض سے خوف زدہ ہو گئیں۔ راوی کا قیاس ہے۔ کیونکہ جناب سیدہ ان علوم کی متحمل تھیں۔ جن کا کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی تحمل نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ سے اس واقعہ کا اظہار بلحاظ اخبار اغیار دوسری چیز ہے۔ اور خود خوف زدہ ہونا دوسرا امر ہے۔ جناب سیدہ کی طینت پر نظر رکھنے والا کبھی جناب سیدہ کے لئے اس بے موقعہ خوف وہراس کو تسلیم نہیں کرے گا۔

طعنۂ اغیار

یہ تو مسلم ہے کہ صحابہ میں سے جو اس وقت نمودار تھے سب نے ہی جناب سیدہ کی خواستگاری کی تھی اور اس میں سب درخواست کرنے والے ناکام بھی رہے تھے۔ بس ضروری تھا کہ اس کا بخار کسی نہ کسی صورت میں نکالا جاتا۔ کہیں جناب سیدہ کی طرف ایسے کلمات منسوب کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہو کہ آپ حضرت علی مرتضےٰ کی صورتِ ظاہری کو پسند نہیں کرتیں۔ کہیں جناب فاطمہؑ و علی مرتضیٰ کی شکر رنجی کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اور ان روایات کا جو اصلی راز ہے وہی ناکامی ہے۔

اس پر بھی تسکین نہ تھی بلکہ جناب سیّدہ کو بھی طعنے دلوائے جاتے تھے۔ جناب سلمانؓ سے منقول ہے کہ ایک روز میں رسولؐ اللہ کے ہاتھوں پر پانی ڈلوا رہا تھا اتنے میں جناب سیّدہؑ تشریف لائیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ رسولؐ اللہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے حوراً خدا تجھے نہ رلائے۔ یہ گریہ کس کے لئے ہے۔ سیّدہؑ نے التماس کیا کہ قریشی عورتوں کے ایک غول پر میرا گذر ہوا۔ وہ سب مہندی لگائے ہوئے تھیں۔ مجھے دیکھ کر میری اور آپ کے ابن عم کی حقارت اور مذمّت کرنے لگیں۔ حضرت نے ارشاد کیا وہ کیا کہتی تھیں۔ فرمایا ان کا قول یہ تھا کہ رسولؐ اللہ پر بیٹی کا بوجھ تھا۔ اسی لئے ایک مردِ مفلس سے اُس کی شادی کر دی۔ جب سے بڑھ کر قریش میں کوئی نادار نہیں۔ رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ بٹیا میں نے تمہارا عقد نہیں کیا۔ یہ عقد تو خدا کی طرف سے ہُوا ہے۔ یہ فرما کر عقد کی کیفیت اور علیؑ مرتضٰی کے فضائل ارشاد فرمائے۔

اہلِ دنیا کی نظر میں روپے کی قدر و منزلت ہمیشہ سے رہی ہے۔ پس جن لوگوں کو اپنے روپے پر ناز تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ روپے کی بدولت ہر چیز آسانی سے خریدی جاسکتی ہے۔ جب ان کی اُمیدوں کے لہلاتے ہوئے گلشن پر اوس پڑ گئی۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ طائرِ قدس دامِ زرّیں میں شکار نہیں ہو سکتا تو اس موقعہ پر انہیں بے بنیاد افواہوں پہ کمر باندھی جن کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور جو کتبِ تواریخ میں موجود ہیں۔

اس موقعہ پر علیؑ مرتضٰی کا افلاسِ ظاہری (جس میں خود رسولؐ اللہ بھی مبتلا تھے) عجیب و غریب معنی خیز ہے۔ واقعاً علی مرتضٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر کچھ مال و دولت کے مالک

ہوتے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ پھر اس دولت مندی کی حالت میں ان سے فاطمہؑ کا عقد کیا جاتا۔ اگرچہ ان میں کتنی ہی صفات حسنہ موجود ہوتیں۔ لیکن پھر بھی دنیا کی نظر میں یہ بات کھٹکتی رہتی کہ علیؑ کا انتخاب دولت مندی کی وجہ سے عمل میں آیا ہے۔ اور یہ قدر و منزلت دولت کے عوض میں خریدی گئی ہے۔ لیکن اب یہ اعتراض نہیں اٹھ سکتا بلکہ اس کا تصور بھی دماغ میں نہیں آسکتا۔

اب رہا افلاس کا سوال! پس اگر واقعی مفلس ہر کر انسان کی کچھ قدر گھٹ جاتی ہے تو خود رسول اللہ پر اعتراض کرنا چاہیئے۔ لیکن دنیا کے عقلمندوں نے بھی یہ سوال نہیں اٹھایا۔ وہ لوگ جو از راہ عناد آپ کی توہین کے درپے رہتے ہیں۔ انہوں نے بھی افلاس کو آپ کے عیوب میں شمار نہیں کیا۔ لیکن بدقسمتی سے اسی زمانہ میں مدینہ اس قسم کی افواہوں کا مرکز ضرور رہا ہے۔

اس واقعہ سے ہم بہت سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے سے انسانی گروہ میں ہمارا شمار ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ جس وقت ہم اپنی لڑکیوں کے لئے شوہروں کا انتخاب کریں۔ اس وقت داماد کے اوصاف باطنی پر نظر رکھنا ہمارا فرض ہے۔ مگر نہیں ایسا ہرگز نہیں کیا جاتا۔ تانبے کی چادریں تمام بدکاریاں چھپا دیتی ہیں۔ اور پیسے کا نہ ہونا یہ ایک ایسا عیب شمار کیا گیا ہے کہ صفات ملکوتیہ بھی اس کی تلافی سے قاصر ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ کی بیٹی کا جہیز کیا تھا کونسے تکلفات تھے۔ کونسی نمائش تھی۔ کونسا طمطراق تھا۔ برخلاف اس کے ہماری روش کیا ہے۔ ہاں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر کوئی صاحب مقدرت ہے تو وہ بھی اسی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے نہیں۔ وہ اپنی حسب حیثیت جو چاہے دے۔ لیکن جو لوگ اس آرزو میں کہ جب تک جہیز

کافی میسر نہ ہوگا۔ ہم شادی ہی نہ کریں گے۔ عمر بسر کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ نے ان کے لئے یہ راہ کشادہ کی ہے اور انہیں یہ سبق پڑھایا ہے۔

جو چیزیں آج کل ہندوستان میں شادی بیاہ کے لوازمات میں سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی عقلاً لازمی نہیں مانا جا سکتا۔ زمانۂ رسالت سے بعد اقوامِ غیر سے میل ملاپ دولت کی نمائشی جھلک سے مرعوب ہو جانے کی عادت پڑ جانا۔ عقلی طریقوں سے دور رہ کر اپنی تکالیف کے لئے خود نئے نئے طریقے وضع کرنا۔ فی الحقیقت یہ اسباب ہیں جنہوں نے ہمیں مشکلات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

رسول کی بیٹی جس گھر میں بیاہی ہوئی گئیں، اس کا حال تو آپ نے سن ہی لیا ہوگا اچھا ایسے گھر میں کسی آج کل کے فیشن ایبل مسلمان یا دلدادۂ فیشن مسلمان لیڈی کو تو لے جا کر کھڑا کر دو۔ ایک منٹ ٹھہرنا گوارا نہ کریں گے۔ اور اس گھر کی نسبت جو تکلفات ظاہری سے بری ہو۔ ملامت کا ووٹ پاس کرتے ہوئے نکل جائیں گے۔

اس تحریر کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ سب کے سب اسی قسم کے مکانوں میں زندگی بسر کریں۔ یہ امر ہمارے حوصلے سے بہت اونچا ہے۔ رسول نے ہمارے لئے ہر معاملہ میں وسعت رکھی ہے۔ اور یہ وسعت ہمارے ظرفوں کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہمارا ظرف ہرگز اتنا نہیں ہے کہ باوجود مقدرت ایسی زندگی بسر کر جائیں۔

عام تو عام رہے جو خاص لوگ کہے جاتے ہیں ان میں بھی شاذ و نادر ہی کوئی ایسا نکلے گا جو اس قسم کی زندگی بسر کرنے پر تل گیا ہو۔ درانحالیکہ وہ وسعتِ عیش پر قادر بھی ہو۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو مجبور نہیں کیا۔ کیونکہ ہر شخص سلمانؓ و ابوذرؓ نہیں بن سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ ضرور کہا جائے گا۔ کہ جو

نفوس اس قسم کی زندگی کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہوں۔ اور کبر و غرور زر نے اُنہیں ایسے نفوس سے جو افلاس میں زندگی بسر کر رہے ہیں متنفر کر دیا ہو تو خوب سمجھ لو۔ کہ ایسے شخصوں کو ایمان سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی انسان ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو۔ یہ پڑھنا لکھنا سب برائے طلب زر ہے۔ اور ایسے شخص کے ایمان پر کبھی اعتبار نہیں ہو سکتا۔

افسوس ہے کہ اس زمانے میں اصلاح بہت مشکل ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ ہم بڑھتے ہوئے جن ہیں۔ انبیاء کی سوانح عمریاں ہمارے زیر نظر ہیں ان کے حرکات و سکنات کے سطالعے پر ہماری عمریں صرف ہوئی ہیں۔ ان کی تعلیم کا لب لباب ہمارے نوک زبان پہ ہے۔ اب کوئی ہمیں بتائے تو کیا بتائے جب کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ یا سب کچھ جاننے کے مدعی ہیں۔ افسوس علم کے شجر ممنوعہ کا پھل تو سیر با زریک رہا ہے لیکن عمل کے شجرہ طیبہ کی شاخیں اتنی بلند ہو گئی ہیں کہ وہاں تک ہمارا ہاتھ ہی نہیں پہنچتا۔ ہاتھ پہنچنا تو کجا ہمیں اس کا سایہ بھی میسر نہیں ہے۔

غرض وہ افواہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اُن کی تردید رسُول اللہ نے مختلف موقعوں پر فرمائی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ ایہا الناس یہ علیؑ دلبند ابو طالبؑ ہے۔ تمہارا خیال یہ ہے کہ میں نے آپ ہی آپ اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد کر دیا ایسا ہرگز نہیں۔ میں وحی آسمانی کا منتظر تھا۔ چوبیسویں رمضان کو جبرئیلؑ میرے پاس آئے۔ اور یہ پیغام لائے کہ خدائے اعلےٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ملائکہ روحانیین و کروبیین کے روبرو شجر طوبےٰ کے نیچے میدان افیح میں، جو ایک وادی وسیع ہے۔ جمع کر کے فاطمہؑ کا عقد علیؑ کے ساتھ کر دیا ہے۔ خداوند عالم

نے مجھ کو سنگنی کا حکم دیا اور خود ولی بنا۔ پھر طوبےٰ کو نچھاور کا حکم دیا۔ اس نے موتی۔ مونگے۔ خلعت اور زیور برسا دیئے۔ حور العین نے اس نچھاور کو لوٹا۔ وہ باہمی ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ عقد فاطمہؑ زہرا کا نچھاور ہے۔ اور یہ رسم ان میں قیامت تک جاری رہے گی۔

نیز منقول ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا ما زوجت وفاطمۃ الا ما امر فی اللہ۔ میں نے حکمِ خدا کے بموجب فاطمہؑ کی تزویج کی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں تمہیں جیسا بشر ہوں۔ تمہیں سے بیٹی لیتا ہوں اور تمہیں کو بیٹی دیتا ہوں۔ لیکن فاطمہؑ کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ اس کی تزویج آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

عیون الاخبار میں روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے حضرت مرتضٰےؑ سے ارشاد کیا کہ یا علیؑ اکثر قریش نے عقد فاطمہؑ کے مقدمہ میں میری شکایت کی۔ اور کہا کہ جب ہم نے درخواست کی تو انکار کر دیا اور علیؑ سے خود بلا کے عقد کر دیا۔ میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ میں نے تم سے انکار کیا اور نہ علیؑ سے اقرار۔ ہاں یہ کہو کہ خدا نے تمہارے ساتھ فاطمہؑ کا عقد نہ چاہا۔ اور اسے علیؑ سے مختص کر دیا۔ مجرد میرے اس کلام کے جبرئیل آئے اور کہنے لگے کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے لولا علی لمد یکن لفاطمۃ کفو۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو پھر کوئی ایسا نہ تھا جو فاطمہؑ کا کفو و ہمسر قرار دیا جا سکے۔ اور اس سے فاطمہؑ کا عقد ہو سکے۔

غرض رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر مجمعوں میں ان خیالات کی تردید کی۔ اور طعنہ کرنے والی زبانوں کو قطع کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیالات مسلمانوں ہی

میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ بھی قریش میں۔ دوسروں کو اس سے تعلق نہ تھا۔

تزویج دختر ابوجہل

جناب سیّدہ کے حالات کا تفحّص کرتے ہوئے ہمیں چند روایات ایسی ملتی ہیں کہ خواہ مخواہ جس کی صنعت پر ہنسی آتی ہے۔ خصوصًا یہ روایت کہ حضرت علیؑ نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی اور جناب فاطمہؑ سخت ناراض ہوئیں۔

ماحصل روایت یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوجہل کی دختر سے نکاح کا قصد کیا جس سے جناب سیّدہ کو سخت ملال ہوا۔ اور رسول اللہؐ سے شکایت کرنے گئیں ایک سنی تالیف میں حضرت فاطمہؑ کے الفاظ کی ترجمانی ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ دیکھئے سب لوگ اپنی لڑکیوں کی حمایت کرتے ہیں مگر آپ کچھ خیال ہی نہیں فرماتے۔ اب علی ابوجہل کی بیٹی سے شادی کر کے مجھ پر سوکن (سوت) لانا چاہتے ہیں۔

اس روایت کی نسبت ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ اُدھر جناب سیّدہ کو اخلاقِ رسولؐ سے متصف بھی بتایا جاتا ہے اور اِدھر یہ کلمات بھی اُن کی زبان سے سنوائے جاتے ہیں۔ اگر حسد کا مادہ کسی طرح زائل ہی نہیں ہو سکتا تو پھر ازواج رسولؐ میں تو اسے بکثرت تسلیم کرنا پڑے گا۔

ایک روایت شیعہ تصنیفات میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ اشقیائے مدینہ میں سے کسی نے جناب سیّدہ سے آکر کہہ دیا کہ حضرت علیؑ نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی ہے۔ اور یہ واقعہ اس شخص نے قسم کھا کر بیان کیا۔ جناب سیّدہ کو اس قدر غیرت آئی کہ اپنے آپے میں نہ رہیں۔ سخت صدمہ ہوا۔ اسی فکر میں

دن بھر رہیں۔ جب شام ہوئی۔ تو حسنینؑ کو دوش پر کر کے اور اُم کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر خانۂ رسالت میں تشریف لائیں۔ حضرت امیر المومنینؑ جب گھر میں آئے تو گھر خالی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ پدر بزرگوار کے آستانۂ عالیہ پر تشریف لے گئی ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوا کہ کس کام کے لئے گئی ہیں۔ نیز رسول اللہ کے مکان سے بلاتے ہوئے شرم آئی۔ ناچار مسجد میں تشریف لائے۔ مشغول نماز ہوئے۔ بعد اس کے سنگریزہ اور خاک جمع کر کے اس پر تکیہ کر کے لیٹ گئے۔ اُدھر رسولؐ اللہ نے جب فاطمہؑ زہرا کا کرب ملاحظہ کیا تو ان پر پانی چھڑکا۔ مشغول نماز ہوئے۔ اور دعا کی کہ خداوندا فاطمہؑ کا رنج وغم دور فرما۔ آخر جب دیکھا کہ سیدہ کو کسی طرح چین ہی نہیں تو فرمایا بیٹی اٹھو۔ پس رسولؐ اللہ نے امام حسنؑ کو اٹھا لیا۔ اور حضرت فاطمہؑ نے امام حسینؑ کو۔ ام کلثوم کا ہاتھ پکڑا۔ اور وہاں تشریف لائے۔ جہاں امیر المومنینؑ لیٹے ہوئے تھے۔ رسول اللہ نے اپنے پاؤں سے ان کا پاؤں دبا کر فرمایا اے ابو تراب اٹھو۔ تم نے بہت سے چین سے بیٹھے ہوؤں کو بےکل کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ فلاں فلاں کو بلا لاؤ۔ جب وہ سب آ گئے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا یا علیؑ تو نہیں جانتا کہ فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ اور جس نے اسے میرے بعد ستایا اس نے گویا میرے سامنے ستایا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ درست و بجا ہے یا رسولؐ اللہ۔ پھر تمتمی مرتبت گویا ہوئے کہ پھر کیا سبب ہوا۔ جو تو نے ایسا نکاح دختر ابو جہل کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ یا حضرت میرے تو ذہن میں بھی یہ بات نہیں گذری۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تو سچا ہے۔ صادق ہے۔

یہ روایت حضرت صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منسوب کی گئی ہے۔ بغرض

صحت روایت اس کی تاویل کی جائے گی۔ اور کہا جائے گا کہ جن لوگوں نے ازواج کا ارادہ کیا
تھی۔ ان کی تنبیہ و سرزنش منظور تھی۔ لیکن پھر بھی طرز بیان ایسا ہے۔ جسے عقل قبول نہیں
کرتی۔ جناب سیّدہ کا اس طرح اٹھ کر بلا اذن شوہر گھر سے چلے جانا اور اس قدر کرب و
بیقراری ظاہر کرنا ان کی شان عصمت کے قطعاً منافی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے ایک دلفریب پہلو اس واقعہ سے نکالا ہے۔ وہ یہ کہ
جناب زہرا کی یہ شان تھی کہ ان کی زندگی میں حضرت علی دوسری عورت گھر میں نہیں لا
سکتے تھے۔ جیسا کہ رسول اللہ نے انہیں منع کر دیا تھا۔ اور یہ ممانعت صاحب شریعت
کی ہی طرف سے ہو سکتی ہے۔ دوسرا اس ممانعت کا مجاز نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جناب سیّدہ کی شان یہی تھی۔ جیسا کہ امام موصوف کا خیال
ہے۔ یہ جناب سیّدہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے امیرالمومنین
دوسرا نکاح نہیں کر سکتے تھے۔ مذہب شیعہ میں بھی اس مضمون کی احادیث موجود ہیں
لیکن وہ قصہ جس سے ممانعت ثابت کی جاتی ہے۔ بے سروپا ہے۔ ہمارے
نزدیک علی مرتضیٰ کا یہ طرز عمل کہ آپ نے فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی موجودگی میں
دوسرا عقد نہیں کیا۔ اسی نتیجے پر پہنچا دیتا ہے۔ جس پر صاحب موصوف اس مصنوعی
قصے سے پہنچے ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرافت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کو
ان کی والدہ محترمہ سے وراثتاً پہنچی تھی جس طرح جناب خدیجہؑ کی موجودگی میں رسول اللہ
نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ اسی طرح علی مرتضیٰ نے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا
نکاح نہیں کیا۔ یہ شرافت انہیں ماں بیٹیوں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری کوئی
عورت اس فضیلت میں ان کی شریک و سہیم نہیں ہے۔

ابوتراب

وہی روایت مذکورہ جس کا بیان ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کی بنا پر حضرت کی کنیت ابوتراب مقرر ہوئی۔ لیکن یہ خیال بھی غلط ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اسی کے ہم مضمون ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک معتبر نہیں۔ کیونکہ علیؑ و فاطمہؑ کے درمیان کسی ایسی رنجش کا واقع ہونا جس میں رسول اللہ کو اصلاح کی ضرورت ہو ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں ایک بزرگوار سید الوصیین ہیں۔ اور ایک سیدہ نساء عالمین۔ دونوں بزرگوار حسن خلق میں رسول اللہ کے قدم بقدم تھے لیکن حضرت کی اس کنیت کے باب میں عبداللہ ابن عباس کی وہ روایت معتمد ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ نے حضرت علیؑ کی کنیت ابوتراب کس لئے مقرر فرمائی تو انہوں نے جواب دیا اس لئے کہ وہ حضرت مالکِ ارض ہیں۔ اور رسول اللہ کے بعد زمین پر خدا کی حجت اور سببِ بقاء و سکونِ ارض ہیں۔

کنیت کی یہ وجہ بہت روشن اور صاف ہے۔ اور اسی کی تائید وہ روایت بھی کر رہی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ زمین آپ سے باتیں کیا کرتی تھی۔ واقعاً آپ مالک الارض اور رب الارض ہیں۔ اسی لئے یہ کنیت آپ کے نزدیک محبوب ترین کنیت تھی۔

غرض اس قسم کی روایات کہ جن میں علی مرتضےٰ اور فاطمہ زہرا کی رنجش دکھائی گئی ہے۔ محض بے اصل ہیں۔ اور صاحبانِ نظر ان کو قبول کرنے سے قطعاً انکاری ہیں جیسا کہ

ابھی صدوق علیہ الرحمہ کی رائے آپ کے سامنے پیش ہوئی۔

شیرِ خدا اور فاطمہؑ زہرا

یہ تو ظاہر ہے کہ میکے سے سسرال میں آنا مستورات کے لئے گویا ایک دوسری زندگانی کا افتتاح ہوتا ہے۔ میکے کی آزادی اب کہاں۔ اب اس کے حرکات و سکنات پر نظر رکھنے والے اور ہوتے ہیں۔ جنہیں کچھ نہ کچھ مین میکھ نکالنے میں مزا آتا ہے اور وہ اپنی ساری عمر بھر کے تجربوں کا وار نئی دلہن پر کرنے کے لئے بالکل ہی آمادہ ہوتے ہیں۔ اگر اس نے نوالہ بڑا اٹھایا تو بدتمیز کہلائی۔ چھوٹا نوالہ لیا تو ریا کا طعن چل گیا۔ ہنسی بولی تو بے حیا۔ خاموش بیٹھی تو مغرور۔ چلی پھری تو بدسلیقہ ایک جگہ بیٹھی رہی تو احدی۔ کاہل وجود۔ شوہر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا تو بے شرم ہر وقت آنکھیں نیچی رہیں تو تنگ نظری۔ غرض کسی پہلو آرام اور چین نہیں۔ آج تک وہ معیار معلوم نہیں ہو سکا۔ جو ہم نے نئی دلہن کے لئے مقرر کیا ہے۔ جس پر پوری اتر کر وہ ہماری نظروں میں سنجیدہ۔ فہمیدہ۔ سلیقہ شعار اور تمیزدار ثابت ہو سکے۔

یاد رکھو کہ ہمارے گھروں کے جو یہ حالات ہیں۔ ان سے خانوادۂ رسالتؐ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ جناب فاطمہؑ زہرا۔ خود معصومہ۔ کمالات انسانیہ کی جامع اور پھر آئیں اس کے گھر میں جو معصوم خلیفۃ اللہ اور ربّ الارض۔ مالک السماء ہیں بس ان کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس کرنا نہ صرف بے ادبی بلکہ ایک قسم کی جہالت آمیز بے ایمانی ہے۔

جب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اس نئے مکان میں تشریف لائی ہیں تو اس

وقت جناب فاطمہؑ بنت اسد جن کی گود میں رسولؐ اللہ نے پرورش پائی تھی حیات تھیں۔ ان مقدس و مطہر بیبیوں کے ہرگز وہ حالات نہیں ہو سکتے جو ساس بہو میں عام طور پر دیکھے جاتے ہیں بلکہ جناب فاطمہؑ بنتِ اسد کے لئے اس سے زیادہ کونسا مسرت و انبساط کا وقت ہوگا کہ انہوں نے رسولؐ کی بیٹی کو اپنی بہو بنتے ہوئے دیکھ لیا۔ سنہ ۴ھ میں اس مقدس خاتون نے انتقال فرمایا ہے اور سنہ ۲ھ ہجری میں جناب فاطمہ زہراؑ خانۂ علیؑ مرتضیٰ میں تشریف لائی ہیں۔ یہ قلیل مدت اس طرح گذری ہے کہ گویا سوائے فاطمہؑ زہرا کے دوسرا کوئی گھر میں ہے ہی نہیں، حالانکہ یہ ناممکن بات ہے کہ علیؑ مرتضیٰ کی طرف سے ایسا فعل عمل میں آئے کہ وہ مادرِ گرامی کو اپنے سے الگ کر دیں۔ اور تنہا زندگی بسر کریں یا جناب فاطمہ بنتِ اسد ایسی ہوں جو علیؑ مرتضیٰ جیسے اپنے لختِ جگر کو چھوڑ کر کہیں جا رہیں۔ اور جاتیں تو کہاں جاتیں۔ جعفرؓ حبشہ میں تھے۔ عقیل کا گھر تھا یا علیؑ مرتضیٰ کا۔ عقیلؓ کا پہلے سے گھر آباد تھا صرف علیؑ مرتضیٰؑ ہی تنہا تھے۔ اس تنہائی میں لامحالہ انہیں علیؑ مرتضیٰ کے پاس رہنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جب اس مخدومہ نے دارِ دنیا سے رحلت فرمائی ہے۔ تو اس وقت امیرالمومنینؑ نے ہی آکر رسول اللہ کو خبر دی کہ چلئے میری والدۂ گرامی نے دنیا سے رحلت فرمائی جس پر رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ وہ تو میری بھی والدہ تھیں۔ اس لئے کہ رسول اللہؐ کی تربیت آپ کے ہی آغوش میں ہوئی۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ بزرگوار ثروت ظاہری سے بری تھے۔ چاندی کے چند ٹکڑے اور سونے کے چند ذرات سے ان کے خصائص کی آرائش نہ تھی بلکہ یہ چیزیں ان کی نظر میں مکروہ اور ایسی مکروہ تھیں جیسے ہماری نگاہ میں مزبلہ کی نجاست

کیونکہ حقیقت واقعیہ ان چیزوں کی یہی ہے۔ اور صورت اصلی ان کی بھی نجاست ہے۔ پس وہ بزرگوار جو ہر چیز کو اس کی اصلی صورت میں مشاہدہ کرنے والے تھے اور جو حقائق اشیا پر ان کا علم محیط تھا۔ وہ کیوں کر ان چیزوں سے دلچسپی ظاہر کر سکتے تھے۔ جن میں انتہائی نجاستیں اور خباثتیں پنہاں تھیں۔ ادھر علی مرتضٰے کا گھر اس چیز سے پاک صاف تھا اور اُدھر جناب فاطمۂ زہرا جس گھر سے آئی تھیں اس کا بھی یہی رنگ تھا۔ نیز خود یہ معصومہ عالمہ غیر معلمہ و محدثہ تھیں۔ انہیں خانۂ علی مرتضٰے کی ظاہری بے سر سامانی دیکھ کر کسی قسم کا تعجب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ یہ امر ان کے لئے وجہ ملال ہی ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ پس اس گھر میں آکر فاطمۂ زہرا کے جو کام سپرد ہوئے۔ وہ ظاہر میں جن کا مختصر خاکہ یہی ہو سکتا ہے۔ جھاڑو دینا۔ پانی بھر کر لانا چکی پیسنا۔ روٹی پکانا۔ شوہر کی آسائش کا خیال رکھنا۔ چرخہ کاتنا۔ اور ان عبادتوں کے بعد پھر اس خاص محراب عبادت میں کھڑے ہو جانا۔ یہی ان کی زندگی کے مشاغل تھے۔ ان مشاغل میں بلحاظ تکلیف ظاہری میں اضافہ تو ہوا ہے لیکن کمی نظر نہیں آتی چنانچہ اب ہم ایک ایک چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

کاروبار خانگی

ہم ایسے متکبر اور مغرور زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ جس میں گھر کا کام کاج کرنا بھی شرافت کے خلاف سمجھا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص بازار سے اپنے گھر کا سودا خود اٹھا کر لے آئے تو اس کی شرافت دو کوڑی کی ہو جاتی ہے۔ گھر میں بیگم صاحبہ معاذ اللہ چکی تو کیا اگر مصالحہ بھی پیس لیں تو تمام عزت پر پانی پھر جائے۔

اسلام کی جب سے سادگی رخصت ہوئی اور اموی و عباسی دولتوں کی چمک نے اسلام کا رنگ کچھ اور ہی کر دیا۔ اس وقت سے معیارِ شرافت بھی بدل گیا۔ قرآن نے شرافت کا معیار جو قرار دیا ہے اس سے قطعاً تخلف ہو چکا۔ اب اگر شرافت ہے تو پیسے کی۔ اور شریف اگر ہے تو وہی جس کی گرہ میں چند سکے ہوں۔ تعظیم و تکریم اگر ہے تو دولتمند کی۔ اور احترام اگر ہے تو اسی کا جس کے اوپر چاندی کا پالان ہے امرا و رؤسا جو غرور و کبر کی تصویریں ہوتے ہیں۔ ان کے میل جول سے غربا کے مذاق کا بھی ستیاناس ہو گیا۔ وہ اس کبر و غرور کو بہ نگاہِ استحسان دیکھنے لگے۔ اور اپنی مفلسی پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہوئے ان کی خوشامد میں محو ہو گئے۔ انکی درگاہوں کو قبلہ مقصود قرار دیا۔ انہیں کی صحبتوں کو اپنی شرافت کا جوہر سمجھا۔ اور ان کی خوشامد سے حاصل کئے ہوئے چند ٹکڑوں کو اس قابل سمجھ لیا کہ ان کی بدولت ہم بھی شریف بن جائیں گے۔

عوام تو کالانعام ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا ہے لیکن وہ لوگ جو مولوی امام الدین صاحب بنے ہوئے ہیں۔ ان کا تجربہ کر کے دیکھو۔ ایک شخص شکستہ حال ان کے پاس پہنچتا ہے نگاہ بھی نہیں ملاتے۔ سلام لینے کے بھی روادار نہیں ہوتے خواہ وہ کتنا ہی جوہرِ اتقا سے آراستہ ہو۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مرغ زریں۔ فسق و فجور کا پتلا ان کے ہاں پہنچ جائے تو سروقد کھڑے ہوں گے۔ استقبال کو بڑھیں گے۔ مسند چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے اور اس تعظیم کے لئے حیلۂ شرعی فوراً ذہن میں آجائے گا مگر یہ خبر نہیں کہ دنیا طلبی کا شیطان دل میں آشیانہ کئے ہوئے ہے۔

جناب سیّدہ کے چکی پیسنے کی روایات اس قدر ہیں کہ اگر انہیں ہی جمع کیا جائے تو ایک رسالہ تیار ہو جائے۔ لہٰذا چند روایات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص سے علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ کیوں میں تجھ سے فاطمہ کا حال بیان کروں۔ وہ میرے پاس رہتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ مجھے محبوب تھیں۔ مشک اُٹھاتے اٹھاتے ان کے سینہ پر گھٹہ پڑ گیا تھا۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھ زخمی ہو جاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے ہو جاتے تھے اور چولہا پھونکنے سے لباس سیاہ رہتا تھا؟

رسُول اللہ کی کاروبار فاطمہؑ میں شرکت

کبھی کبھی خود رسول اللہ بھی جناب فاطمہؑ اور علی مرتضیٰ کا ہاتھ بٹاتے تھے چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ کو دیکھا کہ دونوں بزرگوار آرزن (چینیا) پیس رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تم دونوں میں کون زیادہ تھکا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ گہر ریز ہوئے۔ یا رسول اللہ فاطمہؑ زیادہ تھک گئی ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے سیّدہ سے فرمایا کہ بیٹی تم کھڑی ہو جاؤ۔ وہ کھڑی ہو گئیں تو خود رسول اللہ بیٹھ گئے اور علی مرتضیٰ کے شریک حال ہو گئے۔

اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر اگر زیادہ بار ہو۔ تو شوہر کو بھی اس کا شریک حال ہونا چاہیئے۔ فی الحقیقت یہ چیزیں اس اُمّت کی تعلیم کے لئے ہیں جسے نشۂ کبر و غرور نے بدمست کر رکھا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ نفس امارہ کو زیر کرنے کا یہ طریقہ ہے اسے استعمال کرو۔ حب ترفع اور طلب جاہ کے دفیعے کا یہی نسخہ ہے

اس کے پینے سے یہ امراض خبیثہ رفع ہوں گے۔

لونڈی سے برتاؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک لونڈی حضرت کو عطا فرمائی تھی۔ جس کا نام فضہؓ تھا۔ اس کے ساتھ حضرت کا یہ برتاؤ تھا کہ ایک دن گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ اور ایک دن کنیز سے کام لیتی تھیں۔ سلمانؓ فارسی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دن خانۂ اطہر سیّدہ میں داخل ہوا۔ تو دیکھا کہ جناب سیّدہ جو پیسنے میں مشغول ہیں اور چکی کے ہتھے پر دست اقدس کا خون بہہ رہا تھا۔ اور حسینؑ ایک گوشہ میں بھوک کی شدت سے تڑپ رہے تھے۔ میں نے کہا اے دختر رسولؐ اللہ آپ یہ زحمت اٹھا رہی ہیں۔ آخر فضہ کس لئے ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسوؐل اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک دن تم کام کرو۔ اور ایک دن فضہ سے کام لو۔ چنانچہ آج میری باری ہے۔

سلمانؓ کی خدمت گذاری

سلمانؓ نے عرض کیا کہ یا بنت رسوؐل اللہ میں آپ کا غلام آزاد کردہ ہوں۔ مجھے چکی دیجئے یا کہئے میں حسینؑ کو بہلاؤں۔ آپ نے فرمایا میرا حسینؑ مجھی سے آرام پائے گا۔ تم جَو پیس لو۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قدر آٹا پیسا ہوگا کہ مسجد سے اقامت کی آواز آئی۔ میں اٹھ کر نماز جماعت میں شریک ہوا۔ جب نماز سے فارغ ہوا۔ تو میں نے علیؑ مرتضٰے سے واقعہ بیان کیا۔ آپ آبدیدہ ہو گئے۔ دولتسرا میں تشریف لے گئے

اور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ رسول اللہ نے سبب پوچھا تو فرمایا میں نے دیکھا کہ فاطمہ لیٹی ہوئی ہیں حسینؑ ان کے سینے پر خواب راحت میں ہے۔ چکی فاطمہ کے آگے دھری ہے۔ اور خود بخود چل رہی ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے علیؑ کچھ فرشتے ہیں، جو زمین کی سیر کرتے رہتے ہیں وہ محمدؐ و آل محمدؐ کے خدمتگار ہیں۔

فرشتوں کا خدمت کرنا

یہ چکی کس قدر خوش قسمت چکی تھی جسے فاطمہؑ کے مقدس ہاتھوں سے وہ عزت مل گئی تھی کہ فرشتے جسے گردش دینے کو اپنا فخر سمجھتے تھے۔

وہ غربا مؤمنین جن کے گھروں میں یہ مقدس چیز موجود ہے اسے اپنا فخر سمجھیں اپنی تنگدستی سے کڑھیں نہیں۔ کوئی عورت دنیا میں خاتونِ جنان سے زیادہ بارقعت نہیں ہو سکتی جب مخدومۂ عالم نے اس چیز کو اپنی شان کے خلاف نہیں سمجھا تو پھر کسی شخص کو جو مومن کہلاتا ہے۔ اسے نفرت سے دیکھنے کا کیا حق ہے۔

اگر ہم اور گہری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ یا جناب ختمی مرتبت بہت آسانی کے ساتھ اس قسم کی خدمتیں دوسروں سے لے سکتے تھے۔ ان کے غلاموں کے پاس لونڈی غلام موجود تھے۔ پھر ان کے لئے کونسی دشواری تھی اور بظاہر اس میں کوئی عیب بھی نہ تھا لیکن ان بزرگواروں کی نگاہیں بہت بلند تھیں۔ ان کے مقاصد بہت اعلیٰ تھے۔ ان کے خیالات اور حقیقت آمیز خیالات تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان مقدس بزرگوں کی سیرتیں اس عالم افلاس ظاہری میں جس طرح آشکار ہو رہی ہیں۔ وسعت عیش اور خوش گذرانی

کی حالت میں ہرگز ظاہر نہ ہوتیں۔ گویا حقیقت کے خوشنما چہرے پر ایک گہری نقاب پڑجاتی۔ اور اہلِ دنیا بہت سے فیوض سے محروم رہ جاتے۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ خوش حالی اور وسعتِ عیش میں خدا کی یاد کرلینا اور اُٹھتے بیٹھتے اس کا شکریہ ادا کرنا بہت آسان ہے۔ گو اہلِ نظر کا قول ہے کہ دولت چہرۂ شاہدِ حقیقت کے لئے ایک حجاب اور زبردست حجاب ہے۔ یہ سچ ہے لیکن خوب خیال رکھنے کہ اگر عقل رہنمائی نہ کرے اور توفیقِ الٰہی نہ سنبھالے تو افلاس اس سے بھی تاریک تر حجاب ہوجاتا ہے۔ واقعاً ایک شخص فقروفاقے کی صعوبتیں برداشت کرتا ہو اور بخلوصِ قلب بارگاہِ ایزدی میں کھڑا ہو۔ نہ کوئی شکوہ ہو نہ شکایت۔ نہ رفعِ تکالیف کی دُعا۔ نہ وسعتِ رزق کی آرزو۔ وہ ہو۔ اس کا معبود ہو۔ وہی اس کا مقصود ہو۔ اور وہی اس کا مرجع۔ سُبحان اللہ۔ ایسے نفسِ مقدس کا کیا کہنا۔ فی الحقیقۃ اس موقعہ پہ ثابت قدمی مردانِ خدا کا ہی کام ہے۔ اور وہ ہادیانِ خلق عملی حیثیت سے نہ صرف اپنے کمالات کو روشن کردیتے ہیں بلکہ دنیا کے سامنے بھی ایسی نظیریں قائم کرجاتے ہیں کہ انسانی گروہ ہمیشہ ان سے فیض یاب ہوتا رہتا ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ دولتمندوں کا گروہ بہت قلیل ہوا کرتا ہے اور افلاس زدہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ۔ اس میں بھی خدا کی حکمتیں ہیں۔ اس کے لئے مصلحتیں ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے حق میں کبھی ظلم نہیں کرتا۔ اس عیب سے اس کی ذات بری اور منزہ ہے۔ اب دیکھو کہ جب کثیر تعداد انسانوں کی اسی افلاس میں مبتلا ہے۔ ایسی حالت میں اگر خدا کے خاص بندے بھی اسی ترفع و تنعم و لذتِ دنیوی میں بسر کرتے جو اہلِ زر کا شعار ہے تو بے چارے مفلسوں کے لئے تو پھر کوئی تسلی بخش سہارا نہ تھا۔ اس

سے کیا ہوتا؟ یہ ہوتا کہ وہ عطیۂ دولت و زر کو خدا کی خوشنودی کا سبب سمجھ لیتے۔ یعنی یہ خیال کر لیتے کہ جو صاحبانِ دولت ہیں۔ وہی خدا کے محبوب بندے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہاں! اس حالت میں دنیا اور زخارفِ دنیا ہی ان کی نظروں میں جلوہ افگن رہتے اور ان کا خیال اس سے کبھی آگے نہ بڑھتا کہ خدا کا عطیہ ہمیشہ چاندی سونے کے سکوں کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔

بندگانِ صادقین کی جب کہ ایسی روشن مثالیں موجود ہیں اور ان کے افلاس ظاہری کی داستانوں سے کتابیں لبریز ہیں۔ ایک دنیا ان کو پڑھتی ہے اور مزے لے کر پڑھتی ہے۔ انہیں افتخاراً بیان کیا جاتا ہے۔ ان بیانوں سے مجالس و محافل کو زینت دی جاتی ہے۔ گویا افلاس کی خوبیوں کا علے الاعلان اعتراف کیا جاتا ہے مگر باوجود اس اعتراف کے باوجود اس اقرار کے باوجود اس کے کہ اس افلاس کو اپنے مذہبی پیشواؤں کے لئے افتخار سمجھتے ہیں۔ دنیا کا یہ حال ہے کہ دولت پر جھکے پڑتے ہیں جان دئے دیتے ہیں۔ ہر کس و ناکس کی دہلیز پر بشرطیکہ اس کے پاس چند پول ہوں۔ پیشانیاں گھسے دیتے ہیں۔ ان کے آستانوں کو کعبۂ مقصود سمجھتے ہیں انہیں ربّ الارباب کے برابر درجہ دے رہے ہیں۔ اب اگر انبیا و اوصیا کی زندگیاں بھی عیش دنیوی کا نمونہ ہوتیں تو پھر تو ہر ایک جبل زریں کے حامل کو اتار یکم الاعلیٰ کا مرتبہ تھا۔ اس حالت میں کہ انبیاء علیہم السلام نے فلسفۂ افلاس کی وضاحت بہت اچھی طرح سے عمل طریق پر کر دی ہے۔ یہ جماعت اپنی بدکرداریوں سے باز نہ آ کر عوام الناس کے خیالات کو مسموم کر رہی ہے۔ تکبّر و غرور کا پیانہ بزمِ دولت کا پہلا جام ہے۔ تو پھر جب کہ حالت اس کے برخلاف ہوتی۔ یعنی انبیاء کے طرزِ عمل سے

بھی افلاس ذلیل ہی ثابت ہوتا تو پھر توان لوگوں کی فرعونیت میں کوئی شبہ ہی باقی نہ رہتا۔ آج اگر اپنے آپ کو رب سمجھتے ہیں تو اس وقت رب الارباب سمجھتے عوام اگر آج خوشامد میں ان کو خداوند اور خداوند نعمت کہتے ہیں۔ سجدہ ہائے تعظیمی بجا لاتے ہیں جس کا نام آداب مجلس رکھا گیا ہے۔ تو اس حالت میں ان لوگوں کو حقیقی سجدے کرتے۔ غرض آج اگر کفر و شرک چیونٹی کی چال سے مشابہ ہے تو اس وقت چاروں طرف کفر وطغیان کے پہاڑ ہی پہاڑ نظر آتے۔ جنہیں سوائے عذاب کی آندھی کے اور کوئی شے جنبش نہیں دے سکتی۔

پس ان بزرگواروں کا افلاس فی الحقیقت مجبوریوں کا افلاس نہ تھا۔ بلکہ اس میں اختیار اور کامل اختیار کے پہلو تھے۔ یہ وہ افلاس ہے۔ جسے مدنظر رکھنے سے ہمیں اپنا افلاس گراں نہیں گذرتا۔ ہم ان کے افلاس کو دیکھ کر دلی جرأت کے ساتھ زردار گردن کشوں کو ملامت کرنے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں۔ ان عملیات کو دیکھ کر کوئی شخص ہمیں افلاس کا طعنہ دے کر ہمارا کلیجہ زخمی نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کرے گا تو اسے دندان شکن جواب کی امید رکھنی چاہیئے بشرطیکہ ہماری حیات کے جوہر بیدار ہو چکے ہوں اور ہم نے ان چیزوں کا غائر نگاہ سے مطالعہ کر لیا ہو۔

ردائے فاطمہؑ

افلاس ظاہری فاطمہؑ کی داستانیں بے شمار ہیں۔ وہ چادر جو جنت رسولؐ کے فرق اطہر کو مس کرتی تھی۔ اس میں لیف خرما کے پیوند اور متعدد پیوند تھے۔ حتیٰ کہ ایک روز جناب سلمانؓ نے جب یہ چادر سر مطہر پہ دیکھی تو بے اختیار آنسو نکل آئے۔ اور

یہ جملے زبان پر جاری ہوئے۔ افسوس قیصر و کسریٰ کے بادشاہ تو سندس و حریر پہنیں، اور محمد رسول اللہ کی دختر کا لباس خرما کی چھال کا اور وہ بھی بارہ جگہ سے ٹنکا ہوا ان کلمات کو سن کر جناب سیدہ نے رسول اللہ کی خدمت میں التماس کیا کہ سلمان نے میرے لباس سے تعجب کیا۔ اسی خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق گردانا ہے کہ پانچ برس سے میرے اور علی کے پاس ایک کھال کے سوا دوسرا لباس نہیں۔ دن کو اس پر اونٹ کھانا کھاتا ہے اور شب کو ہم اسی کا بستر کرتے ہیں۔ ہمارا تکیہ چمڑے کا ہے۔ جس کے اندر خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔

منقول ہے کہ ایک روز جناب سیدہ کو رسول اللہ نے اس حال سے ملاحظہ فرمایا کہ چمڑے کی چادر اوڑھے رکھتی ہے۔ ہاتھ میں چکی ہے اور اپنے فرزند کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہیں۔ رسول اللہ آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ اے نورِ نظر دنیا کی تلخیاں آخرت کی شیرینی کے سامنے چند روزہ ہیں۔ جناب سیدہ نے فرمایا رسول اللہ خدا کا شکر ہے۔ اس کی نعمتوں پر اور ہزار ہزار شکر ہے اس کی دادو پر۔ اس شکر یئے میں عبدیت کے راز کچھ اس طرح ودیعت کئے گئے تھے کہ ادھر منہ سے نکلا ادھر عرش الٰہی سے ٹکرایا اور ایک ہدیہ جدید لے کر واپس ہوا۔ ولسوف یعطیک ربک فترضٰی۔ تمہیں خداوند عالم کچھ ایسی چیز عطا کرے گا جس سے تم خوشنود ہو جاؤ گے۔ اس میں بھی شفاعت کا راز ہے۔

حجاب فاطمہؑ

سیدہ صلوات اللہ علیہا کی ذات اقدس خود خالق و مخلوق کے لئے

حجاب بھی۔ حجاب عصمت وطہارت نے انہیں سر سے پاؤں تک گھیر رکھا تھا بلکہ ان کا ظاہری نورانی جسم ان کے کمالات کے لئے حجاب تھا۔ وہ سراقات جلال و جمال سے ہمیشہ متوسّل تھیں۔ ان کے پدر بزرگوار نے قانونِ حجاب دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان کے حجاب کا اندازہ ہم کیونکر کر سکتے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک اندھا سامنے آیا۔ حضرت نے اُس سے پردہ کر لیا رسول اللہ نے دوسروں کی تعلیم کے لئے بتقدد سے اس کی وجہ دریافت کی اور فرمایا کہ وہ تو تم کو دیکھ نہیں سکتا۔ التماس کیا کہ بے شک وہ مجھ کو نہیں دیکھتا لیکن میں تو اُس کو دیکھتی ہُوں۔ اور یہ خوشبو تو سونگھتا ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ واللہ یہ میری پارہ جگر ہے۔ اس ارشادِ فیض بنیاد سے جو سبق آپ نے اُمت کی عورتوں کو دیا ہے وہ صفحاتِ قلوب پر لکھے جانے کے قابل ہے۔ "نیز بُوئے نسوانی" کی طرف اشارہ یہ بھی ایک عجیب اشارہ ہے۔ اور اس اشارے کو وہی لوگ برجستہ بیان کرتے ہیں جو عالم علم لدنی ہوا کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ اصحاب سے رسول اللہ نے دریافت فرمایا کہ عورت کیا ہے اُنہوں نے عرض کیا پردہ۔ پھر دریافت کیا کہ عورت اپنے پروردگار سے کب نزدیک ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں سب خاموش رہ گئے۔ جناب سیّدہ نے جب سُنا تو فرمایا کہ جب تک اپنے گھر کے اندرونی دالان میں بیٹھی رہے۔ یعنی اسی وقت تک خدا سے قریب ہے جب تک پردہ میں رہے۔

ایک روز رسول اللہ نے جناب سیّدہ سے فرمایا کہ عورت کے واسطے کونسی بات اچھی ہے۔ سیّدہ عالم نے التماس کیا نہ کوئی اسے دیکھے اور نہ وہ کسی کو دیکھے لیکن

رسول اللہ نے گلے سے لگا لیا۔

وہ عورتیں جو جناب سیدہ کے دامن میں پناہ لینا چاہتی ہیں۔ ان ارشادات سے سبق حاصل کریں۔ اور وہ مسلمان (خواہ وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں) جنہیں جہل کی روشنی نے چندھیا دیا ہے۔ کچھ تو غیرت سے کام لیں۔ آج اسلام میں بے حجابی کا زہر سرایت کرتا جا رہا ہے۔ اور اسی کو عین تہذیب سے تعبیر کیا جاتا ہے بلکہ بہت سے دماغ تو اس قسم کے بھی پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ قومی ترقی کو بے پردگی پر ہی منحصر سمجھتے ہیں۔

جناب سیدہؑ بہت کم گھر سے نکلتی تھیں۔ خانہ نشینی میں بسر ہوتی تھی۔ سینچر اور پنجشنبہ کے دن آپ کا معمول تھا کہ صبح کے وقت شہدائے اُحد کی قبروں پر جاتی تھیں۔ اور حضرت حمزہؑ کی قبر پہ جا کر ان کے لئے استغفار کیا کرتی تھیں۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ گھر کے اندرونی کاروبار فاطمہؑ کریں۔ اور باہر کے کاروبار جناب علی مرتضےٰ انجام دیں۔ حضرت فاطمہؑ کو اس فیصلے سے کمال خوشی ہوئی کہ آپ کو پانی اور ایندھن لانے کے لئے مردوں میں جانا پڑتا تھا۔

اسی طرح کی روایت سابق میں درج ہو چکی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ خود مشک بھر کر لایا کرتی تھیں جس سے حضرت کے سینے پہ گھٹے پڑ گئے تھے مگر اس قسم کی روایات کو قبول کرتے ہوئے تامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جناب علی مرتضیٰ جو خود حجاب اکبر تھے۔ ان کی شان کے قطعاً خلاف تھا کہ وہ اپنے ناموس کو اس طرح مجمع عام میں خانگی کاروبار کے لئے بھیجتے اور نہ رسولؐ کی ہی شان اس کی

گوارا کرتی تھی۔ ظاہراً یہ روایتیں کتب اغیار سے نقل ہوئی ہیں۔ جو محلِ اعتماد نہیں ہو سکتیں۔

انوارِ لباسِ فاطمہؑ

اِن بزرگواروں کی حالت ظاہری کو دیکھ کر دل نہ کڑھاؤ۔ نورِ ایمان کی روشنی میں یہ دیکھو کہ ان کے لباس اور ان کے پارچہ جات جنہیں ان بزرگواروں نے مَس کر دیا تھا۔ ان میں کتنی نورانیت آگئی تھی۔ کہنہ ردا اگر زینتِ عرش تھی تو بوسیدہ پیراہن منزلِ عظمت و رفعت کہ دنیا کا کوئی لباس جس کے برابر نہیں رکھا جا سکتا۔

صاحبِ مناقب رقمطراز ہیں کہ ایک مرتبہ جناب سیّدہ نے زید یہودی کی زوجہ کے پاس کچھ پارچہ رہن رکھ کر جَو قرض لئے۔ جب وہ یہودی اپنے گھر آیا۔ تو در و دیوار کو منوّر دیکھا۔ اپنی زوجہ سے پوچھا کہ آج ہمارے گھر میں یہ نورانیت کیسی ہے۔ زوجہ نے جواب دیا کہ یہ انوار لباس فاطمہؑ کی برکت سے ہیں۔ یہودی نے جب یہ واقعہ سُنا اور اس کا اثر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو معہ زوجہ کے مشرفِ باسلام ہوا۔ اور اس کے ساتھ اسّی یہودی ایمان لائے۔

حُلّہ ہائے بہشت

یہ مقدس بزرگوار بظاہر مفلس تھے لیکن فی الحقیقت کون و مکان پر ان کی حکومت تھی۔ اور دونوں جہان ان کے زیرِ تصرف تھے۔ جنّت کی نعمات ان کے لئے یہیں موجود تھیں۔ جب مصلحت ہوتی تھی اس وقت اس کا اظہار بھی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ یہودیوں کے ہاں شادی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ سے آ کر عرض کی۔ کہ آپ پر ہمارا حق ہمسائگی ہے۔ ہم اُمیدوار ہیں کہ ہمارے ہاں محفل شادی میں اپنی لختِ جگر فاطمہؑ کو روانہ فرمائیے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اس کا اختیار ان کے شوہر علیؑ کو ہے۔ وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس خواستگار ہوئے۔ اور مطلب یہ تھا کہ ہماری جماعت متموّل ہے طرح طرح کے لباس و زیورات سے ہماری عورتیں مزین ہوں گی۔ فاطمہؑ اگر آئیں گی تو انہیں پھٹے حالوں سے۔ اور یہاں آنے سے اُن کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جناب امیرؑ نے یہودیوں کی درخواست قبول کی۔ ادھر خادم قدیم جبرئیل زیورات و حلہ ہائے بہشت لے کر تشریف لائے۔ جنہیں جناب فاطمہؑ نے زیب بدن فرمایا اور محفلِ زنانِ یہود میں تشریف فرما ہوئیں۔ زنانِ یہود نے جب وہ زیور و لباس دیکھا تو بے تاب ہو کر روئے زمینِ اَدب کو بوسہ دیا۔ اور ان میں سے ایک جماعت مشرف باسلام ہوئی۔

اِس قسم کا واقعہ مُلّا حسین کاشفی نے بھی تحریر کیا ہے۔ زنانِ قریش نے مکہ میں آپ کو شادی میں طلب کیا تھا۔ اور وہاں بھی ان عورتوں کو سوائے حسرت و افسوس کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔

عطائے فاطمہؑ

ان بزرگواروں کی عطا اور داد و دہش کے افسانے آج تک مشہور ہیں اور جب تک دنیا رہے گی اس شہرت میں کمی نہ آئے گی۔

دنیا میں بہت سے فسانے جود و سخا کے سُنے گئے۔ بڑے بڑے نامور سخاوت کے شیدائی گذر چکے لیکن اہل بیتؑ کی سخاوت میں کچھ عجیب راز تھا کہ جس نے تمام اسخیا

کی شہرتوں کو پیچھے ہٹا کر اپنے لئے صدر کی کرسی تجویز کرلی۔ بڑے بڑے صاحبان دولت وحکومت نے اپنے خزانے اسی کے لئے وقف کردیئے کہ کسی طرح سخاوتِ اہل بیت کا شہرہ دنیا سے مٹ جائے لیکن وہ اسی ہوس میں دنیا سے ناکام سدھار گئے اور عطائے اہل بیت کے افسانے سخاوت کے آسمان پر اسی طرح مہر وماہ بن کر چمک رہے ہیں۔ خدا جانے ان جَو کی روٹیوں میں کیا تاثیر تھی کہ سورۂ ہل اتیٰ انکے لئے مخصوص ہوگیا۔

ایک روز رسول اللہ نمازِ عصر پڑھ کر مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک محتاج ضعیف وفاقہ کش عرب حاضرِ خدمت ہوا۔ اور فقروفاقہ کی شکایت کی۔ آپ نے بلال کو اشارہ کیا کہ اسے دروازۂ فاطمہؑ پر لے جاؤ۔ بلال نے حکم کی تعمیل کی۔ اُس مردِ عرب نے دروازے پر جاکر پکارا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ۔ میں ایک بڈھا عرب ہوں، فقروفاقہ نے گھر سے نکالا ہے۔ نہ کھانے کا سامان ہے نہ پہننے کا۔ مجھ پر احسان فرمائیے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔

یہ وہ دن تھا کہ اہل بیت پر تین دن کا فاقہ گذر چکا تھا۔ جناب سیّدہ بھی خالی ہاتھ تھیں۔ آپ نے چمڑے کا وہ ٹکڑا جسے بچھا کر حسنینؑ سوتے تھے۔ اعرابی کو بھجوادیا۔ اعرابی نے عرض کیا۔ اے بنتِ رسول اللہؐ میں تو اس وقت بھوکا ہوں۔ پوست گوسفند سے دوزخ کی آنچ کیونکر بجھا لوں۔ آپ کے گلے میں ایک گلوبند تھا جو دختر حمزہؓ نے ہدیۃً بھیجا تھا۔ آپ نے وہ گلے سے نکال کر اعرابی کو دے دیا کہ جا اسے فروخت کرکے اپنی حاجت روائی کر۔ اس کے عوض میں اس سے بہتر چیز خدا تجھے کرامت فرمائے گا

اعرابی وہ گلوبند لئے ہوئے خدمتِ پیغمبرؐ میں آیا اور عرض کیا کہ بارگاہِ فاطمیہ سے یہ عطیہ

لاہے۔ اور اُسے بیچنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ کی آنکھوں سے موتیوں کی لڑیاں بہہ نکلیں۔ اُدھر عمار یاسر اُٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ مجھے اس کی خریداری کا اذن ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر دونوں جہان اس کی خریداری میں شریک ہو جائیں تو خداوند عالم اُن کو عذاب آتش سے محفوظ رکھے گا۔ عمارؓ نے اعرابی سے اس کی قیمت پوچھی۔ اُس نے کہا کہ گوشت روٹی اس مقدار میں کہ جس سے پیٹ بھر جائے ایک بردیمانی تن ڈھانکنے کے لئے اور ایک دینار زادِ راہ کے واسطے۔

عمار کو غنیمت خیبر سے کچھ حصّہ ملا تھا۔ اور وہ ابھی باقی تھا۔ اعرابی سے کہنے لگے کہ میں بیس دینار دو سو درہم اور ایک بردیمانی تجھے دوں گا۔ کھانا کھلاؤں گا۔ اور اپنے اونٹ پر تجھے وطن پہنچا دوں گا۔ اعرابی عمارؓ کی سخاوت پر متعجب ہو گیا۔ غرض عمارؓ نے یہ چیزیں اعرابی کو دیں۔ اور اس گلوبند کو مشک سے خوشبو کر کے بردیمانی میں لپیٹ کر ایک غلام کے ہاتھوں جسے مالِ غنیمتِ خیبر سے خرید کیا تھا خدمتِ رسول میں روانہ کیا۔ اور کہا کہ میں تجھ کو بھی اور اس گردن بند کو بھی حضرت کی نذر کرتا ہوں رسول اللہ کی خدمت میں جب غلام پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کے پاس جاؤ۔ اور تو انہیں کا مملوک بھی ہے۔ وہ غلام جس کا نام سہم تھا۔ خدمت سیّدہ میں حاضر ہوا۔ سیّدہ عالمؑ نے وہ گلوبند اُس سے لے لیا۔ اور فرمایا کہ تو راہِ خدا میں آزاد ہے۔ غلام یہ سُن کر ہنسنے لگا۔ سیّدۂ دوجہان نے سبب خندہ پوچھا۔ تو عرض کیا کہ مجھے اس گلوبند کی برکت پر ہنسی آئی کہ اس نے بھوکے کو سیر کیا۔ ننگے کو کپڑا پہنایا۔ فقیر کو غنی کیا۔ بندہ کو آزاد کر دیا۔

طعامِ جنّت

اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ان بزرگواروں کے لئے مائدۂ جنت آیا ہے۔ اس میں ذرا بھی اہل ایمان کو تعجب نہیں ہو سکتا بلکہ جو کامل الایمان ہیں۔ وہ تو ان چیزوں کو اہل بیت محمدؐ کے لئے بہت معمولی چیزیں سمجھتے ہیں۔

ایک روز خانۂ اہل بیت میں کچھ سامانِ خورد و نوش نہ تھا۔ حضرت امیرالمومنین نے ایک دینار قرض لیا اور بازار کو روانہ ہوئے۔ راہ میں مقداد کو دیکھا۔ گرمی کا موسم دھوپ کا وقت۔ دریافت فرمایا کہ اس وقت کیوں نکلے ہو۔ وہ شرما کر ٹالنے لگے۔ آپ نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ تمہیں یہ لازم نہیں کہ ہم سے اپنا حال چھپاؤ۔ اس وقت مقداد نے کہا کہ ناداری نے گھر سے نکالا ہے۔ اور اپنے عیال کو بھوک کے سبب سے تڑپتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں۔ یہ سن کر علیؑ مرتضیٰ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور فرمایا کہ بھائی اس وقت میرے گھر سے باہر نکلنے کا بھی سبب یہی ہے۔ میں نے ایک دینار قرض لیا ہے مگر میں تمہاری حاجت روائی کو مقدم سمجھتا ہوں۔ دینار کو مقداد کے حوالے کر دیا۔ اور خود مسجد میں تشریف لے آئے۔ ظہر سے لے کر مغرب تک مسجد میں ہی رہے۔ جب رسولؐ اللہ نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت علیؑ مرتضیٰ سے فرمایا کہ آج ہم کھانا تمہارے ساتھ کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا بسر و چشم۔ غرض دونوں بزرگوار داخل خانۂ سیّدہ ہوئے دیکھا کہ جناب سیّدہ محرابِ عبادت میں رونق افروز ہیں۔ اور ایک خوان حضرت کے پسِ پشت رکھا ہوا ہے۔ جس میں سے بھاپ اٹھ رہی ہے۔ جناب سیّدہ نے جب پدر بزرگوار

کو دیکھا۔ اُٹھ کر سلام کیا۔ اور پھر وہ خوان سامنے لاکر رکھ دیا۔ جناب رسول اللہؐ نے حضرت امیرؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا یہ تمہارے اس دینار کا عوض ہے جو تم نے مقداد کو عطا کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ پھر ارشاد کیا کہ زکریاؑ جب مریمؑ کے پاس محرابِ عبادت میں جاتے تھے تو ان کے پاس غیب سے آئی ہوئی روزی ملتی تھی۔

غیرتِ فاطمہؑ

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیرت جس کو ایمانی غیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ جناب فاطمہؑ سے زیادہ کہیں نہیں مل سکتی۔ جس کے ایمان کا اعلان رسول اللہؐ نے بایں الفاظ فرمایا ہو کہ اِنَّ ابنتی فاطمة ملاء اللّٰہ قلبها وجوارحها ایمانًا ویقینًا۔ میری بیٹی فاطمہؑ کے قلب اور اعضا کو خدا نے ایمان و یقین سے بھر دیا ہے تو اس کی غیرتِ ایمانی کا اندازہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس غیرت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ بعض قصے جو آپ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ اور جن سے آپ کا غیور ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ آنکھ بند کر کے قبول کر لئے جائیں۔

مثلاً ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جعفر طیارؓ نے ایک لونڈی امیرالمومنینؑ کو ہدیہ دی تھی۔ ایک روز سیدہ نے دیکھا کہ امیرالمومنینؑ کا سر اس کے آغوش میں ہے جس پر سیدہ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس کنیز کی طرف رغبت فرمائی ہے۔ امیرالمومنینؑ نے اس سے برأت چاہی لیکن جناب فاطمہؑ اجازت لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پہنچیں۔ ادھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ فاطمہؑ کی شکایت علیؑ کے باب میں

قابلِ قبول نہیں ہے۔ غرض رسول اللہؐ نے سیدہؑ سے فرمایا کہ پلٹ جاؤ۔ اور علیؑ سے جاکر کہو۔ میں تمہاری مرضی کی تابع ہوں۔ آپ اسی وقت پلٹ آئیں امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ تم نے میرے حبیب سے میرا شکوہ کیا۔ اب میں نے یہ کنیز راہِ خدا میں آزاد کی۔ اور وہ چار سو درہم جو بچے ہوئے ہیں۔ وہ میں نے فقرائے مدینہ پر خیرات کئے۔ اُدھر رسول اللہ کو وحی ہوئی کہ علیؑ سے کہہ دو تم نے فاطمہؑ کی خوشنودی کے لئے کنیز آزاد کر دی۔ ہم نے تجھے جنت و دوزخ کا مختار کر دیا۔

یہ قصہ صاحبانِ عصمت و طہارت کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اور محض بے اصل معلوم ہوتا ہے۔ بعض شیعہ مؤلفین نے بھی اسے حضرت سیدہ کے حالات میں درج کر دیا ہے لیکن یہ اندراج عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ اس قصہ سے ہرگز جناب فاطمہؑ کی غیرتِ ایمانی پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ حمیتِ جاہلیت کی جھلک نظر آتی ہے علیؑ و فاطمہؑ دونوں اس سے بری ہیں۔

فاطمہؑ زہرا کا خوابؑ

اسی طرح اور کتنی قصے حضرت کی طرف کتبِ شیعہ میں پائے جاتے ہیں۔ جن کا ماخذ یقیناً کتبِ اغیار ہوں گی۔ چنانچہ ایک قصہ حضرت کے خواب کا بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ جناب سیدہؑ نے شب کو خواب دیکھا کہ جناب رسولِؐ خدا ان سب بزرگواروں کو لے کر مدینہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اور ایک مقام پر بیرونِ مدینہ ایک بھیڑ خرید کر اسے ذبح کیا اور اس کے کباب لگائے۔ سب نے اسے نوش کیا

اور نوش کرتے ہی سب مر گئے۔ آپ یہ خواب دیکھ کر پریشان ہوئیں۔ لیکن رسول اللہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ غرض صبح کو یہی واقعہ درپیش ہوا۔ جناب رسول اللہ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ کو ہمراہ لیا۔ بیرونِ مدینہ ایک شاداب مقام میں پہنچ کر ایک بھیڑ ذبح کی۔ اس کے کباب لگائے۔ جب کھانے کا ارادہ کیا تو جناب سیدہؑ رونے لگیں اور رسول اللہ کے استفسار پر آپ نے اپنے خواب کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد کیا کہ مجھے خوف ہے۔ سب ہلاک نہ ہو جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ اُٹھے۔ اور دو رکعت نماز ادا کر کے مناجات کی۔ فوراً جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک شیطان ہے جس کا دھا نام ہے۔ ایسے خواب پریشان مومنین کو وہی دکھلایا کرتا ہے اور حضرت زہراؑ کی پریشانی کا سبب بھی وہی ہے۔ اگر سوتے وقت آدمی معوذتین اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھ لیا کرے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ نے اس شیطان کو حاضر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ فاطمہؑ کی پریشانی کا سبب تو ہی تھا۔ اس نے اقرار کیا۔ رسول اللہ نے تین مرتبہ اس پر تھوک دیا۔ جس سے تین زخم اس کے چہرے پر نمودار ہوئے۔

یہ بے سروپا قصہ معاشرتِ اہلبیت کے خلاف ہے۔ یہ شعار سیلانی طبیعتوں کے ہوتے ہیں کہ وہ سبزہ زاروں میں جا کر کھائیں پئیں۔

صاحب تفسیر قمی نے اس قصے کو سبب نزول آیہ انما النجویٰ من الشیطان الخ قرار دیا ہے۔ صاحب انوار نعمانیہ اسے نقل کر کے بفرض صحت اس کی تاویل کرتے ہیں۔ لیکن تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جب اس کی اصل ہی کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں کہ یہ قصہ معاشرتِ اہل بیتؑ کے خلاف ہے۔ نصوصِ قرآنیہ کے

بھی قطعاً مخالف ہے۔ نص قرآنی ہے کہ تخویف شیطانی اس کے اولیاء تک ہی محدود ہے۔ خود شیطان اقرار کر رہا ہے۔ لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین میں ضرور بالضرور سب کو اغوا کروں گا مگر تیرے بندوں میں سے جو مخلصین ہیں وہاں تک میری رسائی نہیں۔ پس شیطان کی مجال نہیں کہ صاحبانِ عصمت مطلقہ و طہارتِ کاملہ کے قریب جا سکے۔ اس کی جولانیاں اس کے دوستوں ہی تک محدود ہیں۔ پس صرف یہ دیکھ کر کہ یہ قصہ کسی شیعہ تفسیر میں لکھا ہوا ہے اسے قبول کر لینا عدم تدبر و تعمق نظر کی دلیل ہے۔

صاحب دار السلام اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

ولم اجده مسنداً فيما عندى من الكتب المعتبرة وكيف كان ففى هذه الاخبار اشكال عظيم فان الشيطان كيف يتمكن على تلك النفوس المقدسة ويتسلط عليها وانما سلطانه على الذين يتولونه ومناماتهم فى مرتبة الوحى و تحقق معناه تارة وفى بعضهم مطلقا۔

یعنی میرے پاس جو کتب معتبرہ موجود ہیں۔ میں نے ان میں اس روایت کو نہیں پایا اور کیونکر ہو سکتا ہے درآنحالیکہ ان اخبار میں اشکال عظیم ہے اس لئے کہ شیطان ان نفوس مقدسہ پر کیونکر متمکن ہو سکتا ہے۔ اور کیونکر ان پر قبضہ کر سکتا ہے اس کا تسلط تو اس کے دوستوں پر ہی ہوتا ہے اور ان بزرگوں کے خواب تو وحی کے مرتبے میں ہیں۔ اکثر بالکلیہ وحی سے متحد ہوتے ہیں اور بعض کے وحی ہونے میں تو مطلق شبہ نہیں ہے۔

پھر اس فاضل یعنی حسین بن محمد تقی النوری الطبرسی نے علامہ مجلسی کی تاویلات کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے اس روایت کے متعلق فرمائی ہیں۔ خیر

علمِ فاطمہؑ

جتنے اوصافِ حمیدہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ فی الحقیقت فرع ہیں علم کی اور علم ان سب کی اصل ہے۔ جتنے کمالات صادر ہوتے ہیں وہ علم سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ گویا علم ہی سرچشمۂ کمالات ہے۔ صبر ہو یا شکر تسلیم ہو یا رضا۔ زہد ہو یا عبادت سب کی اصل علم ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فرعات کی معرفت بھی اصل کے عرفان تک لے جاتی ہے۔ اور جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے اخلاق حسنہ سے جو مقام عمل میں آئے ان کے علم پر استدلال ہو سکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ خود نفسِ علم کے متعلق بھی کچھ نصوص کا ذکر کریں۔

اہل علم کو معلوم ہے کہ آیۂ تطہیر جن بزرگوں کی شان میں ہے۔ ان میں سے جناب فاطمہ زہرا بھی ہیں۔ اس آیت کے متعلق مسلمانوں میں ایک عجیب قصہ ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ ازواج رسولؐ کے حق میں ہے۔ اور ایک جماعت کثیر اس طرف ہے کہ اس کا تعلق ازواج سے نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ کتب لکھی جا چکی ہیں۔ اور فریقین نے بہت کچھ۔ دماغ سوزی سے کام لیا ہے۔

لیکن خوب یاد رکھو کہ اصول تحقیق کو ان مناقشات سے تعلق نہیں ہوا کرتا۔ وہ بہت سیدھا اور صاف ہوا کرتا ہے۔ پہلے مفہوم آیت پر غور کرو مفہوم آیت یہ

جانتا ہے کہ جن افراد پر آیت صادق آسکتی ہے وہ قطعاً رجس سے دُور ہونے چاہئیں پھر رجس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اب جس قسم کا بھی رجس ہوگا وہ کلیۃً ان افراد سے دُور رہے گا۔ تمام اقسامِ رجس کی تشریح ضروری نہیں اس کے بھی اُصول کو دیکھ لو۔ جس پر نظر کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ رجس یا خلقی ہے یا خُلقی۔ باقی جس قدر اقسامِ رجس ہیں۔ وہ سب انہیں سے نکلیں گے۔ پس جو بزرگوار کہ اس آیت کے ماتحت لئے جائیں گے۔ ان کو خلقتًا و خُلقًا مطہر ماننا پڑے گا۔ ہاں ایسے بزرگواروں کا وجُود یقینًا تسلیم کرنا بھی پڑے گا۔ کیونکہ مفہومِ آیت ان کے وجُود کا مقتضی ہے اگر ایسا وجُود پایا ہی نہ جائے تو آیت مہمل قرار پائے گی۔ جسے کوئی مسلمان قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میرے خیال میں مسلمانوں میں ایسا تو کوئی نہ ہوگا۔ جس نے جناب فاطمہؑ کو اس آیت کے مفہوم سے خارج کیا ہو۔ اور اگر کسی نے کوشش بھی کی ہے تو اس کی کوشش کبھی عند المسلمین مقبول نہیں ہوئی۔ گویا جناب فاطمہؑ تو باتفاقِ مسلمین اس آیت کے ضمن میں داخل ہیں۔ اور یہ مضمون اب کس قدر وسیع ہوگیا ہے کہ اہل بیت کا نام لیتے ہی پنجتن کا تصور ذہن میں آجاتا ہے۔ اور پنجتن میں جناب فاطمہؑ کی شمولیت یقینی ہے۔ اب جھگڑا صرف اس امر کا رہ جاتا ہے کہ ازواجِ رسولؐ اس میں داخل ہیں یا نہیں۔ اس کے تصفیہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر ازواج میں یہ صفتِ طہارت موجُود ہے۔ یعنی وہ خلقتًا و خُلقًا اور ظاہراً و باطنًا پاکیزہ و مطہر ہیں۔ تو ضرور اس آیت میں داخل ہوسکتی ہیں۔ و الّا فلا۔

بہرطور یہ مسلّم امر ہے کہ جناب فاطمہؑ کے لئے تطہیرِ کامل تسلیم کرنی ہی پڑے گی

اس امر کو مدنظر رکھ کر اب اہل نظر کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ جہل کیا چیز ہے۔ آیا از قسم رجس ہے یا از قسم طہارت۔ نہیں نہیں جہل صرف رجس نہیں بلکہ سرچشمۂ ارجاس و نجاسات ہے۔ پس جہل کی نفی یقیناً کرنی پڑے گی۔ اور جب جہل کی نفی ہو گئی تو لامحالہ علم کا اثبات لازم آئے گا۔

بعض منطقیوں کا خیال ہے کہ علم و جہل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نقیض نہیں ہیں۔ اور ضدین کی شان یہ ہے کہ ایک نفی سے دوسرے کا اثبات نہیں ہوتا جیسے کہ سیاہ و سفید ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر ہم کسی چیز کی نسبت کہیں کہ وہ سیاہ نہیں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ سفید ہے بلکہ ممکن یہ ہے زرد ہو۔ ممکن ہے سرخ ہو۔ اسی طرح جب ہم نے یہ کہا کہ فلاں شخص جاہل نہیں ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ وہ عالم ہے۔ بلکہ ممکن ہے کہ نہ عالم ہو نہ جاہل بلکہ کوئی تیسری شکل رکھتا ہو۔ جیسے کہ خود حضرت منطقی۔

یہ خیالات واہی صرف عدم تدبر سے پیدا ہوتے ہیں۔ عقلمندوں نے ان مزخرفات کو کبھی قبول نہیں کیا۔ اور نہ یہ خیال صلاحیت قبولیت رکھتے ہیں۔ ضد اور نقیض کا فرق بیان کرتے ہوئے علم و جہل کو ضدیں قرار دینا خود ایک تحکم محض اور بلا دلیل دعوٰے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی نقیض ہیں جن کا اجتماع بھی محال ہے۔ اور ارتفاع بھی۔ اگر کوئی معترض نکلے گا تو اطمینان کر دیا جائے گا۔

المختصر جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا سے جب ہم نے حسب مفہوم آیۂ تطہیر جہل کی نفی کر دی تو بیبی سے آپ کا علم ثابت ہو گیا۔ اور یہ معلوم ہو گیا کہ جس قدر

تاکید جہل کی نفی میں ہو گی۔ اسی قدر تاکید اثبات علم کے لئے ہو جائے گی لیکن ہم اسی بحث پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ احادیث معصوم سے تمسک کرتے ہیں۔ جن سے آپ کے علم کا پایہ معلوم ہو گا۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ علوم انبیائے سابقین سے ان کا علم بدرجہا زیادہ ہے۔

بحار الانوار جلد سابع۔ عن الصادق عن ابیہ عن جدہ علیہم السلام قال قال رسول اللہ انا میزان العلم و علیؑ کفتاہ و الحسنؑ والحسینؑ حبالہ و فاطمۃؑ علاقتہ والائمۃ من بعدھم یزنون المحبین والمبغضین الناصبین۔ الخ۔

حضرت صادق علیہ السلام اپنے آبائے طاہرین سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا میں علم کی میزان ہوں۔ اور علیؑ اس کے دونوں پلّے ہیں حسنینؑ اس کی رسیاں ہیں اور فاطمہؑ اس کی ڈنڈی۔ اور ان کے بعد جو آئمہ ہوں گے۔ وہ دوستوں اور دشمنوں کو تولیں گے۔

اس حدیث مقدس میں لطائف تو بکثرت ہیں۔ لیکن ہمیں صرف اتنا دکھانا ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کا اس میزان علمی سے کتنا زبردست علاقہ ہے۔ گویا خود اس کا علاقہ ڈنڈی قرار پائی ہیں۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما ولدت فاطمۃ علیہا السلام اوحی اللہ الی ملک فانطلق بہ لسان محمد صلی اللہ علیہ والہ فسماھا فاطمۃ ثم قال انی فطمتک بالعلم و فطمتک من الطمث ثم قال ابو جعفر علیہ السلام واللہ لقد فطمھا اللہ

بالعلم وعن الطمث فی المیثاق دکافی مولد فاطمہ و علل الشرائع)

حضرت ابو جعفر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب فاطمہ پیدا ہوئیں تو خدا نے ایک فرشتہ پر وحی کی۔ اور اس نے رسول اللہ کی زبان پر جاری کیا۔ آپ نے ان کا نام فاطمہ رکھا۔ پھر ارشاد باری ہوا۔ میں نے تجھے علم سے مخصوص اور نجاستِ نسوانی سے دور کیا ہے۔ حضرت باقر فرماتے ہیں کہ قسم خدا کی بروز میثاق ہی علم آپ کی گھٹی میں پڑ چکا تھا اور آپ تمام نجاساتِ نسوانیہ سے مبرا و منزہ تھیں۔

یہ حدیث بھی آپ کی منزلتِ علیہ پر بہت صراحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے

مُصحفِ فاطمہ

آپ کے علم کا بہترین ثبوت وہ مصحف ہے۔ جو مصحفِ فاطمہ کہلاتا ہے اور کتب شیعہ میں اس کا ذکر بکثرت موجود ہے۔

عن حماد بن عثمان قال سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول تظھر الزنادقۃ فی سنۃ ثمانیۃ وعشرین ومائۃ لانی نظرت فی مصحفِ فاطمۃ قال فقلت وما مصحف فاطمۃ فقال ان اللہ تبارک وتعالیٰ لما قبض نبیہ دخل علیٰ فاطمۃ من وفاتہ من الحزن مالا یعلمہ الا اللہ فارسل الیھا ملکا یسلی عنھا غمھا ویحدثھا فکشف ذلک الی امیرالمومنین علیہ السلام فقال لھا اذا حسبت بذلک فسمعت

الصوت فتقول لی نفا علمتہ فجعل یکتب کلما سمع حتی اثبت من ذلك مصحفا قال ثم قال اما انہ لیس شیء فی الحلال والحرام ولا کن فیہ علم ما یکون (اصول کافی کتاب الحجۃ)

حماد ابن عثمان سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ۱۲۸ھ میں زندیق ظاہر ہوں گے۔ اس لئے کہ میں نے مصحف فاطمہؑ میں دیکھا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ مصحف فاطمہؑ کیا ہے فرمایا جب رسول اللہؐ نے انتقال فرمایا تو سیدہ طاہرہ کو بے انتہا ملال ہوا۔ جس کو خدا ہی جان سکتا ہے۔ پس خدا نے ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لئے بھیجا وہ آپ سے باتیں کرتا تھا۔ آپ نے امیر المومنینؑ کو اس کی خبر دی امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب تم اُسے محسوس کرو اور اس کی آواز سنو تو مجھ سے کہنا چنانچہ سیدہ عالم نے انہیں خبر کی۔ پس امیر المومنینؑ نے جو کچھ سنا اسے قلم بند کر لیا یہاں تک کہ وہ ایک کتاب بن گئی۔ پھر حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ اس مصحف میں حلال وحرام کے احکام نہیں ہیں بلکہ اس میں علم ما یکون ہے یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر ہے۔

اس مصحف سے آپ کا عالمۂ علم ما یکون ہونا ثابت ہے اور سابقہ حدیثوں سے عالمۂ علم ما کان۔ پس علم ما کان وما یکون کی برداشت کرنے والی ہے یعنی جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ گذرے گا۔ آپ کا علم اس پر محیط ہے۔

وحی فاطمہؑ

اسی حدیث مصحف فاطمہؑ سے آپ کا صاحب وحی ہونا ثابت ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں مصحف فاطمہؑ کا ذکر جناب صادق نے ابو بصیر سے اس طرح فرمایا۔

وان عندنا لمصحف فاطمۃ وما یدریھم ما مصحف فاطمۃ قال مصحف فیہ مثل قرآنکم ھذا ثلث مرات واللہ ما فیہ من قرآنکم حرف واحدا نما ھو شئی املاھا اللہ و اوحی الیھا الحدیث۔ (اصول کافی)

حضرت نے فرمایا کہ ہمارے پاس بے شک مصحف فاطمہ ہے اور یہ لوگ کیا سمجھیں کہ مصحف فاطمہ کیا چیز ہے۔ مصحف فاطمہ تمہارے قرآن سے تین گنا ہے۔ اور قسم خدا کی تمہارے قرآن میں سے اس میں ایک حرف بھی نہیں۔ بے شک وہ ایک چیز ہے کہ جسے خدا نے فاطمہ پر ظاہر کیا ہے اور فاطمہ کی طرف وحی کی ہے اس مصحف فاطمہ پر ائمہ نے فخر ظاہر کیا ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث سے معلوم ہوا اور اسی مصحف کی نسبت جناب امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ولقد اعطیت زوجتی مصحفا فیہ من العلم مالم یسبقھا الیہ احد خاصۃ من اللہ و رسولہ (ریاض) میری زوجہ کو خصوصیت کے ساتھ خدا و رسولؐ کی طرف سے ایک مصحف عطا کیا گیا ہے۔ جس میں وہ علم ہے کہ کسی شخص نے اس علم میں میری زوجہ پر سبقت نہیں کی۔

ان لفظوں کے جو معنی ہیں وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔

علم جناب سیدہ کے بارے میں اس قدر احادیث ہیں کہ ان کا ایک جگہ جمع کرنا بجائے خود ایک ضخیم کتاب چاہتا ہے۔ ہم انہیں حدیثوں پر بس کرتے ہیں۔ ہاں اہلِ ایمان کی روشنی قلب کے لئے صرف ایک حدیث کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ اصل حدیث جو صاحب چاہیں جلد عاشر بحار الانوار یا دیگر کتب مثل نزہۃ الابرار وغیرہ میں ملاحظہ کر لیں۔

حارثہ بن قدامہ سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ مجھ سے سلمانؓ نے بیان کیا۔ اور سلمانؓ سے عمارؓ نے کہا کہ میں تمہیں ایک عجیب بات سناؤں۔ سلمانؓ بولے ضرور سناؤ۔ عمارؓ بولے کہ میں ایک دن امیر المومنینؑ کے ساتھ تھا۔ آپ جناب سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ سیدہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا کہ قریب آئیے میں آپ کو امور گذشتہ و آیندہ کی اطلاع دوں۔ یہ سنتے ہی امیر المومنینؑ واپس ہوئے۔ اور رسول اللہؐ کے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یا علیؑ قریب آؤ جب آپ اطمینان سے قریب بیٹھ گئے تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم بیان کرتے ہو یا میں بیان کروں۔ آپ نے فرمایا یا رسول اللہؐ آپ کا ہی ارشاد احسن ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تم فاطمہؑ کے پاس گئے تھے۔ اور اس نے تم سے ایسا ایسا بیان کیا۔ تم اسے سن کر واپس ہو گئے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ہاں فاطمہؑ کا نور ہمارے نور سے ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے؟ علی مرتضےٰؑ نے سجدۂ شکر کیا۔ یعنی جانتا ہوں۔ پھر امیر المومنینؑ وہاں سے چلے۔ عمار کہتے ہیں میں بھی ساتھ ہوا۔ آپ سیدہ کے پاس تشریف لائے۔ میں بھی حاضر خدمت تھا۔ جناب سیدہ نے

فرمایا کہ آپ میرے پدر بزرگوار کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ اور سرا قول آپ نے وہاں نقل کیا۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہوا۔ اس وقت سیّدہ گویا ہوئیں۔ اے ابوالحسنؑ خداوند عالم نے میرا نور خلق کیا۔ اور اشجار جنت میں سے ایک شجر کو وہ نور ودیعت فرمایا۔ وہ شجر اس ودیعت سے چمک اٹھا۔ پس جب میرے پدر بزرگوار شب معراج داخل جنت ہوئے۔ تو خداوند عالم نے ان پر وحی فرمائی کہ اس شجر کا پھل لے لو اور اس کا ذائقہ چکھو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پس خداوند عالم نے مجھے پدر بزرگوار کی پشت میں ودیعت رکھا۔ اور آپ نے یہ ودیعت خدیجہؓ کے سپرد کی۔ ان سے میں پیدا ہوئی۔ اور میں وہی نور ہوں۔ جو کچھ گذرا ہے۔ جو کچھ نہیں گذرا۔ اور جو کچھ گذریگا میں سب جانتی ہوں۔ اے ابوالحسنؑ مومن نور خدا سے دیکھتا ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ! یہ حدیث کیا ہے۔ سرمہ چشم اہل بصیرت ہے۔ اس سے آپ کی منزلت علمیہ کافی اور بہت کافی معلوم ہوسکتی ہے۔ اور ہر مومن جان سکتا ہے کہ آپ کا علم سوائے اس خانوادۂ طہارت کے اور تمام انبیاء و رسل سے افضل واکمل واشرف تھا۔

اہل ایمان کے لئے ایک اور نکتہ اس مقام پر بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ علم کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے جب ہم ارشادات آئمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو امیر المؤمنین کا یہ ارشاد نظر آتا ہے "العلم نور" علم ایک نور ہے اور خداوند عالم جس کے دل میں چاہتا ہے اسے ڈال دیتا ہے۔ جب علم کی شان ہم کو معلوم ہوگئی تو اب ہم بآسانی کہہ سکیں گے کہ جناب سیّدہ خود حقیقت علمیہ ہیں اس لئے کہ نور ہیں۔ پس جو مخدرہ خود حقیقت علمیہ اور میزان علمیہ کی قائم رکھنے والی ہے۔ اس

کے علم کا اندازہ کوئی شخص کیونکر کرسکتا ہے۔ فاطمہؑ ایک دریائے علم ہے جس کے قطرے علوم انبیاء ہیں۔ اور ان تمام بزرگوں کے علوم کی یہی حالت ہے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا است

عبادت و معرفت

علم جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے معلوم ہوجانے کے بعد اب بآسانی اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی معرفت کیسی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ہی عبادت کی طرف بھی تصور بڑھ جائے گا۔ بس مختصر یہ ہے کہ جو عبادت و معرفت ایک واجب لغیرہ ہستی کے لئے تصور میں آسکتی ہے (حالانکہ وہ تصور سے باہر ہے) اس کا جلوہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا میں موجود ہے۔ اور حضرت کی عبادت کے متعلق چند احادیث کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

علل الشرائع میں حضرت صادق سے منقول ہے۔ آپ سے راوی نے پوچھا کہ آپ کو زہرا کیوں کہتے ہیں۔ فرمایا۔ اس لئے کہ جب آپ محراب عبادت میں کھڑی ہوتی تھیں تو آسمان والوں کی نظر میں آپ کا نور اس طرح چمکتا تھا جیسا کہ اہل زمین کی نگاہ میں کواکب کا نور۔

اسی قسم کا مضمون یعنی روشنی روئے انور کا ذکر اس سے پہلے بھی احادیث میں بیان کیا جاچکا ہے۔ محراب عبادت میں خاص طور سے نور کی تابندگی اس میں بھی عجیب اسرار ہیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث ابان بن تغلب سے علل الشرائع میں مروی ہے
وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ فاطمہؑ زہرا کا نام زہرا
کیوں رکھا گیا۔ فرمایا اس لئے کہ ان کا نور دن میں تین دفعہ امیر المومنینؑ کے لئے چمکتا
تھا۔ اول نماز صبح کے وقت جبکہ لوگ اپنے فرش خواب پر ہوتے تھے۔ یہ نور اس
طرح روشن ہوتا تھا کہ مدینے کے گھروں میں اس کی تجلی پہنچتی تھی اور دیواریں سفید
ہو جاتی تھیں۔ اہل مدینہ رسول اللہ کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے آتے تھے
آپ انہیں خانۂ فاطمہؑ زہرا کی طرف بھیج دیتے تھے۔ وہاں آکر وہ دیکھتے تھے کہ حضرت
فاطمہؑ محراب عبادت میں کھڑی ہیں۔ اور نور رُخ سے محراب روشن ہے۔ اس سے
وہ جان لیتے تھے کہ یہ جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے وہ نور فاطمہؑ ہے۔ دوسرے دوپہر
کے وقت جب کہ آپ نماز کے لئے کھڑی ہوتی تھیں تو ایک نور زرد حضرت کے
چہرے سے نکلتا تھا جس سے تمام مدینہ کے حجرے اور اہل مدینہ کے لباس وغیرہ
زرد نظر آتے تھے۔ جب رسول اللہ کی خدمت میں دریافت کرنے کے لئے آتے
تھے۔ تو پھر آپ خانۂ فاطمہؑ کی طرف اشارہ فرماتے تھے وہاں آکر معلوم ہوتا تھا کہ
اس وقت نور زرد چہرۂ فاطمہؑ سے ساطع ہے۔ اور تمام محراب بھی زرد ہو رہی ہے
تیسرے جب کہ آفتاب غروب ہوتا تھا تو حضرت کا چہرہ فرحت شکر خدائے
عز و جل کے سبب سے سرخ ہو جاتا تھا۔ اور یہ سرخی تمام مدینے پر چھا جاتی تھی
پھر جب حضرت رسالت پناہ سے سوال ہوتا تھا تو آپ سائلین کو منزل فاطمہؑ کی
طرف بھیج دیتے تھے وہ آکر دیکھتے تھے کہ آپ بیٹھی ہیں۔ خدا کی تسبیح و تمجید میں مصروف
ہیں۔ اور چہرۂ انور سے سرخ شعاعیں نکل رہی ہیں جس سے وہ اندازہ کرتے تھے

ان انوار کی تابندگی حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش تک رہی ۔ اب وہ نور ہم آئمہ اہل بیت میں یکے بعد دیگرے تا روز قیامت گردش کناں رہے گا۔

اوقات مختلفہ میں الوان مختلفہ کا ظہور یہ بھی عالم اسرار کی ہی کیفیت ہے ۔ ہم لوگ اس کی اصلیت پر مطلع نہیں ہو سکتے ۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ عبادت کے وقت آپ کی محویت اس درجہ تھی کہ لمعات جلال و جمال الہٰی آپ کو گھیر لیتے تھے ۔ اور یہ کیفیت اس درجہ ظاہر ہوتی تھی کہ سب لوگ اسے محسوس کرتے تھے ۔ یا یوں کہو کہ آپ کا نور ذاتی خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنی اصلی تجلیاں دکھاتا تھا ۔ خدا جانے کیا راز ہے ۔ کیا اسرار ہیں ۔ اور یہ نورانی مخلوق کیا کیفیتیں لئے ہوئے ہے ۔

ایک اور حدیث سے کچھ اس کی توجیہ معلوم ہوتی ہے ۔ رسول اللہؐ ایک حدیث طویل کے ضمن میں فرماتے ہیں ۔ کہ فاطمہؑ میری وہ روح ہے ۔ جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے ۔ جب وہ خدائے عزّوجلّ کے سامنے محراب عبادت میں کھڑی ہوتی ہے تو اس کا نور ملائکہ آسمان کے لئے اس طرح روشن ہوتا ہے ۔ جیسے اہل زمین کے لئے کواکب کا نور ۔

اس وقت خداوند جل وعلا ملائکہ سے فرماتا ہے کہ دیکھو میری کنیز خاص سیّدہ کو دیکھو وہ میرے سامنے کھڑی ہے ۔ میرے خوف سے اس کا بند بند کانپ رہا ہے ۔ دل قلب سلیم کے ساتھ میری عبادت پر متوجّہ ہے ۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کے شیعوں کو دوزخ سے امان بخشی ۔

اس حدیث سے معلوم ہو سکتا ہے کہ نور زرد خوف کے سبب سے تھا ۔ اور سفید و سرخ اطمینانِ قلب کے سبب سے ۔ نور کی یہ درخشندگی نماز کے علاوہ

دوسرے اوقات میں بھی ظاہر ہوتی تھی۔ جس سے آپ کی کثرتِ عرفان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ عرفان اس خانوادہ عصمت وطہارت کے سوائے اور کسی نبی ووصی کو حاصل نہ تھا۔

مومنین ومومنات کے لئے دعا

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے مادرِ گرامی کو دیکھا ہے کہ شب جمعہ محراب عبادت میں کھڑی ہوئیں۔ رکوع وسجود ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ عمود صبح ظاہر ہوا۔ میں نے اس تمام وقت میں سنا کہ وہ مومنین ومومنات کے لئے دعا کرتی رہیں۔ اور اپنے لئے کوئی دعا نہیں کی۔ جب میں نے استفسار کیا تو فرمایا: یا بنی الجار ثم الدار۔ بیٹے پہلے ہمسائے کی خبر لو پھر اپنے گھر کو دیکھو۔

یہ الفاظ زبان سے نکالنے بہت آسان ہیں۔ لیکن ان پر عمل سوائے اہلبیت عصمت وطہارت کے اور کہیں نظر نہیں آتا۔

یہی مضمون حضرت کاظم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مروی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدہ کی دعاؤں کا جزو اعظم مومنین ومومنات کے لئے وقف ہوتا تھا۔ خوشحال ان لوگوں کا جن کے لئے فاطمہ زہرا دعا فرمائیں اور نہایت متبرک ہیں وہ نفوس جو اس بارے میں فاطمہ زہرا کی تاسی کریں۔

فی الحقیقت یہ دعائیں ہمارے لئے تعلیم ہیں۔ جس سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایک مومن کا دوسرے مومن پر کیا حق ہے۔ اور ہمسایوں کے حقوق کی رعایت کس قدر ضروری ہے۔

پائے اقدس پر ورم

جناب رسول اللہ کے حالات میں آپ کی عبادتوں کا ذکر موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پائے مقدس عبادت میں کھڑے کھڑے ورم کر جاتے تھے۔ محبت کی دنیا میں طالب کی محنتیں اس درجہ پہنچ گئی تھیں کہ خود مطلوب کو بس کہنے کی ضرورت تھی۔ طٰہٰ ما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ۔ اے طالب حق اور اے حق کی طرف ہدایت کرنے والے ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل کیا کہ اتنی مشقتیں برداشت کرے۔ اللہ اللہ! یہ کیا عبادت ہے کہ معبود بھی جس سے بے چین ہوا جاتا ہے۔ یہی کیفیت فاطمہ زہراؑ کی عبادت کی تھی بلکہ کل معصومینؑ کی عبادتوں کا یہی حال تھا۔

جناب امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا میں کوئی فاطمہ زہراؑ کے برابر عبادت گذار نہ ہوگا۔ عبادت الٰہی میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں ورم کر جاتے تھے

خوفِ خدا

جس مخدرہ کے علم کی وہ شان ہو۔ عبادت و ریاضت کا یہ رنگ ہو۔ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس کے قلب میں خوفِ خدا کے لئے جگہ نہ تھی۔ تھی اور ایسی تھی کہ خدا اس کی شہادت دیتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ جو بندے کہ صاحب علم حقیقی ہیں۔ وہی خدا سے خوف کرتے ہیں۔ پھر جناب فاطمہؑ کے علم میں کیا شک ہے۔ اور جب علم میں شک نہیں تو خوف میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

منقول ہے کہ جب آیہ ان جہنم لموعدھم اجمعین لہا سبعۃ ابواب منھم جزءٌ مقسوم۔ (بالتحقیق جہنم ان سب کی وعدہ گاہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں۔ اور ہر دروازے کے لئے گناہ گاروں کا حصّہ مقرر ہے) نازل ہوا تو رسول اللہ زار زار رونے لگے۔ اصحاب کو دریافتِ حال کی جرأت نہ ہوئی۔ کسی نے سیدہ طاہرہ کو آکر اس کی اطلاع کی۔ آپ اس وقت چکی پیستی تھیں اور فرما رہی تھیں۔ وما عنداللہ خیرٌ وابقی (خدا کے پاس جو چیز ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے) جب آپ نے پدر بزرگوار کے رونے کا حال سنا تو کھڑی ہو گئیں۔ بوسیدہ اور پیوند دار ردا اوڑھلی جسے دیکھ کر سلمانؓ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس حالت سے آپ خدمت رسالت مآب میں تشریف لائیں، اور سببِ گریہ استفسار فرمایا۔ آپ نے نزولِ آیت کا ذکر کیا۔ اس آیت کو سُن کر آپ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ جب ہوش آیا تو فرمایا ویل ہے اُس شخص پر اور پھر ویل ہے۔ افسوس ہے اُس شخص پر اور پھر افسوس ہے جو دروغ میں داخل ہو۔ اور جھوٹ بولے۔ یہی کیفیت اس آیت سے بعض دیگر اصحاب پر طاری ہوئی۔

جناب فاطمہؑ کا آیت کو سُن کر جھوٹ بولنے والے کی حالت پر افسوس کرنا بتا رہا ہے کہ جہنمیوں سے مُراد جھوٹے لوگ ہیں۔ آہ! آج کل بھی بلائے کذب ہے جو قسم قسم کے لباس میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔ دنیا کو اس نے گھیر لیا ہے۔ اور کوئی تدبیر اس سے خلاصی کی نظر نہیں آتی۔ العظمۃ للہ! خدا کی پناہ!

طہارتِ فاطمہؑ

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی طہارت کے باب میں اس سے پہلے بھی اشارات ہو چکے ہیں۔ خود آیۂ تطہیر موجود ہے۔ لیکن اہلِ ایمان کے ازدیادِ بصیرت کے لئے ایک حدیث نقل کر دی جاتی ہے۔ صدوق علیہ الرحمہ کتاب امالی میں حضرت رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ حالتِ جنابت مسجد میں جائے۔ مگر میں اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ اور جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔ (وہ آئمہ علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے) اس امر کے مجاز ہیں۔

اِس حدیث سے ان بزرگواروں کی طہارت کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان بزرگواروں کا جنب ہونا ہرگز ہماری جنابت سے مشابہت نہیں رکھتا اس میں کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ ہم بیان کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ہم اپنے نفوس پر ان نفوس طاہرہ کو قیاس نہیں کر سکتے۔ ان کی صورتیں ضرور ہم جیسی ہیں۔ لیکن ان کی سیرت قطعاً ہم سے الگ ہے۔

غضبِ فاطمہؑ

یاد رکھئے کہ نفوسِ مقدسہ مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور جو سدرۃ المنتہا سے تقرب پر فائز ہوا کرتے ہیں۔ ان کے ہر فعل کو خداوندِ عالم اپنی طرف منسوب کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آیۂ مقدسہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ سے ظاہر ہے۔ اے پیغمبرؐ تو نے مشتِ خاک نہیں پھینکی۔ جب کہ پھینکی بلکہ وہ خدا نے پھینکی

ہے۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کے اس فعل کو خداوند عالم نے اپنا فعل قرار دیا ہے یا یوں کہو کہ ان کے جملہ افعال میں ان کے نفس کا لگاؤ قطعاً نہیں ہوتا۔ پس اس لحاظ سے یہ افعال ان کے نہیں ہوتے بلکہ اسی کے کہلائیں گے۔ جس کی ذات وصفات کے یہ آئینے ہیں۔

احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے کہ خدا کی ذات غیظ و غضب اور مسرت و سرور سے بری ہے بلکہ اس کے کچھ دوست ہوتے ہیں کہ ان کا غیظ و غضب خدا کا غضب ہے۔ اور ان کا سرور خدا کا سرور۔ انہیں احباء اللہ میں سے جناب فاطمہ علیہا السلام ہیں۔

حضرت سلمانؓ فارسی سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس شخص نے فاطمہؑ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اور جس نے اس کو غضبناک کیا وہ دوزخ میں جلے گا۔ اے سلمانؓ فاطمہؑ کی محبت سو موقعوں پر کام آنے والی ہے۔ جن میں آسان مقام یہ ہیں۔ موت۔ قبر۔ میزان۔ حشر۔ صراط۔ حساب و کتاب۔ پس جس سے میری بیٹی راضی ہوگی۔ میں اس سے راضی ہوں گا۔ اور جس سے میں راضی ہوں گا۔ اس سے خدا راضی ہوگا۔ اور جس پر میری بیٹی غضبناک ہوگی اس پر میں غضبناک ہوں گا۔ اور جس پر میں غضبناک ہوں گا اس پر خدا غضبناک ہوگا ویل ہے اس کے لئے جو اس پر ظلم کرے اور اس کے شوہر علیؑ پر ظلم کرے اور ویل ہے اس کے لئے جو اس کی ذریت پر ظلم کرے اور اس کے شیعوں پر ظلم کرے۔

نیز عیون الرضا میں مروی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ان اللہ تعالیٰ یغضب

بغضب فاطمہؑ ویرضیٰ لرضاھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تحقیق خداوند عالم غضب فاطمہؑ سے غضبناک ہوتا ہے۔ اور اُس کی رضامندی سے راضی ہوتا ہے۔

حدیث مشہور ہے کہ فاطمہؑ میری پارۂ جگر ہے جس نے اسے ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی ؛ فریقین میں مشہور و معروف ہے۔ ان احادیث سے جو بیان کی گئیں کہ فاطمہؑ کا غضب واقعاً خدا کا غضب ہے۔ اور اس کی رضا خدا کی رضا۔ گویا جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اس منزلت تقرب پر فائز ہیں کہ ان کا فعل خدا کا فعل ہے۔

اس مضمون کی حدیثیں بکثرت موجود ہیں۔ اہلِ ایمان کے لئے اتنے ہی اشارے کافی سمجھے گئے۔

خدّام فاطمہؑ

جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے کمالاتِ ذاتیہ کے متعلق جو کچھ بیان ہوتا چلا آرہا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے ماسلف ہرگز ان کے مدِّمقابل نہیں ہو سکتے۔ ان پر نظر کرتے ہوئے کون شخص ہے جو نہ کہہ اُٹھے گا کہ ایسے نفسِ مقدس کی خدمت کون و مکان کے لئے باعثِ فخر ہے۔ اور ملائکہ ارض وسما اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوں تو قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے۔

"ایک صوفی بزرگ نے حضرت سیدہ کے حالات قلم بند کئے ہیں اور اس میں ایک فقرہ طعناً لکھا ہے کہ شیعی قول کے بموجب آپ کے پاس حضرت جبرئیل بھی آیا کرتے تھے ؛ اس دوست کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صاحبانِ حقائق جو شیعہ مسلک رکھتے

ہیں۔ ان کے نزدیک تو اہل بیت عصمت و طہارت کے پاس جبرئیل کا آنا کچھ ان کے لئے باعث فخر و طرۂ امتیاز نہیں۔ ہاں یہ فخر جبرئیل کے لئے ہے۔ جبرئیل کا آنا کیا معنی۔ وہ ہمیشہ سے اسی گھر کے خادم ہیں۔ اور نعمت عرفان اسی دروازے سے انہیں عطا ہوئی ہے بلکہ نعمت وجود انہیں کے طفیل میں ملی ہے۔

اکثر روایات میں وارد ہے کہ دیکھا گیا ہے۔ آپ آرام کر رہی ہیں۔ اور چکی خود بخود چل رہی ہے۔ جیسا کہ سابق میں گذرا۔ یا حسینؑ کا جھولا خود ہی ہل رہا ہے۔ اور ساتھ ہی کوئی لوریاں دیتا ہوا سنائی دیتا ہے۔

ان فی الجنۃ نھراً بلبن

لعلیؑ ولزھرا وحسینٍ وحسن

یہ تمام خدمتیں ملائکہ ادا کرتے تھے۔ کتاب مدینۃ المعاجز میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا کہ ایک مرتبہ اسرافیل نے جبرئیل پر اپنا فخر ظاہر کیا اور کہا کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ جبرئیل نے پوچھا کیونکر؟ وہ بولے اس لئے کہ میں حاملان عرش میں سے ہوں۔ میں صور پھونکنے والا ہوں۔ اور میں خدا کے نزدیک سب سے مقرب ہوں۔ جبرئیل نے کہا کہ نہیں میں تم سے بہتر ہوں۔ اس لئے کہ میں وحی الہٰی کا امین ہوں۔ میں انبیا کے پاس خدا کا پیام لے جانے والا ہوں۔ میں صاحب خسوف ہوں۔ اور جو امتیں ہلاک ہوئی وہ میرے ہاتھوں سے ہلاک ہوئی ہے۔ اب ان دونوں نے اپنا مخاصمہ خدا کے سامنے پیش کیا۔ خداوند عالم نے وحی کی کہ خاموش ہو جاؤ۔ میں نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو تم دونوں سے بہتر ہے۔ عرض کیا خداوندا وہ کونسی مخلوق ہے جو ہم سے بہتر ہے۔ حالانکہ ہماری خلقت نور سے ہے۔ ارشاد باری ہوا۔ اچھا

ٹھہرو۔ اور پھر حجابِ قدرت کو حق کی جس سے وہ منکشف ہو گئے۔ اب دونوں فرشتوں نے ساقِ عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمدٌ و علیٌ و فاطمۃٌ و الحسنٌ والحسینٌ خیر خلق اللہ فقال جبرئیل یا ربّ اسئلک بحقھم علیک ان تجعلنی خادمھم قال اللہ تعالیٰ قد فعلت فجبرئیل خادم اھل البیت وانہ لخادمنا۔ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوات اللہ علیہم بہترین مخلوق ہیں۔ یہ دیکھ کر جبرئیل نے عرض کیا۔ خداوندا انہیں کے حقوق کا واسطہ جو تجھ پر ہیں۔ مجھے ان کا خادم بنا دے۔ ارشادِ باری ہوا کہ ہاں ہم نے بنا دیا۔ پس اب جبرئیل اہل البیت کے یعنی ہمارے خادم ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ معصوم نے فرمایا۔ ھو من خدامنا وخدام محبینا۔ جبرئیل ہمارے اور محبوں کے خادم ہیں۔

ان کلماتِ مقدسہ سے معلوم ہو گیا کہ خدا مانِ فاطمۃ زہراؑ میں کیسے کیسے روحانیین داخل ہیں۔

رسول اللہؐ کا فاطمہ زہراؑ سے برتاؤ

وہ برتاؤ جو جناب رسول اللہؐ کا اپنی اس پارۂ جگر کے ساتھ تھا۔ ضرور اس کا مستحق ہے کہ اہلِ نظر اس طرف متوجہ ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہؐ کی اور بھی بیٹیاں تھیں۔ لیکن یہ خصوصیت جو فاطمہ زہراؑ سے آپ کو تھی کسی سے نظر نہیں آتی۔ ضرور ہے کہ فاطمہ زہراؑ میں کوئی ایسی ذاتی خصوصیت ہو کہ وہ تعظیم رسولؐ کی مستحق قرار دی جائیں۔ رسول اللہؐ کا قاعدہ تھا کہ جب جناب سیدہ تشریف لاتی تھیں۔ تو آپ

تعظیم فاطمہؑ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور معصومہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر پیشانی اقدس وانور کو بوسہ دیتے تھے۔ اور اپنے مقام پر فاطمہؑ کو جگہ دیتے تھے۔ سبحان اللہ! رسولؐ اللہ کا یہ تعظیم فرمانا اوصاف ذاتیہ فاطمہؑ زہرا کو کس قدر روشن کر رہا ہے۔ ادھر جناب فاطمہ زہرا کا یہ عالم تھا کہ جب رسولؐ اللہ بیت الشرف فاطمہؑ زہرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ تو خود جناب سیّدہ دروازہ کھولتی تھیں اور استقبال کرکے صدر مقام پر بٹھاتی تھیں۔ جب حضرت خیر البشرؐ سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو اخیر میں حضرت سیّدہ سے رخصت ہوتے تھے۔ گویا شمس رسالتؐ کی سیر یہیں سے شروع ہوتی تھی۔ اور جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے بیت الشرف جناب سیّدہ میں آتے تھے۔ اور اپنی صاحبزادی سے مل کر پھر دوسروں کی ملاقات کی طرف توجہ فرماتے تھے۔

شرافت مکانِ فاطمہؑ

یہ تو معلوم ہے کہ مکان فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا خانۂ رسولؐ سے متصل تھا۔ ایک دیوار درمیان میں حائل تھی۔ اور اس میں بھی ایک کھڑکی لگی ہوئی تھی۔ اس مکان کا دروازہ مسجد نبویؐ میں تھا۔ اور اس گھر کے رہنے والوں کو مسجد میں آنے کی ہر وقت اجازت تھی بلکہ یوں کیوں نہ کہئے کہ اسی گھر کے سبب سے مسجد، مسجد کہلائی اور یہی گھر قبلہ وکعبۂ اہل نظر تھا۔ مگر ہم اس گھر کی شرافت کے متعلق ایک حدیث کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔ جس سے اہل ایمان کو بصیرت تامّہ حاصل ہوگی۔

بحار الانوار جلد سابع میں عبداللہ بن عجلان سے روایت ہے کہ میں نے

حضرت باقر علوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا۔ حضرت نے فرمایا کہ علیؑ و فاطمہؑ کا مکان رسول اللہ کے حجروں میں سے ایک حجرہ تھا۔ ان کے مکان کی چھت عرش رب العالمین تھا۔ اور ان کے گھر کے اندر ایک شگاف تھا جو عرش تک کھلا ہوا تھا یہی شگاف جس سے نور عرش متصل تھا۔ نردبانِ وحی تھا۔ ملائکہ ان کے پاس صبح و شام وحی لے کر آتے تھے۔ اور اس سلسلۂ وحی میں ایک لحظہ کا بھی انقطاع نہ تھا۔ ملائکہ کا یہ عالم تھا کہ ایک فوج آتی تھی اور ایک جاتی تھی۔ خداوند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے سے حجاب آسمان اٹھا دیئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ عرش کا معائنہ کرتے تھے۔ خدا نے اُن کی نگاہ میں عجیب قوت دی تھی اور خداوند عالم نے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ صلوات اللہ علیہم کی نگاہ میں یہ قوت عطا فرمائی تھی کہ وہ عرش کو دیکھتے تھے۔ اور وہ سوائے عرش الرحمٰن کے اپنے گھر پر اور کوئی چھت نہیں پاتے تھے۔ پس ان کے گھر عرش اللہ سے مسقف تھے۔ اور ان میں ملائکہ اور روح کے لئے نردبان تھے۔ اور ہر وقت افواج ملائکہ کی آمد و رفت رہتی تھی اور آئمہ میں سے کسی امام کا گھر ایسا نہیں ہے جس میں ملائکہ کے آنے کے زینے نہ ہوں۔ کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیہا باذن ربھم من کل امر سلام۔ نازل ہوتے ہیں۔ اس میں ملائکہ و روح اپنے پروردگار کے اذن سے ہر امر سالم کے ساتھ: راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا "من کل امر" حضرت نے فرمایا نہیں۔ "بکل امر" میں نے عرض کیا۔ کیا یہ تنزیل ہے؟ اس کی صورت نزولی اسی طرح ہے؟ (تاویل تو نہیں) فرمایا ہاں یہ تنزیل ہے۔

اِس حدیث سے اہلِ ایمان معلوم کریں گے کہ خانۂ فاطمہؑ زہراؑ کی کیا شرافت ہے جس کی چھت عرشِ خداوندِ عالم ہے۔ اور اہلبیت کے تمام گھروں کی یہی حالت ہے۔ فی الحقیقت یہ مکین ہی ایسے ہیں۔ جن سے مکان کو یہ شرف ملا۔ اسی حدیث سے ان سب بزرگواروں کا صاحبِ وحی اور مہبطِ ملائکہ و روح ہونا بھی معلوم ہوا۔ اسی کتاب مستطاب میں اسی حدیث کے متصل تفسیر "تنزیل الملائکۃ والروح" میں حضرت صادق علیہ السّلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا والروح روح القدس وھو فی فاطمۃ علیہا السلام کہ روح سے مراد روح القدس ہے اور وہ فاطمہ علیہا السّلام میں ہے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ صاحب روح القدس بھی ہیں صاحب وحی بھی۔ اور مہبطِ ملائکہ بھی۔

روح القدس اور فاطمہؑ

آیاتِ قرآنیہ بشانِ فاطمہؑ

اگر آپ نگاہِ ایمان سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اہلبیت رسُول کا وجُودِ مقدس خود کتاب اللہ ہے۔ اور یہی بزرگوار کتاب اللہ ہیں۔ اور حقیقۃً کتاب انہیں کا قلبِ انور ہے۔ ان کے سبب سے کتاب کتاب ہوئی۔ اور ان کے سبب سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور ناظرِ خبیر پر یہ بھی روشن ہے کہ کتاب اللہ کی کل آیات کا تعلق انہیں بزرگواروں سے ہے۔ اگر مدح ہے تو ان کی اور ان کے دوستوں کی مدح ہے۔ اگر مذمت ہے تو ان کی مذمت ہے جو ان کے دشمن

ہیں۔ اگر احکام و فرائض ہیں تو وہ انہیں کی زبان سے جاری ہوئے۔ اگر وعظ و نصائح ہیں تو وہ انہیں کی سیرت کی تصویریں ہیں لیکن ہم تبرکاً پانچ آیتیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

آیت اوّل۔ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ۔ بے شک اس کے شیعوں میں سے ابراہیم ہے۔ تفسیر کتاب معالم الزلفیٰ میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کو خلق فرمایا۔ تو ان کی آنکھوں کے سامنے سے حجاب اٹھا دیئے۔ اس وقت ابراہیمؑ نے عرش پر نظر کی تو ایک نور جلوہ گر دیکھا۔ سوال کیا کہ خداوندا یہ کس کا نور ہے۔ ارشادِ باری ہوا کہ یہ محمدؐ کا نور ہے۔ جو میرا صفی ہے۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا خداوندا اس کے پہلو میں دوسرا نور بھی ہے یہ کس کا ہے۔ جواب ملا یہ نورِ علیؑ ہے جو میرے دین کا ناصر ہے۔ عرض کیا الٰہی ان دونوں کے پہلو میں تیسرا نور بھی دیکھ رہا ہوں۔ ندا آئی۔ اے ابراہیمؑ یہ فاطمہؑ کا نور ہے جو اس کے باپ اور اس کے شوہر سے متصل ہے۔ اس نے اپنے محبّوں کو دوزخ سے چھڑا لیا التماس کیا الٰہی میں ان سے دو نور اور متصل دیکھ رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ یہ حسنینؑ کے نور ہیں جو اپنے جد و پدر و مادر سے ملحق ہیں۔ پھر گذارش کیا۔ تو نور اور ہیں۔ جنہوں نے ان پانچوں نوروں کا حلقہ کیا ہے۔ صدا آئی کہ یہ ان ائمہ کے انوار ہیں جو ان کی اولاد سے ہوں گے۔ عرض کیا خداوندا ان کے نام کیا ہیں۔ ارشاد ہوا۔ (۱) علیؑ ابن الحسینؑ (۲) محمدؑ بن علیؑ (۳) جعفرؑ ابن محمدؑ (۴) موسیٰؑ ابن جعفر (۵) علیؑ ابن موسیٰؑ (۶) محمدؑ ابن علیؑ (۷) علیؑ ابن محمدؑ (۸) حسنؑ ابن علیؑ (۹) م۔ ح۔ م۔ د۔ ابن الحسن القائم المہدیؑ۔ عرض کیا خداوندا ان انوار کے گرد میں بے شمار انوار دیکھتا ہوں۔ جن کا حساب تو ہی جان سکتا ہے۔ ارشاد ہوا

اے ابراہیمؑ۔ یہ ان کے شیعوں اور ان کے محبوں کے انوار ہیں۔ التجا کی کہ خداوندا ان کے شیعوں کی شناخت کیا ہے۔ ارشاد ہوا (۱) اکیاون رکعت نماز پڑھنا (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر رکعت میں باآواز بلند کہنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) سجدۂ شکر (۵) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔ اس وقت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ خداوندا مجھے بھی ان کے شیعوں میں سے قرار دے۔ جواب ملا کہ ہم نے تجھے قرار دیا۔ پس خدا نے نازل فرمایا۔ تحقیق ان کے شیعوں میں سے ابراہیمؑ ہے جب کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس قلب سلیم لیکر آیا۔

اِس آیت سے جناب سیدہؑ کا تعلق ظاہر ہے۔

(۲) اذا استسقیٰ موسیٰ لقومه الخ۔ جب کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا۔ تفسیر امام حسن عسکریؑ میں منقول ہے کہ جب بنی اسرائیل کو میدان تیہ میں پیاس لگی۔ اور پانی کا کہیں نشان نہ پایا تو سب روتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے اور فریاد کی کہ ہمیں پیاس نے ہلاک کر ڈالا ہے۔ اُس وقت موسیٰؑ نے درگاہِ خدا میں عرض کی کہ خداوند بحق محمدؐ سید الانبیاء و بحق علیؑ سید الاوصیاء و بحق فاطمہؑ سیدۃ النساء و بحق الحسنؑ سید الاولیاء و بحق الحسینؑ سید الشہداء و بحق ذریت طاہرہ خمسہ نجباء اپنے ان بندوں کو پانی پلا دے۔ اُس وقت خدا نے موسیٰؑ پر وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو جناب موسیٰؑ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اس پتھر سے بارہ چشمے ظاہر ہوئے۔ اس آیت کا تعلق بھی حضرت سیدہؑ سے ظاہر ہے۔

(۳) لا یرون فیھا شمسا ولا زمھریرا سورہ ہل اتیٰ میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہل جنت جنت میں نہ سورج کی تپش دیکھیں گے۔ اور نہ زمہریری سردی۔

بحار الانوار میں بطریق مخالفین نقل کیا ہے کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ اہل جنت

جب وہاں ساکن ہوجائیں گے تو ایک نور ملاحظہ کریں گے جس سے تمام جنت چمک اُٹھے گی۔ اہل جنت کہیں گے کہ خداوند اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جنت میں سورج کی روشنی نہ ہوگی۔ اس وقت ندا آئے گی کہ یہ نہ سورج کی روشنی ہے اور نہ قمر کا نور۔ بلکہ علیؑ و فاطمہؑ نے ایک چیز کو دیکھ کر تعجب کیا ہے۔ اور ہنستے ہیں۔ پس یہ ان دونوں کا نور ہے

(۴) قال اللہ تعالٰی فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہٗ۔ یہ آیت سورہ نور کا ٹکڑا ہے۔" ان گھروں میں جن کے لئے خدا نے اذن دیا ہے۔ کہ وہ بلند مرتبہ ہوں۔ اور ان میں اس کا ذکر کیا جائے" بحار الانوار جلد سابع صفحہ ۹۹ میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ہم مسجد رسول اللہؐ میں تھے کہ ایک قاری نے آیت مذکورہ کی تلاوت کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کونسے گھروں کا ذکر ہے۔ قال بیوت الانبیاء واومی بیدہ الی منزل فاطمۃ علیہا السلام۔ آپ نے فرمایا یہ انبیاء کے گھر ہیں۔ اور پھر دستِ مبارک سے منزلِ فاطمہؑ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی کتاب میں انس بن مالک اور بریدہ سے منقول ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ رسول اللہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اُس وقت ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ یہ کونسے گھروں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انبیا کے گھروں کا۔ پس حضرت ابوبکر اُٹھے اور خانہ علیؑ و فاطمہؑ کی طرف اشارہ کر کے بولے کہ یا رسولؐ اللہ یہ گھر انہیں گھروں میں سے ہے۔ قال نعم من افضلہا۔ رسولؐ نے فرمایا ہاں یہ ان گھروں کے افضل گھروں میں سے ہے۔

(۵) قولہ تعالٰی لابلیس: استکبرت ام کنت من العالین۔"

خداوند عالم نے ابلیس سے فرمایا کہ تو نے جو بزرگی چاہی اور تکبر کیا کیا تو بھی بلند مرتبہ

رگوں میں سے تھا۔

تفسیر بحار الانوار جلد سابع میں ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجئے کہ وہ عالین (بلند مرتبہ) کون ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں اور علی اور حسن و حسین۔ ہم سرادق عرش میں تھے۔ خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ اور ملائکہ نے ہماری تسبیح کو سن کر خدا کی تسبیح کی۔ یہ آدمؑ سے دو ہزار برس پہلے کا ذکر ہے۔ جب خداوند عالم نے آدم کو خلق فرمایا تو ملائکہ کو اس کے سجدے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم بھی ہماری ہی وجہ سے دیا گیا تھا۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا مگر ابلیس اس سجدے سے منکر ہوا۔ اُس وقت خدا نے ابلیس سے فرمایا کہ جسے میں نے اپنے ید قدرت سے خلق کیا ہے۔ اُسے تو نے کیوں سجدہ نہ کیا۔ تو نے بڑا ابول بولا۔ کیا تو بھی عالین میں سے تھا۔ یعنی ان خمسہ نجبا میں سے تھا۔ جن کے نام سرادق عرش میں مکتوب ہیں۔ پس ہم خدا کے وہ دروازے ہیں۔ جن میں سے خدا کی طرف آیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہی سبب سے ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پاتے ہیں۔ پس جس نے ہمیں دوست رکھا۔ اُسے خدا نے دوست رکھا اور جس نے ہم سے دشمنی کی خدا نے اس سے دشمنی کی۔ اور اسے داخل جہنم کر دیا۔ اور ہمیں وہی دوست رکھتا ہے جس کا مولد پاک ہو یعنی حلال زادہ ہو۔

ان آیات کے علاوہ آیۂ تطہیر (جس کا مختصر ذکر پہلے گذرا) آیۂ قربیٰ۔ آیۂ مباہلہ و دیگر آیات مشہور و معروف ہیں جن میں جناب فاطمہؑ کی شرکت اظہر من الشمس ہے۔

جناب فاطمہؑ کا مہر اور نچھاور

سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ بظاہر تو مہر جناب سیدہ زرہ حطمہ کی قیمت تھی

جو چار سو درہم تھی۔ لیکن روحانیوں کے نزدیک مہر جناب سیدہ آنا کچھ ہے جس کا تصور ہمارے ذہن سے باہر ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق چند ارشادات معصوم درج کئے جاتے ہیں۔

کتاب امالی صدوق و بحار الانوار جلد عاشر و دیگر کتب میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ایک روز ام ایمن خدمت رسول اللہؐ میں حاضر ہوئیں۔ ان کی چادر میں کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ عرض کیا کہ فلاں عورت کی شادی تھی۔ سسرال والوں نے اس پر نچھاور کیا تھا۔ میں نے بھی اس میں سے اٹھا لیا۔ یہ کہہ کر رونے لگیں۔ اور سبب گریہ دریافت کرنے پر عرض کیا کہ آپ نے فاطمہؑ کی شادی کی مگر ان پر کچھ نثار نہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ام ایمن مجھوٹ نہ بولو۔ خداوند عالم نے اشجار جنت کو حکم دیا تھا کہ وہ اہل جنت پر زیورات حلے یاقوت مرتی۔ زمرد اور استبرق نچھاور کریں، اہل جنت نے انہیں اس قدر لوٹا کہ تم نہیں جان سکتی اور خداوند عالم نے فاطمہؑ کے مہر میں "طوبیٰ" کو قرار دیا ہے۔ اور اسے علیؑ کے گھر میں نصب فرمایا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جناب فاطمہؑ نے رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے اسی مہر خسیس دنیا پر مجھے تزویج کیا ہے؛ فرمایا ہرگز نہیں۔ میں نے ہرگز تجھے تزویج نہیں کیا بلکہ خدا نے کیا ہے اور تیرا مہر دنیا کا خمس مقرر کیا ہے۔ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔

حضرت باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ اے محمدؐ میں نے علیؑ کی طرف سے فاطمہؑ کے لئے دنیا کا خمس اور جنت کا ثلث قرار دیا۔ اور

زمین کے چار دریا ان کے لئے مقرر کئے گئے (۱) دریائے فرات (۲) دریائے نیل (۳) دریائے نہروان (۴) دریائے بلخ۔ اے محمدؐ تم علیؑ سے فاطمہؑ کی شادی پانچسو درہم پر کردو۔ تاکہ یہ تمہاری اُمّت کے لئے سنّت قرار پا جائے۔

حضرت رسولؐ اللہ سے سوال کیا گیا کہ فاطمہؑ کا مہر زمین پر تو ہمیں معلوم ہوا لیکن ان کا مہر آسمانی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ضروری بات دریافت کرو۔ اس نے عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ مجھے تو اسی کی ضرورت ہے۔ فرمایا آسمان میں ان کا مہر دنیا کا خمس ہے پس جو زمین پہ چلے۔ اور وہ فاطمہؑ و اولادِ فاطمہؑ کا دشمن ہو تو وہ بطریق حرام چل رہا ہے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔

اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں۔ کسی میں خمس دنیا کا ذکر ہے۔ کسی میں رُبع دنیا کا۔ کسی میں کل دنیا کا۔ اور سب اپنے اپنے محل کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

مسئلہ خمس کو جس قدر مسلمانوں نے برباد کیا ہے۔ شاید کسی مسئلے کو نہ کیا ہوگا۔ حالانکہ یہ مہرِ فاطمہؑ ہے۔ اور حق مخصوص ہے۔ اولادِ فاطمہؑ کا۔ شیعہ مسلمانوں کو تو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

خدا کی طرف سے فاطمہؑ کے لئے سوغات

اس سے قبل ہم طعام جنت کا آنا جناب سیّدہ کے لئے نقل کر چکے ہیں۔ مگر جی یہ چاہتا ہے کہ اس کے متعلق کچھ اور بھی لکھا جائے جس سے اہل ایمان کے دل مسرور ہوں۔ مدینۃ المعاجز اور بحار الانوار جلد عاشر میں صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ ایک روز رسولؐ اللہ بیت الشرف سیّدہؑ میں تشریف لائے۔ اور کہا کہ اے فاطمہؑ

آج کے دن تمہارا باپ تمہارا مہمان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے پدر بزرگوار حسنینؑ نے کھانا طلب کیا۔ مجھے ان کی گرسنگی دفع کرنے کے لئے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ مگر جناب رسول اللہؐ، علیؑ و حسنینؑ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اس وقت فاطمہؑ متحیر تھیں کہ کیا کروں۔ رسول اللہؐ نے جانب آسمان نظر اٹھائی۔ جبرئیلؑ نازل ہوئے۔ اور کہا کہ حق تعالیٰ علی اعلیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ سے پوچھو کہ اس وقت جنت کے کون سے میوے کی آرزو ہے۔ پیغمبر خدا نے ان بزرگواروں سے پوچھا۔ انہوں نے حیا سے کچھ جواب نہ دیا۔ اس وقت امام حسینؑ گویا ہوئے۔ اے پدر بزرگوار امیر المومنینؑ اے مادر گرامی۔ اے برادر (حسنؑ) کیا آپ مجھے اذن دیتے ہیں کہ آپ کی طرف سے میں طلب کروں۔ سب نے کہا شوق سے۔ جو تم چاہو طلب کرو۔ ہم اس پر رضا مند ہیں۔ اس وقت صاحبزادے نے اپنے نانا سے التماس کیا کہ آپ جبرئیلؑ سے کہہ دیجئے کہ ہم خرمائے تازہ چاہتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا خدا اس خواہش کو پہلے سے جانتا ہے۔ فاطمہؑ! تم گھر میں جاؤ۔ اور جو چیز رکھی ہوئی ہے لے آؤ۔ آپ داخل حجرہ ہوئیں۔ ایک طبق بلورین دیکھا جو حریر سبز سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اس میں رطب تازہ چنے ہوئے تھے۔ جب فاطمہ علیہا السلام وہ خوان اٹھا کر لائیں تو رسول اللہؐ نے پوچھا یہ کہاں سے آگیا۔ فرمایا خدا کی جانب سے ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے بےحساب روزی دیتا ہے۔ یہ فقرہ مریم بنت عمران نے حضرت زکریاؑ کے استفسار پہ کہا تھا غرض رسولؐ اللہ کھڑے ہوئے۔ خوان لے کر سامنے رکھ لیا۔ اور بسم اللہ کہہ کر ایک رطب اٹھا کر حسینؑ کے منہ میں دبا دیا اور فرمایا ھنیئًا مریئًا لک یا حسینؑ اے حسینؑ تمہیں گوارا ہو۔ پھر دوسرا رطب اٹھا کر حسنؑ کے منہ میں رکھا اور فرمایا ھنیئًا مریئًا

لک یا حسنؑ۔ پھر تیسرا رطب اٹھا کر جناب فاطمہؑ کو کھلایا اور ارشاد کیا ھنیئاً مریئاً لک یا فاطمۃ۔ پھر چوتھا رطب اٹھا کر امیر المومنین کو کھلاتے ہوئے فرمایا۔ ھنیئاً مریئاً لک یا علیؑ۔ پھر پانچواں رطب بھی اٹھا کر علیؑ کو کھلایا اور کہا ھنیئاً مریئاً لک یا علیؑ۔ پھر رسول اللہ کھڑے ہو گئے۔ اور پھر تشریف فرما ہوئے اور بعدازاں سب نے مل کر وہ رطب تناول فرمائے۔ جب سب بزرگوار کھا چکے تو وہ خوان آسمان کی طرف بلند ہو کر غائب ہو گیا۔ اس وقت جناب فاطمہؑ نے عرض کیا کہ اے پدر بزرگوار آج مجھے آپ کے افعال نے تعجب میں ڈال دیا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ نورِ نظرِ من! بات یہ ہے کہ جب میں نے پہلا رطب اٹھا کر حسینؑ کو کھلانا چاہا تو اسرافیل و میکائیل کی طرف سے صدائے تہنیت بلند ہوئی۔ میں نے بھی ان کی موافقت کی۔ جب دوسرا رطب حسنؑ کے لئے اٹھایا تو جبرئیل و میکائیل تہنیت دے رہے تھے۔ میں نے بھی وہی کلمات زبان پر جاری کئے۔ جب تیسرا رطب تمہارے لئے اٹھایا تو حوروں کی تہنیت کی آواز آئی وہی صدا میں نے بلند کی۔ جب میں نے چوتھا رطب اٹھایا اور علیؑ کو کھلایا تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی آواز سُنی۔ جو علیؑ کی تہنیت کے لئے بلند ہوئی تھی۔ پھر میں نے دوسرا رطب بھی علیؑ کو دیا (اسی اشتیاق میں کہ پھر یہ دلربا آواز سنوں)۔ اور پہلی ہی آواز پھر سُنی۔ پھر میں اس آواز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس وقت میں نے سُنا کہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اگر تم علیؑ کو قیامت تک اسی طرح ایک ایک خرما کھلاتے رہو تو ہم برابر ھنیئاً مریئاً کہتے رہیں گے۔

کتاب ثاقب المناقب سے نقل کیا ہے کہ جابر انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس ایک ترنج جنت سے تحفۃً آیا۔ جس کی خوشبو سے اہل مدینہ مہک

اٹھے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے حجرۂ اُمِ سلمہ میں وہ ترنج طلب کیا۔ اور اس کے پانچ ٹکڑے کئے۔ ایک آپ نے خود تناول کیا۔ ایک علی کو دیا۔ ایک فاطمہ کو مرحمت فرمایا اور ایک ایک حسنین کو۔ اُم سلمہ بولیں کہ میں بھی تو آپ کی زوجہ ہوں (میرا بھی حق دیجئے!) فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن جبرئیل یہ تحفہ لے کر آئے تھے۔ اور ارشادِ باری یہ تھا کہ اسے میں خود کھاؤں اور اپنی عترت کو کھلاؤں۔

مفضل بن عمر نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم مسجدِ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اور مہاجرین و انصار اس بزرگوار کو گھیرے ہوئے تھے۔ ناگاہ مسجد میں ایک پارۂ ابر داخل ہوا کہ اس میں سے کبھی آوازِ تند نکلتی تھی۔ اور کبھی صدائے نرم یہ دیکھ کر رسول اللہ نے فرمایا کہ اے ابوالحسن ہمارے پاس خدا کی طرف سے ہدیہ آیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ ناگاہ سب نے دیکھا کہ دستِ مبارک میں ایک جام چمک رہا ہے کہ جس کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی ہیں۔ اور ایک خوشبو مسجد میں پھیل رہی ہے۔ اور وہ جام فصیح عربی میں خدا کی حمد و ثنا کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ سلام ہو آپ پر اے حبیب اللہ۔ اے صفوۃ اللہ۔ اے رسولِ مختار اور تمام ادیان و ملل سے افضل۔ سلام ہو آپ کے وصی پر جو خیر الوصیین ہے۔ اور آپ کا بہترین بھائی ہے۔ اور طالبانِ نور کے لئے نور ہے مقتدیوں کے لئے روشن چراغ ہے۔ اور سلام ہو اس کی زوجہ پر جو فاطمہ ہے۔ بہترین زنانِ عالمین ہے۔ چمکنے والوں میں چمکنے والی ہے۔ بتول ہے اور ائمہ راشدین کی مادرِ مطہر ہے۔ اور سلام ہو آپ کے سبطین۔ نورین۔ قرۃ عینین۔ حسن و حسین پر۔ یہ کلمات تمام حاضرین نے سنے۔ اور رسول اللہ حمد و ثنائے خالق میں محو تھے۔ حتیٰ کہ وہ

جام گویا ہوا۔ یا رسول اللہ مجھے خدا نے آپ کی طرف۔ علی کی طرف۔ آپ کی بیٹی فاطمہؑ کی
طرف اور حسنینؑ کی طرف بھیجا ہے۔ آپ مجھے اب علیؑ کے ہاتھ میں لوٹا دیجئے۔ چنانچہ
رسول اللہ نے وہ جام علیؑ کو دیا۔ امیر المومنینؑ نے اسے دستِ مبارک میں لے کر بوسہ دیا
اور سونگھا اور فرمایا مرحبا ہے۔ اس تحفہ تقرب پر جو خدا کے رسول اور اس کے اہل بیتؑ
کے لئے آیا ہے۔ آپ حمد باری میں مشغول تھے اور وہ جام بھی تسبیح و تہلیل کر رہا تھا کہ
اس نے آواز دی یا رسول اللہ علیؑ سے کہہ دو کہ مجھے فاطمہؑ اور حسنینؑ کے حوالے کریں چنانچہ
امیر المومنینؑ اس جام کو لے کر کھڑے ہوئے۔ اس جام سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں
اور خوشبو نے اس کی سب کو مست کر رکھا تھا۔ پس امیر المومنین وہ جام لے کر داخلِ بیتؑ
الشرف ہوئے اور اُسے فاطمہؑ و حسنینؑ کے حوالے کیا۔ ان بزرگواروں نے باری باری
اس جام کو لیا۔ بوسے دیئے، سونگھا۔ خدا کی حمد و ثنا کی۔ اور وہ جام بھی برابر محو حمد باری رہا
پھر وہ جام رسول اللہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس وقت ایک شخص اٹھ کر کہنے لگا یا رسول اللہ
خدا کے پاس سے جو ہدیہ آتا ہے وہ آپ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے مخصوص
کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے شخص تو کس دلیری سے گفتگو کرتا ہے
کیا تو نے اس جام کا قول نہیں سنا۔ پھر کیوں اس شے کا سوال کرتا ہے جو تیرے لئے
نہیں۔ وہ شخص پھر گویا ہوا۔ یا رسول اللہ کیا آپ مجھے اس کے لینے۔ بوسہ دینے اور
سونگھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو۔ یہ چیز تیرے لئے
نہیں ہے۔ پھر عرض کیا کہ اچھا مجھے چھونے کی ہی اجازت دے دیجیے۔ رسول اللہ
نے ارشاد کیا کہ افسوس ہے اس بے موقعہ اصرار پر۔ اچھا اٹھا اسے لے۔ اگر تو نے اسے
ہاتھ میں لے لیا تو محمدؐ کو خدا کا سچا رسول نہ سمجھنا۔ اس شخص نے جام کی طرف ہاتھ دراز کیا

مگر نہ پہنچ سکا۔ جام ہوا میں بلند ہو گیا۔ اور کہتا تھا یا رسول اللہ مجھ جیسے کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔ اس وقت رسول اللہ نے ارشاد کیا اے شخص تو کس قدر خدا و رسولؐ کے سامنے جرأت کرتا ہے۔ اے ابوالحسنؑ اٹھو۔ اس جام کو لو۔ اور اس سے کہو کہ خدا کا ایک اور پیغام تجھے ہمیں پہنچانے کے لئے ملا تھا جسے تو بھول گیا۔ اس جام سے آواز آئی کہ اے رسول اللہ کے بھائی بالکل صحیح ہے۔ مجھے خدا نے حکم کیا ہے کہ آپ حضرات کی خدمت میں عرض کروں کہ خدا نے مجھے آپ کے شیعوں میں سے ہر مومن و مومنہ کے لئے وقف کیا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی وفات کے وقت موجود رہوں تا کہ وہ موت سے متوحش نہ ہو۔ آپ کی طرف نظر کرنے سے اسے تسکین ملے۔ اور میں اس کے سینے پر نازل ہوں۔ اور اپنی خوشبو سے اسے بے ہوش کر دوں۔ یہاں تک کہ اس کی روح قبض ہو جائے اور اُسے خبر بھی نہ ہو۔

معانی الاخبار میں مروی ہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں جبرئیل چالیس درہم حنوط رکافور لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اس کے تین حصے فرمائے۔ ایک حصہ اپنے لئے رکھا۔ ایک علی کو عطا فرمایا اور ایک فاطمہ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

جناب زینبؑ بنت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے کہ ایک دن صبح کو میرے پدر بزرگوار نے رسول اللہ کے ہمراہ نماز پڑھی۔ بعد ادائے نماز رسول اللہ نے فرمایا یا علیؑ تمہارے ہاں کچھ کھانے کا بندوبست ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ آج تین دن اسی طرح گذر چکے ہیں کہ کچھ میسر نہیں ہوا۔ رسول اللہ کریا ہوئے۔ آؤ فاطمہ کے پاس چلیں۔ غرض گھر میں پہنچے تو دیکھا کہ فاطمہؑ کی اور بچوں کی حالت غیر ہے۔ جناب فاطمہ شرماکر کھڑی ہو گئیں اور نماز ادا کی۔ ایک آواز خفیف نے حضرت کو متوجہ کیا۔ کیا دیکھتی ہیں کہ ایک کاسہ جنگ تہید اور

گوشت سے بھرا ہوا ہے، لے کر جناب رسول اللہ کی خدمت میں آئیں۔ جناب امیر نے سیدہ کی جانب تعجب سے دیکھا اور پوچھا۔ سیدہ نے جواب دیا کہ یہ خدا کی جانب سے ہے وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ رسول اللہ یہ سن کر مسکرائے اور کہا شکر ہے خدا کا جس نے میرے اہل بیت میں زکریا و مریم کی نظیر قائم کی۔ اسی اثنا میں ایک سائل دروازے پر آیا۔ رسول اللہ نے اسے دھتکار دیا اور کہا کہ دور ہو۔ اور اہل بیت سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اے علیؑ یہ ابلیس ہے۔ طعام جنت کے لئے آیا ہے۔ غرض سب بزرگوں نے اسے نوش کیا اور پھر وہ کاسہ غائب ہو گیا۔

کنیزانِ فاطمہؑ کا مرتبہ

آقا کی شرافت کا اثر غلام میں ضرور ہو گا۔ بشرطیکہ اس میں قابلیت بھی ہو۔ اور وہ ظرف بھی رکھتا ہو صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اثر لینے کی استعداد بھی ہو۔

حضرت زہرا صلوات اللہ علیہا کی خدمت میں جن عورتوں کو خصوصیت حاصل ہو گئی تھی۔ ان پر بھی خدا کی طرف سے ہدیے نازل ہوتے تھے اور بارگاہِ ایزدی میں ان کی دعا مستجاب ہوتی تھی۔

مناقب ابن شہر آشوب میں بروایت مالک ابن دینار منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے راہِ مکہ میں ایک ضعیفہ کو دیکھا جو ایک نہایت ہی لاغر جانور پر سوار تھیں۔ جس میں دو قدم چلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ لوگوں نے اس ضعیفہ سے کہا کہ تم سفر سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اور اپنے گھر پلٹ جاؤ۔ اس نے نہ مانا۔ آخر ایک بیابان میں پہنچ کر اس کا جانور چلنے سے رہ گیا۔ میں نے اس ضعیفہ کو سرزنش کی اس نے آسمان کی طرف سر اٹھا

کہا۔ لا فی بیتی ترکتنی ولا الی بیتک حملتنی فوعزتک وجلالک

لوفعل بی ھذا غیرک لما شکوتہ الا الیک ۔

خداوندا نہ تو تو نے مجھے میرے گھر میں رہنے دیا نہ اپنے گھر میں پہنچایا تیرے

عزت وجلال کی قسم اگر کوئی دوسرا میرے ساتھ یہ سلوک کرتا تو میں اس کا شکوہ

تیرے سے ہی کرتی (مگر تیرا شکوہ کس سے کروں)

راوی کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا ایک شخص بیابان سے مہار ناقہ تھامے تیز قدم آرہا

ہے۔ آتے ہی ضعیفہ سے کہا کہ اس پر سوار ہو جاؤ۔ وہ سوار ہو گئیں۔ ناقہ لے کر چلا گیا۔

پھر ہم نے اسے مکہ میں طواف خانہ کعبہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے قسم دے

کر پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں شہرہ بنت اسکہ

بنت فضہؓ ہوں۔

کتاب خرائج میں منقول ہے کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کے بعد

ام ایمن نے قسم کھائی کہ میں اب مدینہ میں نہ رہوں گی۔ یہ مخدرہ مدینے سے نکلی اور مکہ

کی راہ لی۔ راہ میں اس قدر تشنگی غالب ہوئی کہ ہلاکت کا خوف ہوا۔ دست دعا بلند

کئے اور عرض کیا خداوندا میں فاطمہ زہراؑ کی خادمہ ہوں۔ مجھے پیاس ہلاک کئے ڈالتی ہے

اس وقت خداوند عالم نے ایک ڈول پانی کا آسمان سے نازل فرمایا جسے پی کر سات

برس تک کھانے اور پینے کی احتیاج نہ ہوئی۔ گرمی کی شدت میں لوگ ان کی آزمائش

کرتے تھے مگر کبھی انہیں پیاس کی شدت نہ ہوتی تھی۔

معجزہ فاطمہؑ

معجزہ اصل میں اس قوت تصرف کا نام ہے جو کسی عبد خاص

کو تقرب خداوندی کے سبب سے حاصل ہوتی ہے اور

وہ حسب مصلحت جب چاہتا ہے۔ اس کا اظہار کرتا ہے۔

جس قدر احادیث اس وقت تک بیان ہو چکی ہیں ان سے کافی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب فاطمہ کو ایسا تقرب خداوندی حاصل تھا۔ جس سے فرق ممکن نہیں ہے یہیں سے اہل عقل نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آپ کو کون ومکان پر کس قدر حکومت حاصل ہو گی۔ اور ان کا تصرف کس قدر بڑھا ہوا ہو گا۔

شروع زمانۂ رسالت میں جب کفار کا رسول اللہ پر چاروں طرف سے ہجوم تھا تو ایک روز چند کافر مل کر خدمت رسالت پناہ میں آئے اور کہنے لگے کہ آپ پیغمبری کا دعوےٰ کرتے ہیں ۔ اور سب پیغمبروں سے اپنے آپ کو افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ سب پیغمبر معجزات دکھاتے تھے۔ آپ بھی دکھایئے (ان لوگوں کو معلوم ہوتا ہے یہودیوں نے سکھا پڑھا کر بھیجا تھا) چند آدمیوں نے کہا کہ ہمیں مثل نوح علیہ السلام طوفان دکھا دو۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ابراہیمؑ پر آگ سرد ہو گئی تھی آپ بھی یہ معجزہ دکھایئے۔ ایک جماعت نے کہا کہ موسیٰؑ نے پہاڑ کو اٹھا کر روک دیا تھا آپ بھی ایسا ہی کیجئے۔ ایک گروہ بولا۔ کہ عیسیٰؑ کی مانند کوئی معجزہ ظاہر کرو۔ وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ کل تم نے کیا کھایا ہے اور کیا ذخیرہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بشیر ونذیر ہوں۔ اور بہترین معجزہ قرآن لایا ہوں۔ اگر تمہیں کوئی معجزہ دکھایا گیا اور تم ایمان نہ لائے تو پھر عذاب تم پر مستحق ہو جائے گا۔ پھر باذن اللہ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ جو طالب معجزہ نوحؑ ہے۔ وہ کوہ ابو قبیس پر جا کر قدرت خدا کا تماشا دیکھے اور جب تم لوگ وہاں ہلاکت کے قریب پہنچو تو علیؑ اور ان کے بیٹوں سے نجات طلب کرنا۔ طالبان معجزہ ابراہیمیؑ سے فرمایا کہ تم بیابان مکہ میں جاؤ۔ اور ابراہیمؑ کا معجزہ دیکھو

جب نوبت بجان پہنچے تو اس وقت ہر اہیں ایک عورت نظر آئے گی۔ اس سے پناہ کے طالب ہونا۔ طالبانِ معجزہ موسوئی سے فرمایا کہ تم لوگ خانہ کعبہ کے نزدیک جا کر ٹھہرو۔ جب معجزہ موسیٰ ظاہر ہو تو بہ برکتِ حمزہؓ نجات ہوگی۔ اور ابو جہل وغیرہ سے فرمایا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ جب یہ تینوں گروہ پلٹ کر آئیں تو تمہیں معجزہ عیسیٰؑ دکھایا جائیگا۔

پہلا گروہ کوہ ابو قبیس پر پہنچا۔ ناگاہ دامنِ کوہ سے پانی جوش کھانے لگا اور بغیر ابر کے بارش ہونے لگی۔ سیلاب بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں پانی پہاڑ تک پہنچا اور ان لوگوں کے گلے تک پہنچ گیا۔ اس وقت امیر المومنینؑ معہ دونوں صاحبزادوں کے بالائے آب نظر آئے۔ ان لوگوں نے پناہ مانگی۔ ان میں سے بعض کا ہاتھ امیر المومنینؑ نے پکڑا۔ اور بعض کا صاحبزادوں نے۔ پہاڑ کے نیچے لے آئے وہاں پانی کا کہیں نشان نظر نہ آیا۔ امیر المومنینؑ انہیں لئے ہوئے خدمتِ پیغمبرؐ میں آئے۔ وہ لوگ رو رو کر کہتے تھے کہ ہم نے معجزہ نوحؑ کو دیکھ لیا۔ ہم کو علیؑ اور ان کے صاحبزادوں نے نجات دی مگر وہ دونوں صاحبزادے اب نظر نہیں آتے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ وہ بہترین جوانانِ بہشت ہیں۔ حسنؑ و حسینؑ ہیں جو میرے بھائی علیؑ سے پیدا ہوں گے۔ اور یہ دنیا ایک دریائے خوفناک ہے۔ اس سے نجات دینے والے علیؑ اور اس کے فرزند ہیں۔

دوسری جماعت بیابان مکہ میں پہنچی۔ وہاں جاتے ہی دیکھا کہ آسمان سے آگ برسنے لگی۔ زمین شق ہوئی اور اس میں سے بھی شعلے نکلنے لگے۔ آگ نے بیابان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ قریب تھا کہ سب کے سب جل بھن کر رہ جائیں۔ اس وقت ایک بی بی ہر اہیں معلق نظر آئی۔ اور اس کی چادر میں سے ہر طرف تار لٹک رہے تھے۔ ایک ہاتف نے ندا دی کہ ان تاروں کو تھام لو۔ رہائی ہو جائے گی۔ سب نے ایک ایک

تار ہاتھ میں لے لیا۔ اُس بی بی نے سب کو ہوا پہ اٹھا لیا۔ نہ کوئی تار ٹوٹا اور نہ آگ کی حرارت نے کچھ اثر کیا اور انہیں ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ وہ سب حضرت کی خدمت میں آئے۔ زار زار روتے تھے۔ اور حضرت کی صداقت کی گواہی دیتے تھے پھر ان لوگوں نے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ میری نورِ نظر فاطمہؑ ہے جس وقت وہ عرصۂ محشر میں آئے گی۔ گوشہ چادر اس کا آویزاں ہوگا اور ہزار علی دوستانِ فاطمہ ایک ایک تار چادر کا پکڑ کر حرارتِ محشر سے نجات پائیں گے۔

اسی طرح بقیہ خواہش بھی کفار کی پوری کی گئی۔ ہمارا مقصود اس کے درج کرنے سے جو ہے وہ ظاہر ہے۔ یعنی تصرفاتِ فاطمیہؑ کا اندازہ اہلِ ایمان بہت اچھی طرح سے کر سکتے ہیں۔

فاطمہ شامیہ

منشی محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی نے حضرت سیدہ کے حالاتِ زندگی اپنے طریق پہ جمع کئے ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب میں واقعہ درج کیا ہے۔ ہم بھی اسے ناظرین کی تفریحِ طبع کے لئے درج کرتے ہیں۔

فاطمہ شامیہ ملک شام کے ایک امیر کی لڑکی تھی۔ نہایت دیندار۔ عبادت گذار کتبِ مقدسہ کی عالمہ اور علمِ نجوم میں کامل۔ انہیں معلوم ہوا کہ خاتم النبیینؐ کی ولادت کا زمانہ قریب ہے تو مکے میں آئیں۔ حضرت عبداللہ سے ایک دن ملاقات کی۔ ان کی پیشانی میں نورِ رسالت کی درخشندگی دیکھ کر نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا کہ اپنے والد کی بلا اجازت میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ دنوں بعد جب حضرت عبداللہ کی شادی

جناب آمنہؓ سے ہوگئی۔ اور وہ نور منتقل ہوگیا تو پھر حضرت عبداللہ فاطمہ شامیہ کے ہاں پہنچے اور نکاح کی خواہش کی۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ نور جس کے اشتیاق میں نکاح کی درخواست کی گئی تھی۔ اب آپ کے پاس نہیں رہا۔ وہ دوسرے کی تقدیر کا ہو چکا۔

اسی فاطمہ شامیہ نے حضرت فاطمہؑ زہرا کی ذکاوت و فراستِ خداداد کا حال سنا تو آپ سے ملنے کے لئے آئیں۔ اور شام سے بہت سے تحائف، زیورات، جواہرات، ہیرے اور کھانے پینے کی چیزیں بافراط اپنے ساتھ لائیں۔ بنتِ رسولؐ نے نہایت تپاک اور گرم جوشی سے ان کا خیر مقدم کیا۔ اور جب وہ تحائف آپ کے سامنے فاطمہ شامیہ نے پیش کئے تو حضرت زہراؑ نے ان سے اجازت لے کر وہ سارے اسلام کی خدمت کے لئے دے دیئے۔ اور کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے ان مسلمانوں کی نذر کر دیئے۔ جو اس وقت خدمتِ اسلام میں سرگرم رہتے تھے۔ فاطمہ شامیہ پیغمبر زادی کے اس ایثار اور سیر چشمی پر عش عش کرنے لگیں۔ آپ کو سینے سے لگا لیا اور جب تک زندہ رہیں ہمیشہ جناب زہراؑ کی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

تعلیمِ دعا

جن بزرگوں کو اہلبیتِ عصمت و طہارت سے توسّل ہوگیا تھا۔ انہیں کیا کیا نعمتیں حاصل نہیں ہوئیں سب ہی کچھ مل گیا اور حضرت سلمانؓ نے تو اس گھر سے وہ فیض حاصل کیا کہ باید و شاید۔ یہی پہلے ایرانی تھے جنہوں نے نہ صرف اپنے لئے ایمان کا تمغہ حاصل کیا بلکہ اپنی قوم کے لئے بھی بہت کچھ ایمانی تمغے اکٹھے کر گئے۔ اور رسول اللہ نے فرما دیا۔ لوکان الایمان بالثریا لتناله رجال الفرس۔ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا جائیگا

تو بھی اہلِ ایران اسے حاصل کرلیں گے۔ یعنی دنیا بھر میں کہیں ایمان کا نشان نہ ہو مگر ایران میں ضرور اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے گا۔ ہمارا تو خیال ہے کہ یہ حضرت سلمانؓ کی برکت ہے جو سرزمین ایران کو یہ شرف نصیب ہوا۔

حضرت سلمانؓ کو جو جو اسرار و حقائق اہلِ بیتؑ سے ملے ہیں ان کو کون جان سکتا ہے۔ ہاں وہی جان سکتا ہے جو سلمانؓ کی طرح ایمان کے دسوں درجے طے کر جائے۔

حضرت زہراؑ نے سلمانؓ کو ایک دعا تعلیم کی۔ سلمانؓ کہتے ہیں کہ ایک ہزار سے زیادہ آدمیوں کو بخار آتا تھا جن کو یہ دعا تعلیم کی۔ سب اس کی برکت سے صحت یاب ہو گئے۔ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ النُّوْرِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ هُوَ مُدَبِّرُ الْاُمُوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ النُّوْرَ مِنَ النُّوْرِ وَاَنْزَلَ النُّوْرَ عَلَی الطُّوْرِ فِیْ كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ بِقَدَرٍ مَّقْدُوْرٍ عَلٰی نَبِیٍّ مَّحْبُوْرٍ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هُوَ بِالْعِزِّ مَذْكُوْرٌ وَّبِالْفَخْرِ مَشْهُوْرٌ وَّعَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ مَشْكُوْرٌ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ ۔

یہ دعا آج بھی وہی اثر رکھتی ہے بشرطیکہ قلب صاف ہو۔ اور دعا کرنے والا آداب دعا سے واقف اور طریق تقویٰ کا سالک ہو۔ ظاہر ہے کہ اس نورانی دعا کے سامنے ناریت بخار ہرگز نہیں ٹھہر سکتی۔

...❊...

تکلم بقرآن

اسی سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب زہراؑ کی کنیز خاص جناب فضہؓ کا واقعہ ذکر کیا جائے جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بزرگوار جو منزل قرآن تھے۔ان سے متوسل ہونے والا اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اپنی تمام ضروریات قرآن سے ہی پوری کرتا تھا اور سوائے الفاظِ قرآن کوئی لفظ ان کی زبان پر جاری نہ ہوتا تھا۔فی الحقیقت یہی لگ اہلِ قرآن بلکہ رُوحِ قرآن تھے۔

استاذ المحدثین ابو القاسم قشیری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص قافلۂ حج سے صحرا میں علیحدہ ہو گیا۔وہاں اُسے ایک ضعیفہ ملی۔اُس نے پوچھا تو کون ہے۔اُس نے کہا قُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔سلام کرو۔پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا۔اس نے سلام کر کے پوچھا اس صحرا میں کیا کرتی ہو۔جواب دیا مَنْ یَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ جسے خدا ہدایت کرتا ہے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ راستہ بھول گئی ہے۔پھر پوچھا کہ تم انسان ہو یا قوم جنات سے۔اُس نے جواب دیا یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ۔اے بنی آدم تم جمعہ کے دن آرائش کرو۔پوچھا کہاں سے آئی ہو۔کہا یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ۔وہ مقام دُور و دراز سے حج کے لئے بلائے جاتے ہیں۔سوال کیا کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ الخ۔مستطیع لوگوں پر حج واجب ہے۔پوچھا قافلے سے کب جدا ہوئی لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ہم نے زمین و آسمان کو چھ دن میں خلق فرمایا ہے۔اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ چھ دن قافلے سے جدا ہوئے گزر گئے

پھر سوال کیا۔ کھانے کی خواہش ہے؟ کہا مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا اَیَا کُلُوْنَ الطَّعَامَ۔ ہم نے اجسام غذا کے ہی لئے بنائے ہیں۔ یہ سُن کر اُنہیں کھانا کھلایا اور اپنے ہمراہ لیا اور کہا اے زنِ صالحہ جلد جلد چلو۔ اُس نے جواب دیا۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ خدا نے کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ اس نے کہا کہ اچھا میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ اُنہوں نے کہا لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ اگر زمین و آسمان میں سوائے خدا کے اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان کے انتظام میں خلل پڑ جاتا۔ اس شخص نے سمجھ لیا کہ یہ زنِ صالحہ عورت و مرد کا ایک جگہ جمع ہونا موجب فساد جانتی ہے۔ اور اس سے کراہت کرتی ہے۔ خود پیادہ ہو گیا۔ اور اپنی سواری کا اُونٹ خالی کر کے کہا کہ آپ سوار ہو جائیے۔ وہ سوار ہوئی۔ اور کہا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارا مسخر کیا راوی کہتا ہے کہ جب ہم قافلے میں پہنچے تو میں نے پوچھا کہ تمہارا کوئی عزیز اس قافلے میں ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ۔ یَا مُوْسٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ۔ ان چاروں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو نام ان آیات میں موجود ہیں ان کے ہم نام اس کے عزیز قافلے میں ہیں۔ چنانچہ جب یہ نام لے کر آواز دی تو چار نوجوان قافلے سے نکل کر ہماری طرف آئے۔ میں نے اس بی بی سے پوچھا کہ ان سے تمہارا کیا رشتہ ہے وہ بولی۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ مال اور اولاد زندگی دنیا کی زینت ہیں۔ جب وہ نوجوان قریب آئے تو یہ آیت تلاوت کی قَالَتْ یَا اَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ

دختر شعیبؑ نے کہا اے بابا اس (موسٰیؑ) کو اجیر مقرر کر لو۔ کیونکہ بہترین اجیر وہی ہے جو قوی اور امین ہو۔ وہ نوجوان اس کا مطلب سمجھ گئے اور کچھ مال بطور اُجرت سامنے رکھا۔ ضعیفہ بولی وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ خداوند عالم جس کے لئے چاہتا ہے دُگنا کر دیتا ہے۔ یہ سُن کر ان نوجوانوں نے اور اس مال میں اضافہ کیا۔ میں نے چلتے ہوئے پوچھا کہ یہ بی بی کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہماری مادر گرامی فضہؓ خادمہ فاطمہ زہراؑ ہیں۔ انہوں نے بیس سال سے سوائے کلام خدا کے اور کسی لفظ سے تکلم نہیں کیا۔

یہ تبحر ان بزرگوں کو نصیب ہو جاتا تھا جو اہل بیت عصمت و طہارت سے متمسک ہوتے تھے۔ اور ان کے دروازے کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنا لیتے تھے

تسبیح فاطمہؑ

کتب غرلقین میں لکھا ہے کہ جناب سیّدہ کو جب کاروبار میں بے حد تکلیف ہونے لگی تو آپ نے حسب ارشاد علی مرتضٰےؑ اپنے پدر بزرگوار سے ایک لونڈی طلب کی جس پر حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہؑ میں تم کو ایسی چیز تعلیم کرتا ہوں جو خادمہ سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ جب سونے لگو تو ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔ ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرو۔

اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ حضرت نے جناب سیّدہ کے لئے لونڈی مہیا نہیں کی بلکہ انہیں کلمات کی تعلیم پر اکتفا کی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کلمات کے مقابلے میں لونڈی غلام کیا چیز ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کے چند ہی روز بعد

رسول اللہ نے ایک لونڈی انہیں عطا کی جس کا نام فضہ رکھا گیا۔

راقم کو یاد پڑتا ہے کہ صاحب مشارق الانوار نے جناب فضہؑ کے چند مخصوص حالات کا ذکر کیا ہے۔ جن کا تحمل اچھے پڑھے لکھوں سے نہیں ہو سکتا۔ افسوس اس وقت وہ کتاب سامنے موجود نہیں ہے۔

بعض کتب مناقب میں تسبیح فاطمہؑ کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب لوگوں نے جناب سیدہ کے عقد کی خواستگاری کی تو آپ نے جواب دیا کہ آج کی شب جس کے گھر میں ستارہ اترے گا۔ اسی سے فاطمہؑ کا عقد کیا جائے گا۔ یہ خبر مدینے میں پھیل گئی۔ اور وہ رات عجب چہل پہل میں گذری۔ تمام لوگ اپنے اپنے کوٹھوں پر جاگ رہے تھے قریب سحر ایک ستارہ آسمان سے زمین پر اترتا ہوا نظر آیا۔ جناب سیدہؑ بھی بیدار تھیں۔ ادھر وہ ستارہ آسمان سے جدا ہوا اور ادھر آپ کی زبان سے نکلا "اللہ اکبر" اس کلمہ کی تکرار برابر رہی۔ یہاں تک کہ ستارہ خانۂ علی ابن ابی طالب علیہم السّلام میں نازل ہوا۔ اور ساکن رہا۔ اس عرصے میں آپ کی زبان سے علی الاتصال کلمہ "الحمد للہ" جاری رہا۔ پھر اس ستارہ نے جانب آسمان صعود کیا۔ اُس وقت آپ نے زبان پر "سبحان اللہ" جاری فرمایا۔ یہاں تک کہ ستارہ نظروں سے غائب ہو گیا۔

حالتِ نزول میں آپ نے ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہا اور حالتِ قیام وسکون میں ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور حالتِ صعود میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ۔ یہی تسبیح فاطمہؑ کے نام سے موسوم ہے اور اسی کو دنیا ئے اسلام بعد نماز بہترین تعقیب سمجھتے ہیں۔

اس مقام پر یہ شبہ بالکل بے فائدہ ہو گا کہ ستارے جس قدر ہیں وہ سب کے سب ہماری ہی زمین کی طرح کرّے ہیں جن کا رقبہ بہت کچھ ہے۔ پس ایک ستارہ جس کا رقبہ

اولاً اگر زمین کی شکل ہی مان لیا جائے تو گھر میں کیونکر سما سکتا ہے۔ اس قسم کے شبہات عدم ایمان کے نتائج ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ستارے سے مخصوص کرہ ہی سمجھ لیا جائے بلکہ ایک روشن اور چمکدار چیز کو بھی اس کی درخشندگی کی بنا پر ستارا کہا جا سکتا ہے۔

جناب فاطمہؑ اور غزوہ احد

ہجرت کے تیسرے سال یعنی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی شادی سے ایک سال بعد ماہِ شوال میں غزوۂ احد واقع ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اس سے پہلے غزوۂ بدر میں جب کفار قریش ہزیمت اٹھا کر بھاگ گئے تو اس ہزیمت کا اثر ان کے دلوں سے نہ مٹا تھا چنانچہ اپنی عورتوں کو رونے سے منع کر دیا تھا کہ مبادا آنسوؤں کے چھینٹے غیظ و غضب کی آگ کو بجھا دیں اپنے حلیف قبیلوں کو امداد کے لئے ابھارا اور تین ہزار سوار و ہزار پیادے اور دیگر سامانِ جنگ لے کر مدینہ پر چڑھ آئے اور عورتوں کو ساتھ لائے تاکہ وہ ہزیمت بدر کے متعلق اشعار گا گا کر آتشِ انتقام کو بھڑکاتی رہیں اِدھر سے خدا کا رسولؐ سات سو جانفروشوں کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کو نکلا۔ بیرونِ شہر کوہِ احد کے متصل طرفین کا مقابلہ ہوا۔

رسول اللہ نے اس پہاڑ کی ایک گھاٹی پر مسلمانوں کی ایک جماعت کو متعین کر دیا تھا کیونکہ اُدھر سے دشمن کے ناگہانی حملے کا اندیشہ تھا۔ اور یہ حکم ان لوگوں کو دے دیا کہ فتح ہو یا شکست تم اپنے مقام سے نہ ہلنا۔ غرض لڑائی شروع ہوئی۔ مجاہدینِ اسلام نے آستینیں الٹ لیں۔ نیزے سیدھے ہوئے۔ تلواریں علم ہوئیں اور شیرانِ نیستانِ شجاعت کفار کی صفوں کو صاف کرنے لگے۔ جناب امیر المومنینؑ کی ضرب

یداللہی نے سروں کا ڈھیر لگا دیا جناب حمزہؓ جس طرف نکل گئے صفیں اُلٹ دیں۔ کفار کو شکست ہوئی۔ ہزیمت خوردہ فوج بھاگی۔ اور بہت سا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگی۔

لالچ اور طمع یہ ایسے دو دشمن ہیں کہ ان سے نجات پانا فی الحقیقت جہادِ اکبر ہے فتحمند مسلمان لوٹ پر جھکے۔ اُدھر وہ جماعت جو درۂ کوہ پر تعینات تھی۔ اُس نے دیکھا کہ واہ واہ یہ مال تو سب لُٹ جائے گا۔ ہم یونہی ہاتھ خالی رہ جائیں گے۔ انہوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی۔ سردار (عبداللہ ابن جبیرؓ) نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر ایک نہ سُنی۔ اُدھر گھاٹی کے دوسری طرف خالد ابن ولید اپنی فوج لئے ٹِپا تھا اور موقعہ کی تاک میں تھا اُس نے جب دیکھا کہ یہ تو اپنی لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ ایکبارگی کمین گاہ سے فوج لے کر آ گئے اور لُوٹنے والوں کو تلواروں پر رکھ لیا۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ بے خبری میں جب دشمن آگرتا ہے۔ تو اچھی سے اچھی فوج کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ یہی حالت مسلمانوں کی ہوئی۔ اُدھر ہزیمت خوردہ کفار نے جب دیکھا کہ خالد اپنے منصوبے میں کامیاب ہو کر فوج کا تھراؤ کر رہا ہے تو وہ بھی اس سے آ ملے۔ اب رہے سہے مسلمانوں کے اور حواس گم ہو گئے اور جس کے جس طرف سینگ سمائے بھاگ نکلا۔ رسول اللہ آواز دے رہے تھے کہ لوگو میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گے مگر کوئی نہ سنتا تھا۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ ہم میدانِ جنگ میں کھڑے تھے کہ ناگاہ تقریباً سو صنادید قریش ہم پر حملہ آور ہوئے۔ ہم سے صبر نہ ہو سکا۔ ہم بھاگ نکلے۔ اُس وقت علیؓ بے دھڑک دشمنوں میں اس طرح گھس گئے۔ جیسے شیر گلۂ گوسفند پر گرتا ہے مگر جب ہم کو دیکھا کہ ہم بھاگے جا رہے ہیں تو آواز بلند فرمایا۔ تمہارے چہرے زشت ہو جائیں

کیا جہنم کا ہی ارادہ کر لیا ہے۔ یہ فرما کر ہم پر حملہ کیا۔ اُس وقت ایک عربی تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔ جس سے خون ٹپکتا تھا۔ اور کہتے تھے کہ تم نے عہد کو توڑ ڈالا۔ تم ان سے زیادہ قتل کے لائق ہو۔ اُس وقت میں نے دیکھا کہ ان کی دونوں آنکھیں اس طرح روشن تھیں۔ جیسے زیت کے دو پیالے۔ جن میں آگ روشن ہو۔ یا دو پیالے جن میں خون بھرا ہوا ہو۔ ہمیں خوف ہوا کہ اب یہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ میں نے بڑھ کر کہا۔ اے ابوالحسن خدا کی قسم ہم سے ہاتھ اٹھاؤ۔ عرب کا قاعدہ ہے کبھی بھاگتے ہیں۔ کبھی حملہ کرتے ہیں۔ اور جب حملہ کرتے ہیں تو بھاگنے کی کسر نکال دیتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ منہ پھیر کر کفار کی طرف حملہ آور ہو گئے۔

اودھر خالد نے جب دیکھا کہ حضرت رسولؐ اللہ کھڑے ہیں۔ اور چند ہی آدمی ان کے ساتھ ہیں تو چلایا کہ تمہارا اسطلوب یہیں ہے۔ اسے زندہ نہ چھوڑو۔ چنانچہ کفار نے حضرت پر پتھروں، تیروں اور تلواروں سے حملہ کرنا شروع کیا۔ اصحاب جو رکاب ظفر انتساب میں تھے۔ اُنہوں نے جان نثار کی۔ کچھ بھاگ نکلے۔ رسولؐ اللہ ایک گڑھے میں گرے۔ غشی حضرت پر طاری تھی۔ اور شیطان نے باواز بلند اُحد پر پکار دیا کہ محمدؐ قتل ہو گئے۔

امیر المومنینؑ نے کفار کی صفوں کو درہم و برہم کر کے اب رسولؐ اللہ کی طرف رُخ کیا۔ اور دشمن جو آپ پر نرغہ کئے ہوئے تھے۔ اُنہیں مار ہٹایا۔ پھر رسول اللہ کی حفاظت کی۔ گروہ در گروہ رسول پر حملہ کرتے آتا تھا۔ اور امیر المومنینؑ ضرب ید اللّٰہی سے اسے پسپا کرتے تھے۔ اِدھر بھائی اپنے بھائی کی حفاظت میں جان لڑا رہا تھا۔ اُدھر ملائکہ مابین آسمان و زمین ندا دے رہے تھے۔

ختم نمبر ۱

لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

بقولِ صاحبِ مدارج النبوۃ اسی جنگ میں نادِ علیؑ کا نزول ہوا۔

میدانِ جنگ میں جو خبرِ قتلِ رسولؐ اللہ پھیلی تھی۔ اس کا اثر مدینے میں بھی پہنچ گیا جنابِ سیّدہ بیتاب ہو کر گھر سے نکل آئیں۔ اور میدانِ جنگ کی طرف قدم بڑھایا عوراتِ مدینہ نے جب شہزادی کو دیکھا تو گرد حلقہ کر لیا اور اس طرح آپ راہیٔ میدان ہوئیں۔ رستے میں ایک عورت ملی جس کا نام ہند تھا۔ وہ ایک اونٹ پر اپنے عزیزوں کی لاشیں رکھے ہوئے میدان سے آرہی تھی۔ شہزادی نے اس سے اپنے پدر بزرگوار کا حال دریافت فرمایا۔ اُس نے عرض کیا کہ رسولؐ اللہ خیریت سے ہیں۔ اور میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ اب جنگ کی کیا حالت ہے۔ ہند نے عرض کیا کہ آپ کے شوہر اور قوتِ بازوئے نبی کی بدولت فتح نصیب ہوئی اور کفار پسپا ہو گئے آپ نے یہ خوش خبری سن کر ہند کو دعائے خیر دے کر پوچھا کہ اس اونٹ پر کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ اس پر میرے بھائی اور شوہر اور بیٹے کی لاشیں ہیں جو رسولؐ اللہ کی نصرت میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی موت نے کلیجے میں ناسور ڈال دیئے لیکن جب رسولؐ اللہ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے تو ہمیں کیا غم و ہراس ہو سکتا ہے۔

جنابِ سیّدہ اس مومنہ کو دعائیں دیتی ہوئیں جانب اُحد روانہ ہوئیں۔ جب قریب پہنچیں اور جنابِ رسولؐ اللہ نے دیکھا کہ سیّدہ طاہرہ تشریف لا رہی ہیں۔ اٹھ کر استقبال کر کے سینے سے لگایا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو اس حال سے دیکھا کہ آپ زخمی ہیں۔ اور دندانِ مبارک پر ضرب آئی ہے۔ خون جاری ہے۔ اس حالت

نے آپ کو مضطر کر دیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ گریۂ سیدہ نے رسول اللہ کو بھی رُلا دیا۔ اور آپ نے تسلی دے کر فرمایا کہ بیٹیا خدا کا شکر لازم ہے۔ میرے قتل کی خبر اُڑی تھی۔ اور تم نے مجھے زندہ پایا۔ اس عرصے میں علی مرتضےٰ پانی لیکر آئے جناب فاطمہ زہرا نے اپنے پدر بزرگوار کے زخموں کو دھویا۔ اور ایک ریشمی کپڑا جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔ اس کام سے فرصت ہوئی تو امیر المومنینؑ نے اپنی تلوار جناب سیدہ کے حوالے کی۔ اور رسول اللہ نے فرمایا بیٹیا اس تلوار کو لو اسے صاف کرو۔ آج تمہارے شوہر نے اسلام کو قائم کر دیا۔

غرض رسول اللہ نے اب میدان میں شہدا کی لاشوں کو دفن کیا۔ جناب حمزہؓ بھی اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ اور شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے کے بعد اب اپنی صاحبزادی کو لئے ہوئے وارد مدینہ ہوئے۔

ولادتِ امام حسن علیہ السّلام

۳ھ میں بماہِ شوال غزوۂ احد واقع ہوا ہے اور اس سے ایک ماہ قبل رمضان کی پندرھویں کو جناب امام حسن علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدا ہو چکے تھے۔

اسماء بنت عمیس کا بیان ہے کہ جب امام حسنؑ پیدا ہوئے تو میں نے ایک زرد کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو رسول اللہ کے آغوش میں دیا۔ آپ نے زرد کپڑا علیحدہ کر دیا اور فرمایا سفید کپڑا اُڑھاؤ۔ میں نے سفید کپڑا اُڑھایا۔ آپ نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اس کے بعد فرمایا کہ حکم خدا یہ ہے کہ میں اس کا نام شبّرؑ رکھوں جو ہارونؑ کے بیٹے کا نام تھا کیونکہ علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ

کو رسنی سے تھی۔ چنانچہ آپ کا نام شبّر رکھا گیا۔ جس کا ترجمہ عربی میں حسن ہے۔ آپ سے پہلے عرب میں کسی کا نام حسنؑ نہیں تھا۔ اور بموجب ارشادِ رسولؐ حسنؑ و حسینؑ اسماء جنت میں سے ہیں۔

آپ کے فضائل و مناقب سے کتب فریقین آراستہ ہیں۔ آپ سر سے لے کر سینے تک بالکل رسول اللہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

ولادتِ امام حسین علیہ السّلام

ہجرت کے چوتھے سال ماہِ شعبان کی تیسری تاریخ کو خاصس آلِ عبا نے اس دارِ محن میں قدم رکھا جس کے کارنامے قیامت تک یادگار زمانہ رہیں گے۔ جس نے اسلام کو جِلا نہیں دی بلکہ از سرِ نو زندہ کر دیا۔ اور اپنے عملیات سے بتا دیا کہ استبداد اور ظلم کے پردے مظلومیت کی پوشیدہ مقراض سے چاک کئے جاتے ہیں۔

آپ کی مدت حمل چھ ماہ بیان کی جاتی ہے۔ اس بارے میں آپ حضرتِ یحیٰؑ کی نظیر تھے۔ محققین کے نزدیک حمل کی مدتِ مقررہ (نو ماہ) طبقۂ انبیاء و اوصیاء کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق عالمِ خلق یعنی تدریج سے نہیں ہے بلکہ وہ مخلوقِ عالمِ امر ہیں۔ ان کے حالات جو عام طبقۂ انسانی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اس لئے ہیں کہ ہم ان سے مانوس رہیں۔ ولو جعلنٰہ ملکاً لجعلنٰہ رجلاً وللبسنا علیہم ما کانوا یلبسون۔ اگر ہم انہیں فرشتہ گردانتے تو پھر بھی انسانی شکل میں ہی بناتے اور ان پر وہی چادر (انسانی) اڑھاتے جو اوڑھتے ہیں۔

آپ کی پیدائش کے وقت رسول اللہ نے آپ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اور حسب وحی الٰہی آپ کا نام شبیرؑ رکھا گیا جو ہارون کے دوسرے بیٹے کا نام تھا جس کا ترجمہ عربی میں حسینؑ ہے۔

آپ کے القاب کثیرہ اہلِ اسلام میں مشہور و معروف ہیں۔

آپ کی ولادت پر جتنی خوشی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کو تھی اتنا ہی غم بھی تھا۔ اور اس واقعہ کی تصویر ہر ایک بزرگ کی نظر میں پھر رہی تھی جو آپ پر میدانِ کربلا میں گذرنے والا ہے۔

رسول اللہ کو ان دونوں صاحبزادوں سے جس قدر گہرا تعلق تھا اس سے مسلمانوں اور دیندار مسلمانوں کے قلوب آشنا ہیں۔ انہیں کی خاطر رسول اللہ اپنا خطبہ قطع کر کے منبر سے اُتر آتے تھے۔ رسول اللہ سجدۂ خالق میں ہیں اور حسینؑ پشتِ اقدس رسول اللہ پر سوار ہو گئے ہیں۔ حکمِ الٰہی ہوتا ہے کہ جب تک حسینؑ اپنی خوشی سے نہ اُتریں سجدے سے سر نہ اٹھانا۔ سبحان اللہ یہ راز و نیاز بھی عجیب ہیں من عشقنہ فقد قتلتہٗ ومن قتلتہ فدیتہ علی ومن کانت دیتہٗ علیّ فانا دیتہٗ۔ جس سے ہم عشق کرتے ہیں۔ اسے قتل کیا کرتے ہیں۔ اور جسے ہم قتل کرتے ہیں۔ اس کی دیت ہمارے ذمے لازم ہے اور جس کی دیت ہمارے ذمے لازم ہوتی ہے۔ اس کی دیت ہم خود ہیں۔ لمولفہ

عجب کام تو نے کیا اے حسینؑ
خدا خود تیرا خون بہا ہو گیا

جناب فاطمۃ الزہرا کا بھی ان صاحبزادوں پر عجب ہی پیار تھا۔ یوں تو کونسی

کو مونیٰ سے تھی۔ چنانچہ آپ کا نام شبّر رکھا گیا۔ جس کا ترجمہ عربی میں حسن ہے۔ آپ سے پہلے عرب میں کسی کا نام حسن نہیں تھا۔ اور بموجب ارشادِ رسولؐ حسنؑ وحسینؑ اسماء جنت میں سے ہیں۔

آپ کے فضائل ومناقب سے کتب فریقین آراستہ ہیں۔ آپ سر سے لے کر سینے تک بالکل رسول اللہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

ولادتِ امام حسین علیہ السّلام

ہجرت کے چوتھے سال ماہِ شعبان کی تیسری تاریخ کو خامس آلِ عبا نے اس دارِ محن میں قدم رکھا۔ جس کے کارنامے قیامت تک یادگار زمانہ رہیں گے۔ جس نے اسلام کو جلا نہیں دی بلکہ از سرِ نو زندہ کر دیا۔ اور اپنے عملیات سے بتا دیا کہ استبداد اور ظلم کے پردے مظلومیت کی پوشیدہ مقراض سے چاک کئے جاتے ہیں۔

آپ کی مدت حمل چھ ماہ بیان کی جاتی ہے۔ اس بارے میں آپ حضرتِ یحییٰ کی نظیر تھے۔ محققین کے نزدیک حمل کی مدتِ مقررہ (نو ماہ) طبقۂ انبیاء واوصیا کے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق عالمِ خلق یعنی تدریج سے نہیں ہے بلکہ وہ مخلوقِ عالم امر ہیں۔ ان کے حالات جو عام طبقۂ انسانی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اس لئے ہیں کہ ہم ان سے مانوس رہیں۔ ولو جعلنا ھم ملکًا لجعلنا ھم رجلاً وللبسنا علیھم ما کانوا یلبسون۔ اگر ہم انہیں فرشتہ گردانتے تو پھر بھی انسانی شکل میں ہی بناتے اور ان پر وہی چادر (انسانی) اڑھاتے جو اور اوڑھتے ہیں۔

آپ کی پیدائش کے وقت رسول اللہ نے آپ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی۔ اور حسب وحی الٰہی آپ کا نام شبیرؑ رکھا گیا جو ہارون کے دوسرے بیٹے کا نام تھا جس کا ترجمہ عربی میں حسینؑ ہے۔

آپ کے القاب کثیرہ اہل اسلام میں مشہور و معروف ہیں۔

آپ کی ولادت پر جتنی خوشی جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کو تھی اتنا ہی غم بھی تھا۔ اور اس واقعہ کی تصویر ہر ایک بزرگ کی نظر میں پھر رہی تھی جو آپ پر میدانِ کربلا میں گذرنے والا ہے۔

رسول اللہ کو ان دونوں صاحبزادوں سے جس قدر گہرا تعلق تھا اس سے مسلمانوں اور دیندار مسلمانوں کے قلوب آشنا ہیں۔ انہیں کی خاطر رسول اللہ اپنا خطبہ قطع کر کے منبر سے اُتر آتے تھے۔ رسول اللہ سجدۂ خالق میں ہیں اور حسینؑ پشتِ اقدس رسول اللہ پر سوار ہو گئے ہیں۔ حکمِ الٰہی ہوتا ہے کہ جب تک حسینؑ اپنی خوشی سے نہ اتریں سجدے سے سر نہ اٹھانا۔ سبحان اللہ یہ راز و نیاز بھی عجیب ہیں من عشقنہ فقد قتلتہٗ ومن قتلتہ فدیتہٗ علی ومن کانت دیتہٗ علی فانا دیتہٗ۔ جس سے ہم عشق کرتے ہیں۔ اُسے قتل کیا کرتے ہیں۔ اور جسے ہم قتل کرتے ہیں۔ اس کی دیت ہمارے ذمے لازم ہے اور جس کی دیت ہمارے ذمے لازم ہوتی ہے۔ اس کی دیت ہم خود ہیں۔ لہٰذا

عجب کام تو نے کیا اے حسینؑ
خدا خود ترا خون بہا ہو گیا

جناب فاطمہؑ زہرا کا بھی ان صاحبزادوں پر عجیب ہی پیار تھا۔ یُوں تو کونسی

ماں ہے جسے اپنے بچوں سے محبت نہ ہوگی لیکن جناب سیّدہ کی تو حالت ہی عجیب تھی۔ یہ شمع تھے وہ پروانہ تھیں۔ یہ پھول تھے وہ عندلیب تھیں۔ کسی آن نظر سے اوجھل ہونا گوارا نہ تھا۔ ان تعلقات کو اہل نظر دیکھتے تھے۔ اور لیبان کی دوربین سے دیکھتے تھے۔ ان کے قلب کی حالت ہی اور ہو جاتی تھی۔ غالباً اسی لئے دعبل نے اپنے مشہور مرثیے میں واقعۂ جانگداز کی طرف فاطمہ زہراؑ کو ہی مخاطب کیا ہے۔ اور اس طرح مخاطب کیا ہے۔ افاطم قومی یا بنتہ الخیر فاندبی۔ اے فاطمہؑ اٹھو۔ اے خیر مجسّم کی بیٹی اٹھو اور آنسو بہاؤ۔

حسنینؑ کا ایک واقعہ

ملا حسین واعظ کاشفی روضۃ الشہداء میں لکھتے ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع امیر المومنینؑ کے ایک غزوے میں تشریف لے گئے تھے۔ ایک روز امام حسینؑ گھر سے باہر نکلے۔ کم سنی کا زمانہ تھا۔ ایک باغ میں پہنچ کر سبزہ زار کی سیر میں محو تھے۔ جو خود ان کی حقیقت کا آئینہ تھا۔ ایک یہودی صالح بن رقعہ نے آپ کو تنہا دیکھا۔ آپ کو اپنے گھر لے آیا اور ایک حجرے میں چھپا دیا جناب سیّدہ پہلے تو منتظر رہیں۔ جب دن چھپنے کا وقت قریب آیا تو حسنؑ سے فرمایا کہ بیٹا جاؤ تمہارے چھوٹے بھائی اب تک نہیں آئے۔ انہیں بلا کر لاؤ۔ امام حسنؑ حسب ارشاد مادر گرامی گھر سے نکلے۔ مدینہ کی گلیوں میں دیکھا نہ پایا بلکہ نخلستان میں پہنچے اور چاروں طرف پکارنے لگے۔ ایک ہرن نظر آیا۔ آپ نے اس سے کہا۔ اے ہرن! تو میرے بھائی حسینؑ کو جانتا ہے اور ان کو کہیں دیکھا ہے؟ وہ بقدرت خدا

دیا اعجازِ حسنؑ گویا ہوا۔ کہ آپ کے بھائی کو صالح بن رقعہ یہودی نے چھپا رکھا ہے۔ آپ اُس یہودی کے مکان پر تشریف لائے۔ اُسے آواز دی وہ باہر نکلا۔ دیکھا کہ چشم و چراغِ نبوت دروازے پر کھڑا ہے۔ آپ نے کہا۔ اے یہودی میرے بھائی کو جلد لے کر آ۔ ورنہ اپنی والدہ سے شکایت کروں گا۔ جن کی بددعا سے ایک یہودی بھی باقی نہ رہے گا۔ اپنے والدِ گرامی سے شکوہ کروں گا جن کی تلوار کسی یہودی کو باقی نہ رکھے گی۔ اپنے جدِّ نامدار سے گلہ کروں گا جن کی دعا سے تمام یہود فنا ہو جائیں گے۔

حقیقت کا اثر دلوں پر بجلی کی طرح گراکرتا ہے۔ یہودی کانپ اٹھا اور کہنے لگا آپ کی والدۂ گرامی کون ہیں؟ فرمایا فاطمہؑ دخترِ پیغمبرِ خدا۔ پوچھا! پدر بزرگوار کون ہیں۔ فرمایا علی مرتضیٰؑ "قاتل المشرکین۔ دریافت کیا آپ کے جدِّ امجد کا نام کیا ہے؟ فرمایا محمد مصطفیٰؐ۔ یہودی اس کلام سے متاثر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں آپ کے برادر عالیقدر کو ابھی حاضر کرتا ہوں لیکن پہلے مجھے کلمۂ ایمان کی تلقین فرمایئے آپ نے اُسے کلمہ پڑھایا۔ وہ بصدقِ دل مسلمان ہوا۔ شاہزادے کو لے کر آیا اور دونوں شاہزادوں پر اشرفیاں نثار کیں۔ اور امام حسنؑ اپنے بھائی کو لئے ہوئے مادرِ بزرگوار کی خدمت میں آئے۔

دوسرے دن یہودی نے اپنی قوم کے ستر آدمیوں کو مسلمان کیا اور سب کو لئے ہوئے خانۂ سیدہؑ پر حاضر ہو کر عفوِ تقصیر چاہی۔ سیدہؑ نے فرمایا کہ میں معاف کرتی ہوں۔ لیکن ان کے پدر بزرگوار علی مرتضیٰؑ سے بھی معافی خواہ ہونا۔ جب علی مرتضیٰؑ اور پیغمبرِ خدا جہاد سے واپس ہوئے تو صالح مع لائے گل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کیفیت عرض کر کے عفوِ تقصیر کا خواستگار رہا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم

معاف کرتے ہیں۔ لیکن یہ پیغمبر کے لاڈلے ہیں۔ اُن سے معافی چاہنا ضروری ہے۔ وہ خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا۔ آپ نے اُس کی خطا معاف کر کے فرمایا کہ یہ برگزیدگان خدا ہیں۔ خدا سے بھی معافی طلب کر۔ صالح جواب اسم بامسمّٰی صالح ہو گیا تھا۔ جنگل میں نکل گیا۔ اور سترہ دن تک تضرع و زاری کے ساتھ توبہ و انابت میں مشغول رہا۔ غفور الرحیم نے اپنے رسولؐ پر وحی نازل کی کہ صالح کو واپس بلا لو۔ ہم نے اس کے گناہ معاف کئے اور دوستوں کی فہرست میں اس کا نام داخل کر لیا۔

ولادت حضرت زینبؑ ام کلثوم سلام اللہ علیہا

ان صاحبزادوں کی ولادت کے بعد دو صاحبزادیاں حضرت کے شکم سطہر سے پیدا ہوئیں جن کے نام زینبؑ و ام کلثومؑ ہیں۔ ان کی ولادت نے بھی تمام کنبے کو سوگوار بنا دیا۔ خصوصاً حضرت زینبؑ کی جب ولادت ہوئی تو رسول اللہ مدینے میں تشریف فرما نہ تھے۔ آپ کے نام کی تجویز حضرت کے تشریف لانے پر ملتوی رکھی گئی۔ جب آپ تشریف لائے تو آپ نے صاحبزادی کا نام زینبؑ رکھا۔ اور اس کے ساتھ ہی گریہ فرمانے لگے۔ جب سبب گریہ دریافت کیا گیا تو حضرت نے واقعات آئندہ کی خبر دی جسے سن کر تمام کنبہ بے چین ہو گیا۔

صاحب قاموس کا بیان ہے کہ لفظ زینب زنب سے نکلا ہے جس کے معنے فربہی کے ہیں۔ (یہ باب سمع سے ہے) اور ازنب بروزنِ احمر کے معنی زیادہ فربہ کے ہیں۔ اسی لئے سمعورت کو زنیب کہتے ہیں۔ اور زینب لغت عرب میں اس درخت کو بھی کہتے ہیں جس کا پھل خوشبودار اور دیکھنے میں خوشنما ہو۔ اس لفظ کی اصل

زین واب" ہے جس کے معنی ہیں" باپ کی زینت"

صاحب قاموس کی دوسری اور تیسری ترجیہ قابلِ قبول ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آپ کی اولاد نے دنیا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور اسی طرح آپ اپنے پدرِ بزرگوار کی بھی زینت ہیں۔ جیسا کہ بعض کتابوں میں آپ کا نام "زین ابیہا" "اپنے باپ کی زینت" ہے۔

ان صاحبزادیوں کا نکاح علے الترتیب جناب عبداللہؓ ابن جعفر طیار اور عون ابنِ ابی طالب سے ہوا۔ اور بعد انتقال جناب عون حضرت ام کلثوم کا نکاح ثانی محمد ابن جعفرؓ ابن ابی طالبؑ سے ہوا۔ بعض حضرات مورخین کا یہ التباس کہ جناب ام کلثومؑ بنتِ فاطمہؑ کا نکاح حضرت خلیفہ ثانی سے ہوا۔ نہایت مکروہ التباس ہے۔

بعض اعلام کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت ام کلثوم حضرت فاطمہؑ کی دوسری صاحبزادی نہیں بلکہ حضرتِ زینبؑ کی کنیت امِّ کلثوم ہے۔ یہ بحث سیرت زینبیہؑ کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے۔

باب ہشتم

رحلتِ رسولؐ

حجۃ الوداع

زمانہ پَر لگا کر اُڑ رہا تھا۔ اور وہ بلائیں جو پردۂ قضا و قدر میں پوشیدہ تھیں۔

اہلِ بیت سے قریب ہوتی جارہی تھیں۔ آج فاطمہؑ زہرا مدینے میں شہزادی تھیں باپ سر پر سلامت تھا۔ بڑے بڑے اکابر قریش فاطمہؑ کے دروازے پر جبہ سائی کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔ اکابر مہاجرین و انصار کا فرض تھا کہ فاطمہؑ کے دروازے پر آئیں۔ تو "السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ" کہہ کر سلام کریں خود رسولؐ اللہ نے اس سلام کی بنیاد قائم کر دی۔ کیونکہ بعد نزول آیۂ تطہیر بقولے چھ ماہ اور بقولے چالیس دن تک فاطمہؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے "السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ" گویا عملی طور سے آپ بتا رہے تھے کہ آیۂ تطہیر کا مورد کون بزرگوار ہیں۔ رسولؐ کی نگاہوں میں جو فاطمہؑ زہرا کی تعظیم تھی وہ کس سے مخفی تھی مسلمانوں کو خواہ دل سے خواہ شرما شرمی سے اس پر کاربند ہونا ہی پڑتا تھا۔ اہلِ بیت گو اس زمانے میں بلحاظِ ظاہری کچھ امارت و ثروت میں زندگی بسر نہیں کرتے تھے لیکن ہم کہہ چکے ہیں کہ ان کی زینتیں، فضلاتِ زمین (طلا و نقرہ) اور فضلاتِ حیوان (ریشم و سنجاب وغیرہ) سے نہیں تھیں۔ بلکہ ان کو مزین کرنے والے جواہرات دوسرے ہی تھے۔ لیکن پھر بھی یہ زمانہ یعنی حیاتِ ظاہری رسول کا زمانہ ان کے لئے بادشاہت کا زمانہ تھا۔

اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسولؐ اللہ اپنے صاحبزادے کو کاندھے پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ گیسوئے مبارک بجائے مہار ہاتھ میں دے رکھے ہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں۔ اے حسینؑ تمہارا مرکب کتنا اچھا ہے۔ رسول اللہ فوراً جواب دیتے ہیں کہ یہ بھی تو کہو راکب کتنا پیارا ہے۔

کبھی عید آتی ہے اور حسنینؑ لباسِ نو کی فرمائش کرتے ہیں۔ تو رضوانِ جنت

صاحبزادوں کے لئے لباس لے کر درِ دولتِ فاطمہؑ پر حاضر ہو جاتا ہے اور حسنینؑ لباسِ جنت سے مزین ہو کر رسولؐ کے کاندھے پر سوار عید گاہ کو جاتے ہیں۔

کبھی رسول اللہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حسنؑ و حسینؑ میرے باغ کے دو پھول ہیں جو ان کا دوست ہے میں اس کا دوست ہوں۔ اور جو ان کا دشمن ہے میں اس کا دشمن ہوں ان کلمات کو سن کر رسول کے زمانے میں تو کسی کی مجال نہ تھی کہ فاطمہ کو یا حسنینؑ کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ سکے۔ مگر افسوس کہ یہ محفل سب قریب ختم تھی۔ یہ واقعہ درہم برہم ہونے والا تھا مجلس سنسان ہونے والی تھی مگر اس کی اداسی کہہ رہی تھی کہ اب بجھنے کا زمانہ قریب ہے رونقوں میں اداسیوں کا رنگ چمکنے والا تھا۔ اور فرحت و سرور میں غم و غصہ کے تلخ گھونٹ کا ذائقہ آنے لگا تھا۔ منادی ندا کر رہا تھا کہ اب یہ واقعات فسانے ہو جائیں گے۔ یہ صحبتیں مٹیں گی مگر اوراق زمانہ پر ثبت ہو کر خون کے آنسو رلوائیں گے۔ یہ درِ دولت جس پر امیدواروں کا ہجوم ہے۔ اب اس پر خاک اڑنے کے دن آ رہے ہیں۔ وہ بارگاہ جس کے پردے نظارگیوں کی نگاہوں کے تارے ہیں۔ اب اس میں ہُو کا عالم ہو گا۔ کشتگانِ بدر و احد کا انتقام اب رسول کی آل سے لیا جائے گا۔ اور اُن کے فضائل و مناقب کے اظہار سے جو آگ دلوں میں بھڑکتی تھی۔ اب اس کے شعلے فاطمہؑ کے دروازے پر نظر آئیں گے۔

حیرت اور سخت حیرت کا مقام ہے کہ نبی اور بھی گذرے ہیں پیمبر اور بھی ہوئے ہیں۔ اُمتیں پہلے بھی گذر چکی تھیں۔ لیکن غور سے جب دیکھا جاتا ہے تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جو سلوک رسول اللہ کی آل سے اس رسولِ ہاشمی کی اُمت نے کیا ہے۔ اور کسی اُمت نے نہیں کیا۔

اَتَرجُوا اُمَّۃٌ قَتَلَت حُسَیناً
شِفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَومَ الحِسَابِ

بہرطور اب انقلاب اور عظیم الشان انقلاب کا زمانہ قریب آرہا تھا۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ رسول اللہ کے بعد اسلام نے ترقی کی یا تنزل۔ ہم اس سے غرض نہیں رکھتے کہ رسولؐ کے بعد مسلمانوں کے تمدن میں کس قسم کا تغیر ہوا۔ ہم اس سے تعرض نہیں کرنا چاہتے کہ بعد رسولؐ جس اسلام نے ترقی کی وہ کس قسم کا اسلام تھا۔ ہم تو صرف ایک بات۔ ہاں ایک ہی بات کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ کے بعد رسول کی اولاد یا فاطمہ کا خاندان اس طرح نکال کر پھینک دیا گیا جیسے دودھ سے مکھی۔ ان کو نہ صرف گوشہ نشین کیا گیا بلکہ تلوار، زہر اور آگ یہ چیزیں ان کے لئے مخصوص کردی گئیں۔ اہلِ انصاف کو اس مقام پر اب یہ کہنا پڑے گا کہ یا تو رسولؐ اللہ کی اولاد تھی ہی اسی قابل اور اس سے اسی قسم کے جرائم سرزد ہوئے تھے، وہ اسی قسم کے سلوک کے مستحق تھے جو ان سے کیا گیا۔ یا مسلمانوں نے ہی دین و دیانت سے آنکھیں بند کرلیں۔ رسولؐ اللہ کے تمام احسانات کو فراموش کردیا۔ اور محض حصولِ ریاست و سلطنت کو اپنا مقصد زندگی سمجھ بیٹھے۔ معلوم نہیں مسلمانوں کے دلوں میں ان دونوں میں سے کونسا خیال جاگزیں ہے

غرض اب وہ زمانہ آگیا کہ رسولؐ اپنے کام کو اختتام پر پہنچا کر ہماری نگاہوں سے غائب ہونے والے تھے۔ آپ نے تکمیل تعلیم و تہذیب اسلامی کے لئے اس مشہور حج کا ارادہ کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس کے بعد رسولؐ اللہ حج نہ کریں گے۔ بیت الحرام کو قدم رسولؐ سے آخری شرف ملنے والا تھا۔ رکنؑ و حطیم اس کے بعد پائے اقدس کو مس نہ کرسکیں گے۔ میزاب رسولؐ کی فرقت میں ہمیشہ آنسو

بہائے گا۔ سنگِ اسود لبِ لعلین رسولؐ کے بوسے نہ لے گا۔ اور مِنا کی سرزمین اب ان قربانیوں سے محروم ہو جائے گی جو محبوبِ خدا کے ہاتھوں سے اسی سرزمین پر خدا کی درگاہ میں پیش کی جاتی تھیں۔

اس حج میں اطراف و اکناف کے مسلمانوں کو دعوت دی گئی تھی اور جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ وہاں کے مسلمان فریضۂ حج بجالانے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ کوئی ایسا ہی مجبوریوں میں گھرا ہوا رہ گیا ہو تو رہ گیا ہو۔ ورنہ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کی اسلامی دنیا کی یہ کامل نمائش تھی۔

اس سفر میں جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا بھی ہمراہ تھیں۔ گویا رسول اللہ اپنی نورِ نظر کو ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں سے جدا کرنا نہ چاہتے تھے۔

غرض فریضۂ حج ادا ہوا۔ تمام احکام عملی طور پر مسلمانوں کو بتائے گئے۔ ارکان حج ادا ہوئے۔ رسول اللہ نے واپسی کا قصد فرمایا۔ اثنائے راہ میں جب مقام خم غدیر پہ پہنچے۔ جہاں سے اسلامیوں کا مجمع منتشر ہونے والا تھا۔ آپ نے تمام مجمع کو ٹھہر جانے کا حکم دیا جو لوگ آگے بڑھ گئے تھے۔ وہ واپس بلائے گئے جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کا انتظار کیا گیا۔

ٹھیک دوپہر کا وقت۔ گرمی کا موسم، دھوپ کی شدت۔ سورج آتش فشانیوں پر تلا ہوا تھا۔ اور زمین اس کی حرارت کو جذب کر کے تنور کی طرح دہک رہی تھی۔ سایہ کا کہیں کوسوں پتہ نہ تھا۔ ایسی جگہ قیام اور ایسے وقت میں قیام ضرور کوئی معنی رکھتا تھا ہاں! وہ اسرار جو سینۂ رسول میں دفن تھے۔ ان کی نسبت حکم ہو رہا تھا کہ اب ان کے اظہار کا وقت ہے اور یہی وقت ہے۔ وہ امانت جو سونپی گئی ہے۔ اب اس کے ادا

کرنے کا زمانہ آپہنچا۔ اس حکمِ محکم سے تخلف کسی طرح جائز نہیں۔ اس امانت کے ادا کرنے میں اگر کسی طرف سے نقصان پہنچنے کا خیال ہے تو یاد رکھو کہ خدا قوی و قادر ہے اور وہ تمہیں ہر قسم کی شرارتوں سے محفوظ رکھے گا۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر یہ امانت ادا نہ ہوئی۔ تو پھر تمام خدمات نسیاً منسیا ہو جائیں گی۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ؕ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو تم نے خدا کے پیغام کی تبلیغ نہیں کی۔ حاکم مطلق کے اسی حکم نے رسول اللہ کو آمادہ کیا کہ یہ رسالت اس شان سے پہنچائی جائے۔ کہ قیامت تک اس کے چرچے زبانوں پر اور اس کے اثرات دلوں پر باقی رہ جائیں۔

آپ نے کجاووں کو جمع کر کے ایک دوسرے پر رکھ کر منبر بنایا۔ اس پر کھڑے ہوئے شمس رسالت کے پہلو میں آفتاب امامت جلوہ گر تھا۔ پہلے آپ نے حاضرین کے سامنے ایک طویل اور فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ اپنی شان کا پہلا خطبہ تھا اور کہنا چاہیئے کہ یہی آخری خطبہ بھی تھا۔ اس خطبہ کے بعد آپ نے فرمایا ایھا النّاس الست اولیٰ بکم من انفسکم اے لوگو کیا میں تمہارے نفوس پر حاکم اور متصرف نہیں ہوں قالوا بلیٰ۔ سب نے بالاتفاق عرض کیا ضرور بالضرور۔

اگر کوئی بصیرت ایمان کی روشنی میں دیکھے تو اس کا دل ایسی کیفیتوں سے لبریز ہو جائیگا جن کا اظہار زبان سے ممکن نہیں ہے۔ خیال کرو اور عقل کی روشنی میں اپنی سابقہ حالت پر نظر ڈالو۔ اجسام و اجساد کی ابھی نمود نہیں۔ تکوین نفس ابھی علم الٰہی میں ہے۔ روحیں عالم ذر میں تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ خالق الارواح ان کو مخاطب کرتا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا مربی اور پرورش کرنے والا نہیں قَالُوا بَلیٰ سب اقرار کرتے ہیں کہ ہاں تو ہی پروردگار ہے۔ وہ نقش اول تھا۔ اب نقش ثانی کا بھی وہی رنگ

ہے۔وہی نغمۂ دلربائے "الست" جس کی یاد آج تک ذرات عالم کو بے چین کئے ہوئے ہے۔پھر حجاز کی سرزمین میں مظہر الوہیتہ کی زبان سے ادا ہوا۔ وہاں ادعائے ربوبیت تھا۔یہاں ادعائے ولایت ہے۔کیا یہ دونوں لفظ حقیقت واحدہ نہیں رکھتے۔کہ معنئ ربوبیت میں معنئ ولایت مضمر نہیں؟ کیا مفہوم ولایت مفہوم ربوبیت کو چھپائے ہوئے نہیں ہے۔ ؟۔

بعض متکلمین کا قول ہے کہ کلام خدا کے یہ معنی ہیں کہ وہ کسی جسم سے آواز پیدا کرتا ہے۔اسی کو کلام خدا کہتے ہیں۔اچھا اسے بھی تسلیم کر لو۔اور اس کا نتیجہ یہ نکال لو کہ کلام سے پہلے کسی جسم کا ہونا ضرور ہے جس سے یہ آواز بلند ہو۔اب کیفیت "الست بربکم" پر نظر ڈالو۔اس آواز کے لئے بھی کوئی جسم ضرور ہوگا جس نے صدا دی ہوگی اگر یہ جسم اول مخلوق کا جسم تسلیم کیا جائے تو کونسی قباحت لازم آتی ہے۔کہہ دو اور قلب مطمئن کے ساتھ کہہ دو کہ منادی اول بھی محمدؐ تھا جس نے اپنی تربیت اور اس کے ضمن میں خالق مطلق کی ولایت مطلقہ کا اقرار لیا۔اور منادی آخر بھی یہی ہے جو آج اپنی ولایت اور اسی کے ضمن میں ربوبیت کا اقرار لے رہا ہے۔ فھو الاول وھو الاخر و ھو الظاھر وھو الباطن۔

بہر طور وہی صدائے "الست" جسے مادی لباس میں آکر روح فراموش کر چکی تھی۔آج مظہر الوہیت نے اسی کی تجدید کی۔اور وہی نغمہ ہوش ربا جس نے ایک قہری اقرار وہاں لے لیا تھا۔آج بھی اسی صدا نے ہوش وخرد پر جال مار کر لوگوں کو فطرت اصلیہ کی طرف لوٹا دیا۔اور اپنی کامل حکومت کا رنگ دکھا کر سب کی زبانوں سے فریاد "بلیٰ" بلند کرا چھوڑی۔ ولہ اسلم من فی السموٰت والارض طوعًا و

کرھا والیہ یرجعون - زمین و آسمان اور جتنے ذوی العقول ان میں ہیں ۔سب کے سب خدا کے سامنے جھک گئے ۔ خواہ برغبت خاطر خواہ باکراہ ۔ سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑا ۔ اور سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے خشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا ھمسا ۔ تمام آوازیں رحمٰن (اور مظہر رحمٰن) کے سامنے پست ہیں مگر کوئی آواز سنائی دی بھی تو بہت خفیف جس کی کوئی وقعت نہیں ۔

حقیقۃً جب خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے جلوے دکھاتا ہے تو پھر کسی فسی بھی کی کیا مجال ہے کہ اس کے سامنے چون وچرا کر سکے ۔ اور جب اس کی حکمت پنجہ جبر گردنوں پر سے اٹھا لیتی ہے تو کچھ غوغا بلند ہوتا ہے ۔ یہی کیفیت مظاہر الہیہ کی ہے ۔ کہ جب وہ قوت قہریہ کا استعمال کر کے نفوس پر حکومت کرتے ہیں تو کسی کو سوائے "بلیٰ" کہنے کے چارہ نہیں رہتا ۔ بخ بخ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں لیکن جب حسب اقتضائے مصلحت لوگوں کو ان کے ارادے پر چھوڑ دیتے ہیں تو پھر انسان کچھ شور مچا لیا کرتا ہے

جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ جو خالق جل وعلےٰ کے مظہر اتم تھے ۔ ادھر ان کی زبان سے "الست ولیکم" نکلا ۔ اُدھر نفوس عالم نے بے اختیار ہو کر اقرار کی گردن جھکا دی ۔ معاً ہی آپ نے فرمایا فمن کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ ۔ سنو ، دیکھو توجہ کرو ۔ جس کا میں مولا اور حاکم ہوں اس کا علیؑ بھی مولا اور حاکم ہے ۔ جس طرح میری حکومت تمہارے نفسوں پر ہے ۔ اسی طرح علیؑ کی بھی حکومت ہے ۔ میری حکومت ظاہری کا زمانہ ختم ہوا ۔ اب اس کی حکومت کا زمانہ آگیا ہے تم چاہو یا نہ چاہو ۔ تمہارے قلوب اس کی انگلیوں میں ہیں ۔ یہ حکومت زائل ہونے والی نہیں ۔ اس کو کوئی چھین نہیں سکتا ۔ یہ نہ اجماع کی محتاج ہے نہ شوریٰ کی ۔ یہ ایک عطیہ خالق مطلق ہے اگر

کوئی اس حکومت کے سائے میں آجائے گا تو خود فلاح پائے گا۔ اور اگر کوئی انکار کرے گا تو خود اپنا ہی کچھ گنوائے گا۔ حاکم اور ولی زمانہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ فوجود امام لطف و نصبہ لطف اخر وعدمہ منّا وجود امام ایک لطف باری بحکم آیہ وَابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَۃَ (خدا تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈھ لو) ہر زمانے میں ایسا وجود وہ مقرر کرتا ہے۔ جو اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکے۔ اب رہا اس کا مسند ظاہری پر متمکن ہونا۔ اس کا ظہور و عدم ظہور ہماری سعادت و شقاوت پر ہے۔ اگر ہم میں اہلیت ہے۔ اور شیطان نے ہمارے دلوں کو اپنا آشیانہ نہیں بنا لیا۔ خلیفہ خدا کے پاس جائیں گے۔ اس کے احکام علی الاعلان ظاہر ہو سکیں گے۔ اس کے اوامر و نواہی سے دنیا مستفید ہو گی۔ اس کی تعلیم صحیح سے اہل قلوب فائدہ اٹھائیں۔ اور اگر ہمارے ہی دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں تو ہم اس کے مطیع نہ ہوں گے۔ پس حکومت ظاہری کی تعطیل کا سبب ہم ہی ہوتے ہیں اور اس کے نقصان ہماری ہی ذات کے لئے ہیں۔ امام برحق اور ولی مطلق پر اس سے کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ کیونکہ امور الٰہیہ کی بنا اختیار پر رکھی گئی ہے نہ کہ جبر پر۔ فافہم و تدبر

غرض وہ الفاظ اور اسلامی دنیا میں پیغمبرؐ کے مشہور و معروف الفاظ "من کنت" جب آپ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ تو آپ نے علی مرتضےٰ کا بازو پکڑ کر رکھا تھا اور اس قدر بلند کر رکھا تھا کہ دیکھنے والوں کو سفیدی بغل کی نورانی تحریر نظر آ رہی تھی۔

آپ منبر اور کجاووں یا پتھروں کے منبر سے یہ فرماتے ہوئے اترے اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہُ وَاخْذُلْ مَنْ

کرھا و الیہ یرجعون ۔ زمین و آسمان اور جتنے ذوی العقول ان میں ہیں ۔ سب کے سب خدا کے سامنے جھک گئے ۔ خواہ برغبتِ خاطر خواہ باکراہ ۔ سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑا ۔ اور سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے خشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا ھمسا ۔ تمام آوازیں رحمن (اور مظہر رحمن) کے سامنے پست ہیں مگر کوئی آواز سنائی دی بھی تو بہت خفیف جس کی کوئی وقعت نہیں ۔

حقیقۃً جب خداوندِ عالم اپنی قدرتِ کاملہ کے جلوے دکھاتا ہے تو پھر کسی ذی روح کی کیا مجال ہے کہ اس کے سامنے چون و چرا کر سکے ۔ اور جب اس کی حکمت یخ جبر گردنوں پر سے اٹھا لیتی ہے تو کچھ غوغا بلند ہوتا ہے ۔ یہی کیفیت مظاہرِ الٰہیہ کی ہے ۔ کہ جب وہ قوتِ قہریہ کا استعمال کر کے نفوس پر حکومت کرتے ہیں تو کسی کو سوائے "بلی" کہنے کے چارہ نہیں رہتا ۔ بخ بخ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں لیکن جب حسبِ اقتضائے مصلحت لوگوں کو ان کے ارادے پر چھوڑ دیتے ہیں تو پھر انسان کچھ شور مچا لیا کرتا ہے

جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہٖ جو خالقِ جل و علےٰ کے مظہرِ اتم تھے ۔ ادھر ان کی زبان سے "الست ولیکم" نکلا ۔ اُدھر نفوسِ عالم نے بے اختیار ہو کر اقرار کی گردن جھکا دی ۔ معاً ہی آپ نے فرمایا فمن کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ ۔ سنو ۔ دیکھو توجہ کرو ۔ جس کا میں مولا اور حاکم ہوں اس کا علیؑ بھی مولا اور حاکم ہے ۔ جس طرح میری حکومت تمہارے نفسوں پر ہے اسی طرح علیؑ کی بھی حکومت ہے ۔ میری حکومتِ ظاہری کا زمانہ ختم ہوا ۔ اب اِس کی حکومت کا زمانہ آگیا ہے تم چاہو یا نہ چاہو ۔ تمہارے قلوب اس کی انگلیوں میں ہیں ۔ یہ حکومت زائل ہونے والی نہیں ۔ اس کو کوئی چھین نہیں سکتا ۔ یہ نہ اجماع کی محتاج ہے نہ شوریٰ کی ۔ یہ ایک عطیۂ خالقِ مطلق ہے ۔ اگر

کوئی اس حکومت کے سائے میں آجائے گا تو خود فلاح پائے گا۔ اور اگر کوئی انکار کرے گا تو خود اپنا ہی کچھ گنوائے گا۔ حاکم اور ولی زمانہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ فوجود الامام لطف ونصبہ لطف اخر وعدمہ منّا وجود امام ایک لطف باری ہے بحکم آیہ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (خدا تک پہنچنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈھ لو) ہر زمانے میں ایسا وجود وہ مقرر کرتا ہے۔ جو اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہو سکے۔ اب رہا اس کا مسند ظاہری پر متمکن ہونا۔ اس کا ظہور وعدم ظہور ہماری سعادت وشقاوت پہ ہے۔ اگر ہم میں اہلیت ہے۔ اور شیطان نے ہمارے دلوں کو اپنا آشیانہ نہیں بنا لیا۔ تو خلیفہ خدا کے پاس جائیں گے۔ اس کے احکام علی الاعلان ظاہر ہو سکیں گے۔ اس کے اوامر ونواہی سے دنیا مستفید ہو گی۔ اس کی تعلیم صحیح سے اہل قلوب فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اگر ہمارے ہی دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں تو ہم اس کے مطیع نہ ہوں گے۔ پس حکومت ظاہری کی تعطیل کا سبب ہم ہی ہوتے ہیں اور اس کے نقصان ہماری ہی ذات کے لئے ہیں۔ امام برحق اور ولی مطلق پر اس سے کوئی اعتراض نہیں آسکتا۔ کیونکہ امور الٰہیہ کی بنا اختیار پر رکھی گئی ہے نہ کہ جبر پر۔ فافہم وتدبر

غرض وہ الفاظ اور اسلامی دنیا میں پیغمبرؐ کے مشہور ومعروف الفاظ " من کنت " جب آپ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ تو آپ نے علی مرتضےٰ کا بازو پکڑ کر رکھا تھا اور اس قدر بلند کر رکھا تھا کہ دیکھنے والوں کو سفیدی بغل کی نورانی تحریر نظر آرہی تھی۔

آپ منبر اور کجاووں یا پتھروں کے منبر سے یہ فرماتے ہوئے اترے اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ وَاخْذُلْ مَنْ

خذلہ"۔ خداوندا جو اسے دوست رکھے اُسے دوست رکھ۔ جو اسے دشمن رکھے اُسے دشمن رکھ۔ جو اس کی نصرت کرے اُس کی نصرت کر۔ اور جو اس کی برائی چاہے تو اسے مخذول فرما۔

اہلِ اسلام میں لفظ "مولا" پر بہت کچھ چہ میگوئیاں ہوئی ہیں۔ اور مشاجرات علمیّہ کا ایک اچھا خاصہ باب اسی لفظ پر کھل گیا ہے۔ افسوس ع

چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ناصر ومددگار اگر لفظ "مولا" کے معنی لئے جائیں تو جب بھی وہی مطلب حاصل ہے اگر دوست اس کے معنی قرار دئے جائیں۔ جب بھی اصل مطلب میں خلل نہیں پڑتا۔ پھر اس بڑی چھوڑنے سے کیا فائدہ نکلتا ہے۔ مفہومِ کلام یہ ہے کہ جو شان پیغمبر کی تھی۔ وہی شان علیؑ کی تسلیم کرنی پڑے گی۔ والسلام۔ بقول شاہ صاحب جائسی۔

عبث در معنی من کنت مولا میروی ہر سو

علیؑ مولا باں معنی کہ پیغمبر بود مولے

غرض حجۃ الوداع اور اعلانِ ولایتِ شوہرِ زہراؑ یہ دو زبردست کام تھے۔ جن سے فرصت ہو چکی۔ اور رسولؐ اللہ واردِ مدینہ ہوئے۔ واپسی کے وقت راہ میں رسولؐ اللہ پر حملہ بھی کیا گیا مگر اس پر مفصل بحث کرنا رسولؐ اللہ کی سوانحعمری لکھنے والے کا حصہ ہے

حجۃ الوداع سے واپس آکر تقریباً سوا دو مہینے گلِ سرسبدِ رسالت گلشنِ عالمِ اجسام کی زینت رہا۔ اس عرصے میں واقعاتِ مختلفہ ظہور میں آئے۔ جن کا مجموعی طور پر اہلبیتؑ سے زیادہ تعلق ہے۔ جن میں جنابِ فاطمہؑ داخل ہیں۔ اسی زمانے میں آپ نے باوقعاتِ مختلفہ فرمایا۔

انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ماان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی وانھما لن یفترقا حتٰی یردعلی الحوض۔

میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ ایک کتاب خدا۔ دوسری میری عترت میرے اہل بیت۔ جب تک تم ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے تو ہرگز ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہوگے اور بے شک یہ دونوں چیزیں باہم جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

اس حکم کی تعمیل اگر اسلام میں دیکھنا چاہو۔ تو حسبنا کتاب اللہ کی صورت میں آپ کو نظر آئے گا۔

اسی زمانہ میں مشہور واقعہ قرطاس دنیا میں نمودار ہوا۔ یعنی رسول اللہؐ نے بحالت بیماری کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا۔ اور کہا میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھے دیتا ہوں جس پر عمل پیرا ہونا تمہاری فلاح اور نجات کا سبب ہوگا۔

قصۂ قرطاس

یہ قصہ بھی اسلامی مناظرے کا ایک بہت بڑا باب ہے۔ اصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس کے مانع ہوئے۔ اور جن لفظوں میں ممانعت کی گئی ہے۔ ہم انہیں لکھنا بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اہلسنت کا یہ خیال ہے کہ حضرت عمر نے جو اس موقعہ پر فرمایا کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ یہ آن کا اجتہاد نہایت صحیح اجتہاد تھا۔ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کا اجتہاد رسول اللہؐ کے ارشاد کے مقابلے میں صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور

یہ خیال کرنا کہ رسول اللہ بدحواسی کی حالت میں ایسی درخواست کر رہے ہیں رسول اللہ کی انتہائی توہین ہے۔ سنی صاحبان نے معاملے کا ایک اور بھی منطقی پہلو نکال کر داد تحقیق دی ہے۔ وہ یہ کہ اول تو قرآن تمام و کمال نازل ہو چکا تھا۔ احکام جتنے تھے وہ سب آ چکے تھے۔ جس پر آیہ الیوم اکملت لکم دینکم گواہ ہے۔ پس اب جو رسول اللہ کوئی بات لکھنا چاہتے تھے۔ اور وہ از روئے وحی تھا۔ جس کا ادا کرنا واجب تھا تو حضرت عمر کی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ رسول اللہ کو ادائے فرض سے روک سکتے۔ رسول اللہ نے جو سکوت فرمایا۔ یا تو یہ کہو کہ آپ نے ترک واجب کیا اور یا یہ تسلیم کرو کہ وہ کوئی ضروری بات نہ تھی۔ اور حضرت عمر کی رائے اس بارے میں نہایت صحیح تھی۔

شیعہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ارشاد رسول کے موافق معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کا تعلق ہدایت امت سے تھا۔ اس میں تو شک و شبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کلمہ " اکتب لکم کتابا لن تضلوا" بتا رہا ہے اور اقلاً مد مقابل کو اتنا تو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ وہ امور جو ہدایت امت کے متعلق ہیں رسالت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اتنا تسلیم کر لینے کے بعد یہ دیکھو کسی نوشتے کے لکھنے سے یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ کسی امر جدید کو ہی رسول اللہ لکھنا چاہتے تھے بلکہ بہت ممکن ہے کہ انہیں معاملات کو جن کا امت پر اثر پڑنے والا تھا۔ قید قلم میں لانے والے ہوں۔ اس میں کونسی قباحت عقلی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ خود رسول اللہ نے کیوں سکوت فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ کا کام تبلیغ رسالت ہے۔ رسالت کی تبلیغ ہو چکی۔ رسول اللہ نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب فرض ان لوگوں کا تھا جن سے خطاب کیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ وہ قلم دوات نہیں لائے۔ ان کی عدول حکمی کا اثر رسول اللہ کی رسالت پر نہیں پڑ سکتا۔ وہ

ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے کیوں نہ ارشاد کی تعمیل کی۔ شیعہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جب یہ واقعہ ہوا یعنی رسول اللہ نے قلم دوات طلب کیا ہے تو اُس وقت اختلاف رائے ہوا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ قلم دوات لے آؤ۔ کچھ کہتے تھے کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ حالتِ مرض میں ایسا حکم دے رہے ہیں۔ اس میں آوازیں بلند ہوئیں۔ اور حاضرین نے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کا بھی خیال نہ رکھا۔ اُس وقت رسول اللہ نے فرمایا قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدِیْ التَّنَازُعَ۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے سامنے باہمی نزاع اور شور و شغب جائز نہیں ہے۔ جس پر اُن لوگوں کو اُٹھ کر چلا جانا پڑا۔ اب اگر حضرت علیؑ قلم دوات لے کر آتے تو اس کا فائدہ کیا تھا۔ اگر تحریر لکھی جاتی تو اُس تحریر کی نسبت بھی ہم آج یہ لفظ کتابوں میں دیکھتے کہ یہ تحریر زمانہ مرض کی ہے۔ بقائمی ہوش و حواس نہیں لکھی گئی لہٰذا اس پر عمل جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ فقہائے اسلام نے تو آج بھی رسول اللہ کو اپنے فتووں کا محکوم بنا رکھا ہے خواہ وہ کسی فریق کے ہوں۔

شیعوں کا خیال ہے کہ وہ تحریر حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق تھی۔ یعنی خم غدیر میں جن الفاظ کا اعلان رسول اللہ نے کیا تھا۔ اُنہیں باقاعدہ تحریر کرنا چاہتے تھے۔ اہل سنّت اس کے جواب یوں کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی خلافت کے متعلق رسول اللہ یہ تحریر لکھنے والے تھے جس کے متعلق کچھ روایات بھی پیش کی جاتی ہیں ہم حضرات اہل سُنّت سے ہی اتفاق کرتے ہوئے یہ ضرور کہیں گے کہ جس شخص نے ابوبکر صاحب کے لئے اس تحریر سے روکا وہ ان کا سخت دشمن تھا۔ اور اُس

نے بہت بڑے فساد کی بنیاد رکھ دی۔

خیر۔ اس دعوے کو تو آپ طرفین کے تعصب پر محمول کر لیجئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک غیر آدمی جس کو فریقین سے لگاؤ نہ ہو۔ جب اس واقعہ پر غور کرے گا۔ تو وہ کیا نتیجہ نکالے گا؟۔

واقعہ کی صحت میں تو کلام نہیں ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ متواترات اسلامیہ سے ہے۔ اب رہا یہ امر کہ حضرت عمر نے ممانعت کی یا کسی اور نے۔ اس اختلاف کو چھوڑ دیجئے۔ صرف اتنا لُبِ لباب لے لیجئے کہ ممانعت کی گئی۔ اس ثبوت کے بعد مندرجہ ذیل تنقیحیں قائم کر لیجئے۔

(۱) اگر رسول اللہ کوئی تحریر لکھ دیتے تو اس کا نتیجہ کیا ہوتا؟ آیا اُمت کی اس میں بہتری ہوتی؟ آیا اُمت میں اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوتا؟۔

تنقیح اوّل کی شق ثانی قابلِ قبول نہیں۔ اس لئے کہ اگر تحریر رسول کو مایہ فساد مانا جائے۔ تو لازم آئے گا کہ جتنے ارشادات رسول نے فرمائے ہیں جن میں سے اوّل نمبر قرآن کا ہے وہ بھی مایۂ فساد قرار دیئے جائیں۔ جسے کوئی مسلمان قبول نہیں کریگا۔

(۲) ممانعت جو تحریر سے ہوئی۔ آیا اس میں کچھ بہتری ظاہری ہوئی؟ اور اگر اس کا نتیجہ بہتر نکلا تو کیا یہ بہتری اس فائدے سے بڑھی ہوئی ہے جو تحریر ہو جانے کی حالت میں مترتب ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدم تحریر سے کسی فائدہ عمومی کا تصوّر نہیں ہوتا۔ پس ان تمام تنقیحات کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ رسول اللہ کے ارشاد کی اگر تعمیل ہو جاتی تو وہ یقیناً اُمت کے لئے بہتر بات تھی۔ اور جس شخص نے اس تحریر سے روکا۔ خواہ وہ کوئی ہو

وہ اُمّتِ مرحومہ میں ایک عظیم فتنے کا بانی قرار پاگیا۔ یہ نتیجہ ایک قہری نتیجہ ہے۔ جو واقعات کو جانچتے ہوئے نکالنا پڑے گا۔

اہلِ انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ اس واقعہ نے رسُول اللہ کے قلب پر کیا اثر کیا ہوگا۔ یہ زمانہ آپ کی بیماری کا زمانہ تھا۔ مرض روز بروز شدت پر تھا۔ اور آج اس زہر کا اثر نمودار ہو رہا تھا۔ جو خیبر میں آپ کو ایک زنِ یہودیہ نے دیا تھا۔

مرض کے زمانے میں فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اپنے پدر بزرگوار کے سرہانے بیٹھی رہتی تھیں۔ حسنینؑ کے چہروں پر اب اس مسرت کا خون ہی نہ رہا تھا۔ جو اب سے پہلے دیکھا جاتا تھا۔ نانا کے چہرے کو دیکھتے تھے۔ اور کلیجہ مسوس کر بیٹھ جاتے تھے۔ امیرالمومنینؑ کے متعلق تمام گھر کی سرپرستی تھی۔ جناب سیدہ ابرِ نوبہار کی طرح آنسو برساتی رہتی تھیں۔ اور رسُول اللہ صاحبزادی کو تسلّی و تشفّی دیا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ جب پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بیمار ہوئے تو آپ نے صاحبزادی کو بلایا۔ آپ تشریف لائیں تو مرحبا یا بنتی کہہ کر اپنے پاس دائیں طرف بٹھالیا۔ اور کچھ آہستہ آہستہ باتیں کیں۔ جنہیں سُن کر جناب سیّدہؑ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے اس کے بعد شاہنشاہِ دوعالم نے پھر کچھ آہستہ سے فرمایا۔ جسے سُن کر سیّدہؑ کے چہرے پر مُسرت کی جھلک نمودار ہوئی۔ حضرت عائشہ نے سوال کیا کہ ایک ہی وقت میں غم و مسرت کا اظہار کیا معنی رکھتا ہے؟ آپ سے رسُول اللہ نے کیا فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں حضرت کے راز کو افشا نہیں کر سکتی۔ یہ جواب فی الحقیقت ایک زبردست سبق تھا کتابِ اخلاق کا۔ غرض وہ وقت گذر گیا۔ بعد وفاتِ سرورِ کائنات پھر جناب عائشہ نے ایک دن پوچھا۔ آپ نے جواب دیا کہ پہلے آنحضرتؐ نے مجھے انتقال کی خبر دی۔

جس پر بی بی کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، دوبارہ فرمایا کہ کیا تم اس امر سے خوشنود نہیں کہ تم سیّدہ زنانِ جنت ہو۔ اور میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ اس خبر نے مجھے مسرور کر دیا۔

روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ رسولؐ خدا نے بیمار ہونے کے بعد حضرت فاطمہؑ کے ہی حجرے میں قیام فرمایا۔ اور اسی حجرے سے آپ کی مقدس روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز ہوئی۔ اس مرض کے دوران میں رسول اللہ کی یہ حالت تھی کہ جب شدت مرض سے افاقہ ہوتا تھا اپنے صاحبزادوں کو سینے سے لگا لیتے تھے صاحبزادے جب آنسو بہاتے تھے تو رسولؐ اللہ کی مقدس آنکھیں بھی اشک افشانی کیا کرتی تھیں۔

روایت ہے کہ ایک روز علالت کے زمانے میں اس قدر روئے کہ ریش مقدس آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ آپ اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اپنی ذریت کے حال پر رو رہا ہوں۔ اور ان مظالم پر آنسو بہا رہا ہوں۔ جو میری اُمت کے شریر میری اُمت پر وارد کریں گے۔ گویا میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کو دیکھ رہا ہوں کہ میرے بعد اس پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ وہ بابا۔ بابا کہہ کر چلاتی ہے اور کوئی اس کی مدد نہیں کرتا۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ذلت اس کے گھر میں داخل ہوئی اُس کی حرمت ضائع کی گئی۔ اس کا حق چھین لیا گیا وہ میراث سے ممنوع و محروم کر دی گئی۔ اس کا پہلو مجروح کیا گیا۔ جس سے اس کا بچہ ساقط ہوا۔ جناب سیّدہؑ ان کلمات کو سن کر زار زار رونے لگیں۔ آپ نے دلاسا دیا۔ جناب سیّدہؑ نے عرض کیا کہ میں اپنی مصیبتوں پر نہیں روتی۔ بلکہ آپ کی جدائی پر آنسو بہاتی ہوں۔ اس وقت پیغمبرؐ خدا

نے فرمایا کہ اے میری نور نظر۔ اے محمدؐ کی بیٹی خوش ہو کہ تم میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہوگی۔ بروایتے فرمایا کہ تم میرے بعد ساڑھے پچھتر دن سے زیادہ دنیا میں قیام نہ کرو گی۔ اور رحلت سے پہلے تمہارے پاس جنت کے میوے بطور تحفہ آئیں گے۔ اس خبر سے جناب فاطمہؑ نے تبسم فرمایا۔

روزِ مصیبت کبریٰ

انہیں حالات میں آخر وہ دن آ گیا جس دن اہل بیت کے سروں سے ایک ایسے سرپرست کا سایہ اُٹھنے والا تھا۔ جس کے اُٹھتے ہی اہل بیت کے سروں پر مصیبتوں کے بادل چھا جائیں گے۔ یہ دن دوشنبہ کا دن تھا۔ فاطمہؑ کی یتیمی کا دن تھا حسنینؑ کے گریبان چاک ہونے کا دن تھا۔ علیؑ مرتضےٰ کے خاک اڑانے کا دن تھا۔ اسلام کی تباہی کا دن تھا سرورِ کونین کی رحلت کا دن تھا۔ یہ وہ دن تھا جس کے بعد فاطمہؑ کی آنکھوں سے آنسو نہ تھما۔ یہ وہ دن تھا جس کے آتے ہی اہل بیت کی وقعتیں مسلمانوں کی نظروں سے اُٹھ گئیں۔ یہ وہ دن تھا جس دن اسلام کی کشتی طوفانِ اختلاف میں پڑنے والی تھی۔ یہ وہ دن تھا جس دن دین خدا کے ٹکڑے ہونے والے تھے۔ مسلمانوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی کھلنے والی تھی۔ اتفاق کی جگہ نفاق کے خاردار درخت لینے والے تھے اور اتحاد کے چمنستان پر ایک وقتِ معلوم تک کے لئے اوس پڑنے والی تھی۔ یہ وہ دن تھا۔ کہ جبرئیل اپنا تاجِ تقدس پھینکنے والے تھے۔ یہ وہ دن تھا جس دن شیطان کے لشکر میں سرور و مسرت کی شراب کا دور چلنے والا تھا۔ یہ وہ دن تھا جس دن مسلمان اپنے نبیؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک نہ ہونے سے اقوامِ عالم کی نظر میں ذلت و رسوائی کا

لباس پہننے والے تھے۔ یہ وہ دن تھا جس دن وحی تنزیلِ قرآن کا سلسلہ ٹوٹنے والا تھا یہ وہ دن تھا کہ مدینے کی گلیاں فیضِ قدمِ پیغمبرؐ سے محروم ہونے والی تھیں۔ یہ وہ دن تھا جس دن اہلِ بیت کے گھر میں تاقیامِ قائم صفِ ماتم بچھنے والی تھی۔ اسلام کی زندگی میں یہ ایک عظیم الشان انقلاب کا دن تھا۔ دنیائے ایمان میں کہرام مچ جانے کا روز تھا۔ اور عرب کی شرافت کا وہ تاج ڈھلنے والا تھا جس نے وحشیانِ عرب کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کے بازار میں لا کھڑا کر دیا۔

قیامت کا دن۔ قیامتِ کبریٰ کا دن۔ اور وہ دن جس کی نحوست دنیائے اسلام پہ چھا جانے والی تھی۔ شمسِ رسالت غروب ہونے کے قریب تھا۔ تاریکیاں پھیلنے والی تھیں۔ اور زمین و آسمان میں صدائے دلخراش قدماتِ محمدؐ گونجنے والی تھی۔

یہی سورج جو آج چمک رہا ہے اُس دن بھی درخشاں تھا مگر تابندگی میں اُداسی مل ہوئی تھی۔ یہی آسمان جو آج سایہ فگن ہے اُس دن بھی تھا۔ لیکن اُس دن سے اندوہ و ملال اور انتہائی اندوہ و ملال کی بارشیں ہو رہی تھیں۔ یہی چاند۔ یہی ستارے۔ یہی ستارے اُس دن بھی اپنی اپنی درخشندگی اور سیر میں معروف تھے لیکن روشنی کی کرنوں میں تاریکی مل جل رہی تھی۔ اور ہر ستارے کی چال میں وہ بیتابی و بیقراری مضمر تھی۔ جسے رقصِ بسمل کہا جا سکتا ہے۔

رسولِ اللہ پر غشی کا غلبہ تھا۔ فاطمہؑ سرہانے بیٹھی زار زار رو رہی تھیں۔ حسنینؑ کے ننھے ننھے گریبان چاک تھے۔ اور معصوم چہرے نانا کی طرف تک رہے تھے ایک ایک نگاہ میں ہزار ہزار مایوسیاں تھیں۔ اور ایک ایک نظر میں لاکھ لاکھ اداسیاں اتنے میں دروازے پر ایک اعرابی نے آواز دی کہ اے اہلِ بیتِ نبوت۔ مجھے اجازت

دیجیے۔ حاضرِ خدمتِ رسولؐ ہونا چاہتا ہوں۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ رسول اللہؐ میں اس وقت ملاقات کی حالت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر اس نے آواز دی۔ کہ مجھے اجازت عطا ہو۔ پھر عذرِ ناسازیٔ طبع کیا گیا۔ تیسری مرتبہ وہ شخص زور سے چلایا۔ رسول اللہؐ نے آنکھیں کھول دیں۔ سیّدہ کے چہرے کا رنگ پہلے ہی متغیر تھا۔ پوچھا۔ جانِ پدر! کیا ہے۔ اضطراب کیسا ہے؟ عرض کیا۔ بابا جان! ایک شخص دروازے پر کھڑا ہے اذنِ ملاقات چاہتا ہے۔ اور ایسے نازک وقت میں ملنا چاہتا ہے۔ فرمایا اے فاطمہؑ اے نورِ نظر! آنے دو! اسے اذن دو۔ یہ تمہارے اذن کا طالب ہے۔ فاطمہؑ جانتی ہو یہ کون ہے؟ یہ عورتوں کو بیوہ کرنے والا ہے۔ یہ بچوں کو یتیم کرنے والا ہے۔ یہ قابض الارواح ہے۔ یہ ملک الموت ہے۔ فاطمہؑ! یہ تمہارے گھر کا شرف ہے کہ بغیر اذن اس کی مجال نہیں کہ یہاں قدم رکھ سکے۔ ورنہ اسے کہیں اذن لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ منزلت خدا نے تمہارے ہی گھر کو عطا کی ہے۔ اب اسے بلا لو! جانِ پدر! بلا لو۔ وقت آپہنچا اور تمہاری یتیمی کی ساعت سر پر آگئی۔ سیّدہؑ نے ان جگر خراش کلمات کو سنا۔ آنے والے کو اذن دیا گیا۔ وہ حاضرِ خدمت ہوا سلام کیا۔ اور پہلوئے رسولؐ میں بیٹھ کر عرض پرداز ہوا۔ کہئے خادم کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ ٹھہرو۔ ملک الموت ٹھہرو۔ جبرئیل آنے والے ہیں۔ انہیں آلینے دو۔ رسول اللہؐ نے صاحبزادوں کو سینہ سے لگا لیا۔ ان کی خوشبو سونگھی۔ پیار کیا۔ صبر و شکر کی تلقین فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آج جہنم سرد کر دیے گئے۔ تمام آسمانوں میں آرائش کی گئی ہے۔ جنّتیں دلہن بن رہی ہیں۔ انبیاء آپ کے استقبال کے لئے ایستادہ ہیں۔ اب آپ کی کیا مرضی ہے

آپ نے فرمایا یہ سب خدا کا فضل و احسان ہے۔ میں اب اس کی لقا کا طالب ہوں غرض جبرئیل سرہانے بیٹھے۔ ملک الموت کو اذن دیا گیا۔ وہ اپنے کام میں مشغول ہوا۔ فاطمہؑ دیکھ رہی تھیں۔ حسنینؑ تک رہے تھے۔ علی مرتضےٰ حسرت و یاس کی نگاہیں ڈال رہے تھے کہ مسند آرائے مملکتِ قدس نے عالمِ قدس کی طرف رجعت فرمائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اسی ایک ہاتفِ غیبی نے آواز دی۔ السّلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامۃ۔ اے اہل بیت نبوت تم پر سلام ہو۔ خدا کی رحمتیں اور اس کی برکتیں تم پر نازل ہوں۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے بروز قیامت تمہارے اجر پورے پورے تمہیں دیے جائیں گے۔

اس واقعہ پر اہل بیت کی جو حالت ہوئی قلم میں قدرت نہیں کہ اس کا نقشہ کھینچ سکے۔ دماغ میں گنجائش نہیں کہ اس کے تصور کا متحمل ہو سکے۔

علی المرتضےٰ نے تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔ اپنے بھائی کو خود اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ کفن پہنایا۔ نماز پڑھی۔ اور وہ نورانی جسم جو حاملِ انوارِ رسالت تھا۔ سپرد خاک کر دیا گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے اور کھلا ہوا واقعہ کہ متعدد اصحاب میں سے کسی کو اپنے رسولؐ کے جنازے پر نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ سوائے سلمانؓ و ابوذرؓ و عمارؓ اور مقدادؓ کے جو غریب مسجد میں بیٹھے رو رہے تھے۔ اور کوئی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ انصار میں سے ایک قبر کن کا نام بتایا جاتا ہے کہ وہ بے چارہ آ گیا تھا۔ چند خاندان کے لوگ تھے۔ جنہوں نے بزرگِ خاندان کی یہ آخری خدمت انجام دی۔ وہ نہ

کرتے تو اور کون کرتا۔ وہ پیغمبرؐ کے لاشے کو چھوڑ سقیفہ میں جا نہیں سکتے تھے۔ اب صاحبان تاویل اس عدم شرکت کی کچھ ہی تاویل کیا کریں۔ تاویل میں مدمقابل بھی آزاد ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ وقت گذر گیا۔ بات رہ گئی۔ اور ہمیشہ کے لئے رہ گئی۔ ابتدائے فتنہ انصار کی طرف سے ہو یا مہاجرین کی طرف سے۔ اس فتنے کا ابتدائی نتیجہ تو یہی تھا۔ کہ تجہیز و تکفین پیغمبرؐ کی نوبت نہ آئی۔ گویا پیغمبرؐ سے قطع تعلق ہو گیا۔ قبل اس کے کہ قطع تعلق کا وقت آئے۔ پھر یہ قطع تعلق روز بروز بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ آج بعد المشرقین کی نوبت پہنچ گئی۔ ہمارا اسلام اب رسمی اسلام ہے۔ اور ہمارا ایمان رسمی ایمان۔ زبان پر پیغمبرؐ کی نعت ہے۔ اور دل شیطان کی قصیدہ خوانی کر رہا ہے۔ یہ حالت عام طور سے مسلمانوں کی ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ اس حمام میں سب برہنہ نظر آ رہے ہیں

فانّا للہ وانّا الیہ راجعون

باب نہم

پیغمبرؐ کے بعد فاطمہؑ زہرا کی حالت

فاطمہ زہراؑ کے مرثیے

جس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ وہی کچھ اس کی حقیقت سے خبردار ہوتا ہے دنیا کی دیکھا دیکھی چار آنسو بہا لینے اور چیز ہیں۔ لیکن ان میں اس خون کی جھلک نہیں

ہوتی۔ جو دل سے ٹپکا کرتی ہے۔ یہ خون فاطمہ زہراؑ کے ہی آنسوؤں میں ملا ہوا تھا۔ یہ ناسور فاطمہ زہراؑ کے ہی کلیجے میں پڑا تھا۔ جس کا رِسنا تا دمِ مرگ بند نہ ہوا۔

جب رسول اللہ کو حجرۂ خاص میں دفن کر دیا گیا تو جناب سیّدہ بے تاب ہو کر قبرِ مطہر پہ پہنچیں۔ قبرِ مطہر سے خاک اٹھائی۔ منہ پر مل لی۔ اور فرمانے لگیں۔

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ   اَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا   صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

سنگھائی آپ کی تربت کی بو مقدر نے   نظر میں اب گل و ریحان ذرا نہیں آتے

پڑے وہ مجھ پہ مصائب تمہاری فرقت میں   دنوں پہ آن کے پڑتے تو رات ہو جاتے

کبھی کبھی ٹوٹے دل سے اس طرح فریاد بلند ہوتی تھی۔

اِذَا اشْتَدَّ شَوْقِىْ زُرْتُ قَبْرَكَ بَاكِيًا   اَنُوْحُ وَاَشْكُوْ مَا اَرَاكَ مُجَاوِبِىْ

قبر پہ آپ کی زیارت کو !   شوق با چشمِ خوں چکاں لایا

شکوہ و نوحہ۔ سب کیا لیکن   کچھ نہ فریاد کا جواب آیا

اَيَا سَاكِنَ الْغَبْرَاءِ عَلَّمْتَنِى الْبُكَاءَ   وَذِكْرُكَ اَنْسَانِىْ جَمِيْعَ الْمَصَائِبِ

مکینِ خاکِ یثرب رونقِ دیں عرش کے تارے   مجھے رونا سکھایا ہاں سکی نے اشک افشانی

تمہاری یاد کا صدمہ دل پر ایسا صدمہ ہے   کہ جس کے سامنے سارے مصائب ہو گئے پانی

فَاِنْ كُنْتَ عَنِّىْ فِى التُّرَابِ مُغَيَّبًا   فَمَا كُنْتَ عَنْ قَلْبِىْ الْحَزِيْنِ بِغَائِبٍ

طپش کی اضطرابِ قلب کی حالت یہ پہنچی ہے   کہ ہم چین سے بستر پہ اک دم سو نہیں سکتے

چھپایا خاک میں یہ چاند سا چہرہ چھپا لیجے   مگر قلبِ حزیں سے آپ غائب ہو نہیں سکتے

دل کا درد جب زیادہ بے چین کرتا ہے اور کسی پہلو آرام نہ ملتا تھا تو آہوں کا

دھواں اس طرح بلند ہوتا تھا۔

نَفْسِیْ عَلٰی زَفْرَاتِهَا مَحْبُوْسَةٌ ‏ یَا لَیْتَهَا خَرَجَتْ مَعَ الزَّفَرَاتِ

راحت و آرام کے پہلو کہاں؟ ‏ اشک امڈے ہیں لگی ہیں ہچکیاں

دم گھٹا جاتا ہے دم۔ اے جعفر ‏ ہچکیوں کے جال میں جان ہے اسیر

جان نکلے تو یہ حالت ختم ہو ‏ کاش اسیری کی یہ مدت ختم ہو

اسی سوز و گداز میں آپ نے اپنی زندگی کے مختصر دن پورے کئے۔ اور کسی وقت بھی آنسو آپ کی آنکھوں سے نہ تھما۔ خود رسول اللہ کی موت کیا کم تھی۔ کہ ان کے انتقال کے ساتھ ہی چاروں طرف سے آفات کا حملہ شروع ہو گیا۔ اپنے پرائے نظر آنے لگے۔ اور وہی آنکھیں جو فاطمہؑ کے سامنے جھکی رہتی تھیں۔ اب ان میں نمایاں کجی کے آثار دیکھے جا رہے تھے۔

اس مقدس خاتون کی گریہ و زاری۔ آہ و فریاد اور نالہ و بکا کے واقعات سے کتابیں لبریز ہیں جنہیں دیکھ کر پتھر قلب بھی موم ہو جائے۔ ان واقعات کا ایک جگہ جمع ہونا بھی دشوار ہے۔

بلالؓ کی اذان اور سیّدہ کی بے ہوشی

ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں روایت کی ہے کہ جناب رسولخدا کی وفات کے بعد بلالؓ نے اذان دینی موقوف کر دی تھی ایک روز جناب سیّدہ نے خواہش کی کہ میں اپنے پدر بزرگوار کے موذن کی آواز سننا چاہتی ہوں۔ بلالؓ حضرت کی خواہش کے مرافق گلدستہ اذان پر کھڑا ہوا۔ جب بلالؓ نے کہا "اللہ اکبر" جناب سیّدہؑ

سے ضبط نہ ہوا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ جب بلال رضؓ نے کہا۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ۔ سیّدہ مطہرہ نے ایک آہ کھینچی اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ سیّدہ نے دنیا سے رحلت کی۔ بلال رضؓ سے کہا کہ اذان موقوف کرو۔ بلال خاموش ہو گئے۔ جب سیّدہ ہوش میں آئیں تو بلال رضؓ سے فرمایا کہ اذان تمام کریں۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے سیّدۃ النساء۔ اے رسول کی یادگار۔ مجھے خوف ہے کہ جب آپ میری اذان سُنیں گی تو ہلاک ہو جائیں گی جناب سیّدہ نے اسے معاف رکھا۔

اندوہ فاطمہ فضہ رضؓ کی زبانی

ورقہ ابن نوفل نہدی بیان کرتا ہے کہ میں ایک سال حج کے لئے گیا۔ اثنائے طواف میں ایک کنیزِ گندم گون کو دیکھا کہ خدا کی درگاہ میں نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں دُعا کر رہی تھی۔ اے پروردگار۔ اے خانۂ محترم کے پروردگار۔ اے ملائکہ حافظین کرام کے پروردگار۔ اے زمزم و مقامِ ابراہیم کے پروردگار۔ اے ان مقاماتِ مقدسہ کے پروردگار جو عبادت گاہ خاص و عام ہیں۔ اے بہترینِ خلق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پروردگار۔ میری التجا ہے کہ تو مجھے ان ساداتِ طاہرین اور ان کی ذرّیت کے ساتھ محشور کر جن کے چہرے عرصۂ محشر میں منوّر ہوں گے جو صاحبانِ یمن و برکت ہیں۔ اے جماعتِ حاجیان و عمرہ کنندگان آگاہ رہو کہ میرے آقا اور مالک بہترین نیکوکار اور برگزیدہ ابرار ہیں۔ جن کا مرتبہ تمام حاجیوں سے بلند ہے۔ اور جن کے ذکرِ خیر کا نزدیک و دور شہرہ ہے۔ اور وہی لوگ صاحبانِ مجد و افتخار ہیں۔

ورقہ کہتا ہے کہ میں نے اس کنیز سے پوچھا کہ تو مجھے دوستانِ اہل بیتؑ سے

معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ جب نام پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میں فضہؑ کنیز حضرت زہراؑ ہوں۔ میں نے کہا مرحبا۔ خوشا حال تیرا۔ میں تیرے کلام کا مشتاق تھا۔ میں تم سے ایک سوال کا جواب لینا چاہتا ہوں۔ جب تم طواف سے فارغ ہو چکو تو غلہ بیچنے کے بازار میں ٹھہر کر میرا انتظار کرنا۔ اگر ایسا کرو گی تو خداوند عالم تمہیں اس کا اجر و ثواب بحساب عطا فرمائے گا۔

بعد طواف جب میں واپس ہوا۔ اور اس بازار سے گذرا تو دیکھا جناب فضہؑ ایک گوشے میں تنہا بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں نے بہ نیت ہدیہ ان کی خدمت میں کچھ پیش کیا اور کہا اے فضہؑ میری مخدومہ فاطمہ زہراؑ کا جو حال تم نے ان کے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد دیکھا ہے۔ اس سے اطلاع دو۔ یہ سنتے ہی فضہؑ رونے لگی۔ اور کہا اے ورقہ تم نے اس آگ کو بھڑکا دیا۔ جو سینے میں دبی ہوئی تھی۔ سنو! ان کا واقعہ یہ ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو اہل بیت میں سب چھوٹے بڑے مغموم تھے۔ سب کے سب گریہ وزاری اور نالہ و بیقراری کر رہے تھے۔ لیکن میری خاتونِ معظمہ کی گریہ وزاری تمام اہل زمین و آسمان سے زیادہ تھی۔ اور ان معصومہ کا غم و اندوہ زیادہ ہی ہوتا جاتا تھا سات دن تک خانہ نشین رہیں مگر ایک پل بھی آنسو بہانے سے فرصت نہ ملی۔ جب آٹھواں دن ہوا تو دردِ پنہاں نے ظہور کیا۔ بیتابانہ شب کے وقت گھر سے باہر نکل آئیں صدائے نوحہ بلند کی۔ ان کی گفتار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جناب رسول اللہ کلام فرما رہے ہیں۔ اُس وقت تمام خورد و کلاں عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں سے نکل کر اس معصومہ کے گرد جمع ہوئے اور آواز گریہ بلند کی۔ ہر طرف سے لوگوں کا مجمع ہونے لگا رستے کے چراغ گل کر دیئے گئے۔ تاکہ نامحرموں کی نظر عورتوں کے چہروں پہ نہ پڑے

عورتوں نے گمان کیا کہ جناب رسول اللہ مرقد سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ مردوں پر ایک وحشت واضطراب کا عالم طاری تھا۔ جناب سیدہ نوحہ کرتی تھیں۔ اے پدر بزرگوار، اے برگزیدۂ خداوند عالم۔ اے محمد مصطفےٰ۔ اے بیوؤں کے پالنے والے اے اپنے یتیموں کے سرپرست۔ قبلہ و مصلیٰ کے لئے اب کون ہیں جو آپ سے عبادت گذار ہو۔ کون ہے اب آپ کی عاشق بیٹی کی دلداری کرنے والا۔ وہ بیٹی جو آ کو زن پیر مردہ کی طرح ہو رہی ہے۔

آپ اپنے پدر بزرگوار کے روضے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اضطراب کا یہ حال تھا کہ معصومہ کے پاؤں دامن میں اُلجھے جاتے تھے۔ اشکباری کا یہ عالم تھا کہ چہرے پہ آنسو رواں بن رہے تھے۔ اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ جب قبر منور کے پاس پہنچیں۔ حجرہ رسالت مآ پر نظر پڑی اور گلدستہ اذان کو دیکھا تو آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگیں۔ اور یہ قلق ہوا کہ غش آ گیا۔ عورتوں نے پانی لا کر چہرۂ اقدس پر چھڑکا۔ غش سے افاقہ ہوا۔ اٹھیں اور فرمایا کہ طاقت وقوت میری زائل ہو گئی۔ اس حال سے دشمن خوش ہو گئے۔ اور انہیں شماتت کا موقعہ ملا۔ آہ! یہ غم جو میرے سینے میں ہے۔ میرا قاتل ہو گیا۔ اے بابا آپ کی رحلت کے بعد میں تنہا و پریشان اور حیران و بے ہوش رہ گئی۔ آپ کی مفارقت سے میری آواز ضعیف ہو گئی۔ کمر شکستہ ہے۔ زندگی خراب ہے۔ اور زمانہ میری نظر میں تاریک ہے۔ اے بابا آپ کے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو میری تنہائی اور وحشت کا مونس ہو۔ اور اس مصیبت میں میری دلداری کرے۔ اے بابا! کوئی میرا آنسو پونچھنے والا باقی نہ رہا۔ کون ایسا ہے جو از راہ غمخواری مجھے رونے سے روکے اور میرے ضعف میں میری نصرت و مدد کرے۔ آپ کے بعد احکام قرآن کا آنا اور جبرئیل و میکائیل کا اترنا احکام قرآن کیساتھ

ہو گیا۔ اے بابا۔ آپ کے خویش و اقربا مجھ سے پھر گئے۔ اور خوشی و سرور کا دروازہ
میرے لئے بند ہو گیا۔ میں آپ کے بعد دنیا سے بیزار ہوں۔ اور جب تک دم میں دم
ہے۔ آپ پر آنسو بہاتی رہوں گی۔ جب تک زندہ ہوں۔ نہ آپ سے ملنے کا شوق
کم ہو گا۔ اور نہ اس غم و اندوہ میں زوال آئے گا۔

پھر ایک فریاد کی۔ آہ کی اور چند شعر انشا فرمائے۔ جن کا ماحصل یہ ہے۔ "اے
بابا میرا حزن آپ پر ہر دم تازہ ہے۔ اور دل میرا آپ کی ملاقات کے لئے مشتاق و
اندوہ۔ اندوہ میرا ہر روز ترقی پر رہے گا۔ غم آپ کا مجھ سے دور نہ ہو گا۔ میری مصیبت
بہت بڑی مصیبت ہے۔ میرا صبر جاتا رہا۔ اور غم و اندوہ ہر طرف سے مجھ پر ٹوٹ
پڑا۔ قسم خدا کی جو دل آپ کی مصیبت میں صبر کرے وہ دل نہیں پتھر ہے۔
آہ! آپ کے انتقال کے بعد سب روشنیاں قطع ہو گئیں۔ وہ تر و تازگی جو
آپ کے دم سے تھی۔ اب کہاں؟ روز روشن تیرہ و تار ہو گیا۔ اور چاندنی راتیں شب
دیجور بن گئیں۔ اے بابا میں آپ کی وفات پر برابر تاسف کروں گی۔ یہاں تک کہ آپ
سے ملاقات کروں۔ آپ کے دردِ فراق سے میری آنکھوں کی نیند جاتی رہی اور جب
آپ دنیا سے سدھارے۔ تو اب بیواؤں اور مسکینوں کی پرورش کون کرے گا۔ کون
ان کا ہادی ہو گا۔ اور کون ان سے بہ شفقت پیش آئے گا۔ اے بابا۔ آپ کے بعد
ہم ضعیف و حقیر ہو گئے۔ اے بابا آپ کے بعد ہم سے لوگوں نے منہ پھیر لئے۔ آپ
کی زندگی میں ہم خلائق کے نزدیک معظم و مکرم تھے۔ اب ہم ضعیف و ناتوان ہیں۔ آہ! کونسا
آنسو ہے کہ آپ کے فراق میں جاری نہ ہو۔ اور کونسا غم و اندوہ ہے کہ آپ کے بعد
منقطع ہو جائے۔ کونسی وہ آنکھ ہے جس میں آپ کے بعد نیند کا سرمہ لگایا جا سکتا ہے

اے بابا! آپ دین اسلام کی بہار تھے۔ اس کی تر و تازگی تھے۔ پیغمبروں کے نور اور ان کی روشنی تھے۔ پہاڑ کیوں نہ جنبش میں آئیں۔ دریا کیوں نہ خشک ہوں۔ زمین پر زلزلہ کیوں نہ آئے۔ اے بابا! مجھے بے انتہا صدمہ ہے۔ میری یہ مصیبت عظیم ترین مصائب میں سے ہے۔ یہ ایک نہایت شدید حادثہ ہے۔ جس میں ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اے بابا آپ کے غم میں ملائکہ ملاء اعلےٰ نے خونفشانی کی۔ آپ کے غم میں افلاک ساکن ہو گئے آپ کا منبر آپ کے بغیر وحشتناک ہے۔ آپ کی محراب عبادات و مناجات سے خالی ہے۔ آپ کی قبر آپ کے آنے سے مسرور و خوشحال ہے۔ اے بابا! آپ کے مکان تاریک ہو گئے۔ اے بابا! ابوالحسنؑ جو آپ کے دونوں فرزندوں کے باپ ہیں۔ آپ کے بھائی ہیں۔ آپ کے دوست ہیں۔ آپ کے حبیب ہیں۔ جنہیں آپ نے کمسنی میں پرورش فرمایا۔ جنہیں آپ نے اپنا بھائی قرار دیا۔ تمام مہاجر و انصار میں جن کا مرتبہ آپ کے نزدیک زیادہ ہے۔ وہ ابوالحسنؑ گرفتارِ مصیبت ہو گئے۔ اور اس غمِ مفارقت میں وہ میرے شریک ہیں۔ ان کلمات کے بعد آپ نے آہِ پُرسوز کھینچی۔ ایک نعرہ کیا کہ قریب تھا آپ کا طائرِ روح پرواز کر جائے۔ پھر کچھ اشعار فرمائے جن کا ما حصل یہ ہے "خاتم الانبیاء کے گم ہونے کے بعد میرا صبر قلیل ہو گیا۔ اور شکیبائی نے مجھ سے کنارہ کشی کی۔ اے آنکھ اشکبار ہو۔ وائے ہو تجھ پر کہ تو اشک ریزی میں بخل کرتی ہے۔"

بیت الحزن

شب و روز فاطمہؑ کی بیقراری کا یہی عالم تھا۔ اس حال کو دیکھ کر شیوخ مدینہ مجتمع ہو کر خدمت امیرالمومنینؑ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ اے ابوالحسنؑ فاطمہؑ شب و روز

گریہ وزاری کرتی ہیں۔ ایک ساعت بھی ان کا آنسو نہیں تھمتا۔ اس باعث سے ہماری نیند اڑ گئی۔ اور دن میں ہمیں قرار نہیں آتا کہ طلب معاش کریں۔ آپ فاطمہؑ سے کہیں کہ یا دن کو روئیں یا رات کو۔ امیر المومنینؑ سیّدہؑ کے پاس تشریف لائے۔ جناب فاطمہؑ نے جب آپ کو دیکھا تو کچھ خاموش ہوئیں۔ آپ نے مدینے والوں کی عرضداشت گزشگذار کی۔ معصومہؑ نے فرمایا کہ اے ابوالحسنؑ یہ لوگ میری گریہ وبکا سے کیوں تنگ ہیں۔ حالانکہ میری زندگی اب بہت قلیل ہے۔ اور جدائی کا زمانہ قریب قسم خدا کی میں شب وروز نالہ وزاری سے قرار نہ لوں گی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ سے ملحق ہو جاؤں۔

حضرت امیرؑ نے آپ کے رونے کے لئے مدینے سے باہر بقیع میں ایک مکان بنوا دیا۔ اور بیت الاحزان اس کا نام رکھا۔ جب وہ گھر تیار ہو گیا تو جناب سیّدہؑ کا معمول تھا کہ صبح کے وقت حسنینؑ کو ہمراہ لے کر مدینے سے روتی ہوئی نکل جاتی تھیں اور مقابر شہدائے اُحد پر بیٹھ کر گریہ وزاری کرتی تھیں۔ جب شام ہوتی تھی تو امیر المومنینؑ تشریف لے جاتے تھے۔ اور ان معصومہؑ کو اپنے گھر لے آتے تھے۔ یہی حال رہا۔ حتیٰ کہ ان معصومہؑ کو مرض الموت لاحق ہوا۔

فتنۂ خلافت

اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد جناب سیّدہؑ کو ہر طرف سے ہجوم والام نے گھیر لیا تھا۔ رسول اللہ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے خلافت کا فتنہ اٹھا اور جس قدر فتنے اسلام میں پیدا ہوئے۔ سب اسی فتنۂ اولیٰ کی یادگار ہیں۔

ایک صاحب نظر جب غور کرتا ہے تو اسے اسلام میں عجیب وغریب تماشا

نظر آتا ہے۔ ادھر تو مسلمانوں کی جامع کتاب (قرآن) یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہر رطب و یابس اس میں موجود ہے۔ اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ تمام احکام ضروری اس میں موجود ہیں۔ اور ایک طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعد رسول اللہ اس کتاب نے مسلمانوں کے مسئلہ خلافت میں ذرا بھی رہنمائی نہ کی اور کہیں ہم کو نظر نہیں آتا کہ صاحبانِ شوریٰ نے اس کتاب سے استدلال کیا ہو۔ آج اگر آیات سے واقعات کی حقیقت پر استدلال لایا جاتا ہے۔ تو یہ ہماری خوش اعتقادیوں کا نتیجہ ہے۔ جس کی حقیقت ایک مبصر کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ رسول اللہ نے اتنے مہتم بالشان مسئلہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ اور لوگوں کے اختیار میں اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ کمیٹی بازی کا نتیجہ جو ہم آج کل دیکھ رہے ہیں۔ وہی اُس وقت بھی ہوا۔ ہر شخص نے آرزو کی گردن بلند کی۔ اور جس کی وقت نے مساعدت کی۔ وہی مسندِ رسول کا وارث بن بیٹھا۔ بنی اُمیّہ کی حکومتیں اور گنہگار حکومتیں اسی شوریٰ کی یادگار ہیں۔

بہر طور پہلی کمیٹی میں جو سقیفۂ بنی ساعدہ میں ہوئی۔ حضرت ابوبکر نامزد ہوئے ہم اس پر اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے کہ یہ نامزدگی اچھی تھی یا بری۔ یہ رائے زنی اس وقت ہمارے منصب کے خلاف ہے۔ ہم جناب سیّدہ کے حالات لکھ رہے ہیں۔ اور ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جناب سیّدہ پر اس خلافت کا کیا اثر پڑا۔

جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اور لوگوں کو بھی بیعت کی طرف دعوت دی گئی۔ بنی ہاشم کی بیعت کے لئے خاص جدّوکد عمل میں آئی چنانچہ حضرت امیرالمومنینؑ جب خلیفہ وقت کے سامنے آئے۔ تو آپ فرما رہے تھے۔ اَنَا اَحَقُّ بِھٰذَا الْاَمْرِ

منکم و انتم اولی بالبیعۃ لی۔ میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ہوں۔ اور تمہیں سزاوار ہے کہ میری بیعت کرو۔ تم نے انصار سے قرابت رسول کی حجت پیش کر کے خلافت کو لیا۔ اور ہم اہل بیت سے غضب کرتے ہو۔ اور بلا حجت و دلیل بیعت کرانی چاہتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم خلافت کے اس لئے زیادہ مستحق ہو کہ رسول تم میں سے تھا اور اس بنا پر انہوں نے تمہاری اطاعت قبول کر لی۔ پس جب میں تمہارے اُوپر وہی حجت لاؤں اور کہوں کہ ہم رسول کے حق کے زیادہ مستحق اور اولی تر ہیں۔ اور اقرب الخلق الی رسول اللہ ہیں تو تم ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو ورنہ تم اس ظلم کے وبال میں دیدہ و دانستہ گرفتار ہو۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ تم کو ہرگز بغیر بیعت کے نہ چھوڑا جائے گا۔ فرمایا تم ایسا کام کرو جس کا حصّہ تمہیں ملے۔ اور ان (حضرت ابو بکر) کے لئے اس کو مضبوط و محکم کرو۔ تاکہ کل ان کے بعد تمہاری طرف لوٹے پھر فرمایا میں ہرگز تمہاری بیعت نہ کروں گا۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں مجبور نہیں کرتا۔ پھر آپ نے ابو عبیدہ جراح کی تقریر کے جواب میں فرمایا۔ اے گروہِ مہاجرین خدا کو یاد کرو۔ اور سلطنتِ محمدی کو اس کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ۔ اور اس کے اہل کو اس کے مقام سے دور نہ کرو۔ خدا کی قسم اے گروہِ مہاجرین ہم سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ کیونکہ ہم ہی اہل بیت نبوت ہیں۔ اور ہم ہی اس کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ جب تک ہم میں قاری قرآن فقیہ دینِ خدا۔ عالمِ سنن رسول اللہ امرِ رعیت کے انتظام پر قادر۔ ان سے امورِ شنیعہ کو دفع کرنے والا اور سب میں بالسویہ تقسیم کرنے والا موجود ہے۔ فلا تتبعوا الھوی فتضلوا عن سبیل اللہ فتزدادوا من الحق بعدا۔ اپنی خواہشات

کی پیروی نہ کرو۔ راہِ خدا سے بھٹک جاؤ گے۔ اور خدا سے دُور ہی ہوتے چلے جاؤ گے۔

اِس واقعہ کے بعد حضرت خلیفۂ ثانی دروازۂ فاطمہؑ پر آئے۔ جب کہ بنی ہاشم وہاں موجود تھے۔ ان کو پکارا۔ وہ باہر نہ نکلے۔ حضرت خلیفۂ ثانی نے لکڑیاں منگائیں اور پکار کر کہا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ باہر نکلو ورنہ گھر کو آگ لگا دوں گا۔ اور مع اہلِ خانہ گھر کو پھونک دوں گا۔ اُن کے ساتھیوں نے کہا اے ابو حفص! اس میں تو فاطمہؑ بھی ہے۔ کہا اگرچہ وہ بھی ہو۔ پس وہ لوگ نکل آئے اور سوائے حضرت علیؑ کے سب نے بعیت کرلی۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے حلف کیا ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں۔ کندھے پر چادر نہ ڈالوں گا۔ اور باہر نہ نکلوں گا۔ پس حضرت فاطمہؑ زہرا دروازے پر تشریف لائیں۔ اور فرمانے لگیں۔ میں ان لوگوں سے کبھی نہ ملوں گی جو اس بُری طرح سے یہاں آئے۔ تم نے رسولؐ اللہ کا جنازہ چھوڑ دیا۔ اور اپنا معاملہ طے کر لیا نہ ہم سے مشورہ لیتے ہو نہ ہمارا حق واپس دیتے ہو۔ بعد ازاں حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کیوں اس شخص کو پکڑ کر بعیت نہیں لیتے۔ انہوں نے اپنے غلام قنفذ کو بھیجا۔ جب وہ آیا تو حضرت نے فرمایا۔ تمہارا کیا مطلب ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ کو خلیفہ رسولؐ بلاتے ہیں۔ فرمایا لسریع ما کذبتم علی رسول اللہ۔ تم نے بہت جلد رسولؐ اللہ پر بہتان باندھا۔ اس نے واپس جا کر یہی کہہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ اُن سے جا کر کہو کہ امیر المومنین تم کو بلاتے ہیں۔ جب اُس نے یہ پیغام پہنچایا تو آپ نے ارشاد کیا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَقَدْ ادَّعیٰ مَا لَيْسَ لَهٗ۔ سبحان اللہ اُس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے سزاوار نہیں ہیں۔ غلام نے یہ پیغام بھی پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکر اسے سن کر رونے لگے۔ اب حضرت عمر چند شخصوں کو لے کر

دروازۂ فاطمہ پر آئے۔ دق الباب کیا۔ جب دختر رسولؐ نے ان کی آواز سنی۔ باوازِ بلند چلائیں: یا ابت یا رسول اللہ ماذا لقینا بعدک من ابن الخطاب و ابن ابی قحافہ۔ اے بابا! اے پیغمبر خدا! آپ کے بعد ہمیں خطاب کے بیٹے اور ابو قحافہ کے بیٹے کی طرف سے کیا کیا دیکھنا پڑا۔ یہ آواز سن کر لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے۔ اور حضرت عمر مع چند آدمیوں کے باقی رہ گئے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کو باہر نکالا۔ اور خلیفہ صاحب کے پاس لے گئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ یا تو بیعت کرو۔ ورنہ گردن ماری جائے گی۔ آپ نے فرمایا۔ تو بندۂ خدا اور برادرِ رسول اللہ کو قتل کروگے۔ جس کے جواب میں کہا گیا کہ بندۂ خدا ہونا تو قبول ہے لیکن برادرِ رسول ہونا تسلیم نہیں۔ حضرت ابوبکر اس وقت خاموش تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا تم کیوں ان کے باب میں اپنا حکم صادر نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک فاطمہؑ ان کے گھر میں ہے میں ان کو مجبور نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ قبرِ رسول اللہ پر تشریف لے گئے۔ اور قبر سے لپٹ کر روتے ہوئے فرماتے تھے یا ابن اُمّ ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ اے ماں جائے قوم نے مجھے ضعیف کر دیا۔ اور قریب ہے کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔

اسی ضمن میں انتزاعِ فدک کا معاملہ بھی پیش آ چکا تھا۔ اور جناب فاطمہؑ اپنی وراثت سے محروم کی گئی تھیں۔ اس معاملہ پر انہیں صفحات میں مفصل بحث کی جائے گی۔ ان دونوں واقعات سے سیدہ کے دل پر جو اثر پڑا تھا۔ وہ محتاجِ تشریح نہیں۔ چنانچہ جن کی طرف سے یہ امر واقع ہوا تھا خود ان کو بھی اقرار تھا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا کہ آؤ فاطمہ کے پاس چلیں اور ان کو راضی کریں۔ کیونکہ ہم نے ان کو ناراض اور غضبناک کیا ہے۔ دروازۂ فاطمہ زہرا پر

تشریف لے گئے۔ اجازت چاہی آپ نے اجازت نہ دی۔ پھر دونوں حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ ان سے گفتگو کی۔ آپ انہیں اندر لے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو سلام کیا تو انہوں نے جواب سلام نہیں دیا۔ جب پاس بیٹھے تو انہوں نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو شروع کی۔ اور محبت آمیز کلمات میں فرمانے لگے کہ میں تو تمہیں اپنی بیٹی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ میں تمہارے حق اور تمہاری شرافت کو پہچانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم میراثِ رسولؐ کی وارث ہو۔ مگر میں نے تو اس لئے یہ لیا کہ حضرت سے میں نے سنا ہے کہ ہم ورثہ نہیں چھوڑتے۔ اور جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں رسول اللہ کی ایک حدیث تم کو سناؤں۔ جسے تم جانتے ہو۔ کیا تم اس پر عمل کرو گے اور اس کی تصدیق کرو گے۔ دونوں صاحبوں نے فرمایا ضرور۔ بالضرور فرمایا۔ میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ تم نے کیا رسول اللہ سے نہیں سنا۔ رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی رضائے فاطمہؑ میری رضا سے ہے اور غضب فاطمہؑ میرے غضب سے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھا۔ اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے اس کو خوش کیا اس نے مجھ کو خوش کیا۔ اور جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھ کو غضبناک کیا۔ دونوں صاحبوں نے کہا کہ ہاں ہم نے اس حدیث کو رسول اللہ سے سنا ہے۔ اس پر سیدہ نے فرمایا کہ میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے غضبناک کیا ہے او مجھے رضامند نہیں کیا۔ اور بیشک جب میں رسول اللہ سے ملاقات کروں گی تو ان سے ضرور تمہاری شکایت کروں گی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں تمہارے اور رسولؐ

کے عتاب وغضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور اتنا روئے کہ قریب تھا دم نکل جائے ۔ اور فاطمہؑ کہہ رہی تھیں، قسم خدا کی میں ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کروں گی۔ اب حضرت ابوبکر روتے ہوئے باہر نکل گئے۔ لوگ گرد جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم تو اپنی اپنی بیویوں کو بغل میں لے کر آرام سے سوتے تھے۔ اور مجھے اس مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ مجھے تمہاری بیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔

یہ واقعات خلافت الٰہیہ مؤلفہ مولانا مولوی سید محمد سبطین صاحب سے نقل ہوئے ہیں۔ اور صاحب موصوف نے علامہ ابن قتیبہ دینوری کی مشہور کتاب کتاب الامامة والسیاسة سے ان واقعات کو لیا ہے۔ علامہ موصوف تیسری صدی کے مشہور مورخ ہیں۔ اور ان کی وفات ۲۷۶ھ میں ہوئی ہے۔

ان واقعات سے آپ جو چاہیں نتیجہ نکالیں۔ ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد بجائے اس کے کہ کوئی فاطمہؑ کو تسلی دینے والا نکلتا۔ ان واقعات نے اور دل کو زخم زخم کر دیا۔

اس ہنگامۂ احراق میں اور بھی صدمات رونما ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل تاریخ مذکور میں نہیں ہے۔ مگر دوسری تاریخوں میں اس کی تشریح موجود ہے۔

ذکر الواقدی قال زید ابن اسلم کنت ممن حمل الحطب مع عمر الی باب فاطمةؑ حین امتنع علیؑ واصحابه عن البیعة ان یبایعوا فقال عمر لفاطمة اخرجی من البیت والا احرقته ومن فیه قال وفی البیت علیؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ وجماعة من اصحاب النبی فقالت فاطمةؑ تحرق علی ولدی قال

ای واللہ اولیخرجن ولیبایعن۔

واقدی بیان کرتا ہے کہ زید ابن اسلم کا بیان ہے کہ جب علیؑ اور ان کے اصحاب نے بیعت سے انکار کیا تو میں ان لوگوں میں سے تھا جو فاطمہؑ کے دروازے پر حضرت عمر کے ساتھ لکڑیاں لے کر گئے تھے۔ پس حضرت عمر نے فاطمہؑ سے کہا۔ اے فاطمہؑ گھر سے نکل جاؤ ورنہ میں مکان کو جلا دوں گا۔ گھر میں سے کسی نے کہا کہ گھر میں تو علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور اصحاب نبیؐ کی ایک جماعت ہے۔ اس وقت فاطمہؑ نے فرمایا کیا تم میرے بیٹوں کو جلا دو گے۔ جواب ملا کہ ہاں قسم خدا کی ورنہ یہ لوگ نکل کر بیعت کریں۔

طبری کی عبارت اس مقام پر یہ ہے۔

اتی عمر ابن خطاب منزل علیؑ وفیہ طلحہؓ و زبیرؓ و رجال من المھاجرین وقال واللہ لاحرقن علیکم او لتخرجن الی البیعۃ

عمر ابن خطاب علیؑ کے مکان پر آئے۔ اس میں طلحہ و زبیر اور کچھ مہاجرین موجود تھے حضرت عمر نے آواز بلند کہا کہ یا تو بیعت کے لئے باہر نکل آؤ۔ ورنہ قسم خدا کی اس گھر کو تم پر جلا دوں گا۔

فاضل شہرستانی اپنی مشہور کتاب ملل و نحل میں نظام معتزلی سے اس قصہ کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

ان عمر ضرب بطن فاطمۃ یوم البیعۃ حتی اسقطت المحسن من بطنھا وکان عمر یصیح احرقوھا بمن فیھا وما کان فی الدار غیر علی وفاطمۃ والحسنؑ والحسینؑ۔

بروز بیعت حضرت عمر نے شکمِ اقدس فاطمہؑ پر ضرب پہنچائی جس سے محسنؑ کا اسقاط ہوا۔ اور حضرت عمر چیخ رہے تھے کہ اس گھر کو مع گھر والوں کے جلا دو۔ اور گھر میں سوائے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کوئی نہ تھا۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحبِ تحفہ اس واقعہ کی تاویل یُوں فرماتے ہیں۔ "وتخصیص سوختن دریں تہدید مبنی بر استنباط دقیق است از حدیث پیغمبر کہ آں حضرت در حق کسانے کہ در جماعت حاضر نمی شدند و با امام اقتدا نمی کردند۔ ہمیں قسم ارشاد فرمودہ بودند۔ کہ ایں جماعت اگر از ترک جماعت باز نخواہند آمد خانہ ہا را بر ایشاں خواہم سوخت و چوں ابوبکر امام منصوب کردہ پیغمبرِ خدا بود و آنہا ترک اقتدائے امام بحق بخاطرِ خود ہا می اندیشیدند در رفاقتِ جماعتِ مسلمین نمی کردند مستحق ہمان تہدید شدند۔"

"مطلب عبارت یہ ہے کہ حضرت عمر نے جو گھر جلانے کی دھمکی دی۔ اصل میں یہ ایک استنباطِ دقیق پر مبنی ہے جو حدیث پیغمبرؐ سے کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے لئے جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ اور امام کی اقتداء نہیں کرتے تھے یہی ارشاد فرمایا تھا کہ یہ جماعت اگر ترکِ جماعت سے باز نہ آئی تو میں گھروں کو ان پر جلا دوں گا۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر پیغمبرِ خدا کے نصب کردہ امام تھے۔ اور یہ لوگ امامِ بحق کی اقتدا ترک کرنے کی ٹھان رہے تھے۔ اور جماعتِ مسلمین کی رفاقت نہیں کرتے تھے لہٰذا اسی تہدید اور دھمکی کے مستحق تھے۔

شاہ صاحب کا یہ ارشاد نہایت دلچسپ ہے۔ اس کا فلسفہ بہت گہرا فلسفہ ہے مگر ہم اس پر اس وقت رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔ ہاں اتنا مطلب ضرور نکالتے ہیں کہ اس ارشاد کی بنا پر بھی تخویفِ احراق عمل میں آئی۔

اس امر کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو کہ اصولاً یہ فعل کیسا تھا۔ جائز تھا یا ناجائز۔ اچھا تھا یا بُرا۔ کیونکہ جو اس فعل کو اچھا سمجھ رہا ہے۔ وہ ہمارے سمجھانے سے اُسے بُرا نہیں سمجھے گا۔ وہ شاہ صاحب کے قول سے متمسک ہوگا۔ یا ہماری باتوں کی طرف توجہ کرے گا۔ اسی طرح جو اس فعل کو بُرا سمجھ رہے ہیں وہ محض شاہ صاحب یا کسی اور صاحب کے فرمانے سے اس فعل کے حُسن کے قائل نہ ہوں گے۔ لہٰذا ان دونوں گروہوں کو اس معاملے میں تکلیف نہ دو۔ ہاں اتنا اقرار ہر شخص سے لینا پڑے گا کہ یہ واقعہ ہوا۔ اور اس کا اثر جناب فاطمہؑ کے مجروح قلب پر اچھا نہیں پڑا۔ اور بس۔ اب آگے اپنے اپنے تعلقات ہیں۔ جن کو فاطمہؑ سے تعلق ہے وہ فاطمہؑ کے ساتھ رہیں گے اور جن کو حضرات شیخین سے توسل ہے وہ انہیں کے دامن سے متمسک رہیں گے۔ اپنی اپنی قبر اور اپنے اپنے اعمال کل حزب بما لدیھم فرحون۔ دنیا کا قانون ضرور یہی ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس فرحت کا نتیجہ بھی فرحت پر مشتمل ہو۔

ہمیں ہرگز یہ پسند نہیں ہے کہ ہم اہل بیت نبوت کو خواہ مخواہ مصائب میں مبتلا دیکھیں لیکن اگر زمانہ دکھائے تو اس حالت میں ہم انکار کیونکر کر سکتے ہیں۔

ایک عامیانہ اعتراض اور اُس کا دفاع

جناب فاطمہ زہراؑ کو فتنۂ خلافت میں جن صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن کی طرف مندرجہ بالا سطریں اشارہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ فرقۂ شیعہ میں جو روایتیں ان واقعات کے متعلق آئی ہیں۔ اُن کا قصداً ذکر نہیں کیا گیا۔ انہیں سطور سے ان حوادث کے وقوع میں کوئی شک نہیں رہتا۔ لیکن بعض خوش فہم ان واقعات سے انکار کرتے

ہیں۔ اور اس انکار پر جو دلیل لائی جاتی ہے وہ عجیب و غریب ہوتی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ علیؑ شیرِ خدا تھے۔ بہادر تھے۔ شجاع تھے۔ جواں مرد تھے۔ غرضیکہ اُن کی شجاعت کی خود غرضانہ تعریف میں فصاحت و بلاغت کا دریا بہا دیا جاتا ہے اور پھر نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ اُن کے سامنے کیونکر کسی کی مجال ہو سکتی تھی۔ جو جناب سیدہؑ کی طرف انگلی اُٹھا سکے یا ترچھی نظر سے دیکھ سکے۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ یہ ایک استبعادِ وہمی ہے جو کسی قاعدۂ عقلی پر مبنی ہے۔ یہ استبعادات کسی تاریخی واقعہ کو۔ کہ غلط ثابت نہیں کر سکتے۔ اصل یہ ہے کہ ان غریبوں کو اعتراض کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ اعتراض کی شکل یوں پیدا کرو۔

یہ واقعات جناب سیدہؑ پر گذرے اور علیؑ مرتضٰے کے سامنے گذرے۔ ان کی شجاعت اور غیرت سے یہ امید نہیں تھی کہ یہ واردات اور سنگین واردات ظاہر ہو۔ اور وہ خاموش بیٹھے دیکھا کریں۔ گویا اعتراض اگر پیدا ہو گا تو بادی النظر میں حضرت علیؑ کی شجاعت و غیرت پر پیدا ہو گا۔ اس سے اصل واقعہ کی تغلیط لازم نہیں آئے گی بعض نادان شیعہ بھی اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔

ہم اس اعتراض کے دفیعے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اگر معترض نیک نیتی سے یہ اعتراض کر رہا ہے۔ اور اس کا مقصد اصلی "استفہام" ہے تو وہ اپنا اعتراض واپس لے لے گا۔ ورنہ اگر اس کی نیت صرف اعتراض کرنے کی ہے سمجھنا مقصود نہیں ہے تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

معترض کو پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ شجاعت کسے کہتے ہیں؟ شجاعت فی الحقیقۃ اقسامِ صبر سے ہے۔ معرکہ جہاد میں تلواروں کی آنچ میں کھڑا ہونا۔ اور کارزار کی سختیوں

پر صبر کرنا کبھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا۔ معرکہ سے فرار نہ کرنا۔ اسی کا نام شجاعت ہے۔ شجاعت اس کا نام نہیں ہے کہ ایک تن تنہا آدمی ہزاروں کو فنا کر دے۔

یہ شجاعت تو یقیناً علیؓ مرتضیٰ میں ہے۔ انہوں نے اعدائے دین کے مقابلے میں معرکے سے منہ نہیں موڑا۔ اب رہا یہ واقعہ یعنی فتنہ خلافت۔ اس میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا اس وقت تلوار کھینچنا مناسب تھا یا وہی طریق عمل انسب تھا جو علی مرتضیٰؓ سے ظہور میں آیا۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اس دنیا میں اگر ہر شخص کو اسباب ظاہری کی ضرورت ہے۔ اور اس کے افعال اکثر و بیشتر اسباب ظاہری کے تابع ہوتے ہیں۔ قوت باطنی کسی درجے کی ہو مگر قانون الٰہی ہے کہ سب کو اسباب ظاہری کا پابند رکھا جائے۔ الا یہ کہ مصلحت اس کے خلاف داعی ہو۔ مثال اس کی بہت واضح ہے۔ جناب رسول اللہؐ کی قوت باطنی کا تو یقیناً معترض کو بھی اعتراف ہوگا لیکن جب تک ایک کافی تعداد جان نثاروں کی مہیا نہ ہوئی۔ اس وقت تک آپ نے جہاد نہیں کیا۔ اور جو جو اذیتیں کفار کے ہاتھوں سے آپ پر وارد ہوئیں۔ سب کو برداشت کرتے رہے۔

اب علیؓ مرتضےٰ کی حالت دیکھو کہ اس فتنے کے وقت کیا تھی۔ آپ کے ساتھ سوائے چند بنی ہاشم کے اور کوئی نہ تھا۔ ہاں تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سفیان نے آکر علیؓ مرتضےٰ سے کہا کہ اگر آپ حق طلبی کے لئے کھڑے ہوں تو صحرائے مدینہ کو سواروں۔ پیادوں سے بھر دوں گا۔ ان کی یہ درخواست مسترد کر دی گئی۔ یہ مسترد کرنے کے ہی قابل تھی۔ اس لئے کہ اموی سازش صلح و آشتی اور ہمدردی کے لباس میں اپنا کام نکالنا چاہتی تھی۔ پس علیؓ مرتضےٰ اس تنہائی کی حالت میں اگر تلوار اٹھاتے تو اس کا لازمی

نتیجہ یہ تھا کہ مٹھی بھر بنی ہاشم برسرِ اقتدار جماعت کا کچھ نہ بگاڑ سکتے۔ قتل ہوتے اور یہ قتل ارتداد کا عوض قرار دیا جاتا۔ اور آج ان لوگوں کے نام مرتدین کی فہرست میں لکھے ہوئے نظر آتے۔ وہ حسنؑ و حسینؑ جو باغِ رسالت کے خوشنما پھول تھے۔ قبل اس کے کہ ان کو زہر اور خنجر سے شہید کیا جائے۔ مدینے کی گلیاں ان کے خون سے رنگین ہو جاتیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان اس واقعہ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ میرے دوست! یہ محض حُسنِ ظن ہے۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی عبارت آپ کو زیرِ نظر رکھنی چاہیئے جس سے ظاہر ہے کہ دروازۂ فاطمہؑ پر آگ اور لکڑیاں پہنچیں جلا دینے کی دھمکی دی گئی۔ مسلمانوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور کسی قسم کا اظہار ملال نہ کیا۔ نہ ان میں کوئی شورش پیدا ہوئی۔ نہ ان کے دل پر کوئی چوٹ لگی۔ صاف الفاظ میں علیؑ مرتضیٰ کو قتل کی دھمکی دی گئی۔ مسلمان سامنے ہی موجود تھے۔ دیکھ رہے تھے۔ کونسے دل نے ان واقعات سے اثر لیا۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس ہنگامے میں اگر حسنینؑ کے گلوں تک نوبت پہنچتی۔ تو مسلمان اس گوارا نہ کرتے۔ یہ خیال ہی خیال ہے اس وقت بھی مسلمان گوارا کرتے اور آج بھی۔ ان کا یہ فعل کسی نہ کسی دقیق استنباط پر مبنی قرار دیا جاتا۔

الغرض علیؑ مرتضےٰ اگر تلوار کھینچتے تو بنی ہاشم اور ممکن ہے ان میں سے بھی کچھ لوگ برسرِ حکومت جماعت سے مل جاتے۔ اور خصوصاً فاطمہ زہراؑ کے خاندان کا اسی وقت خاتمہ ہو جاتا۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعض کلمات میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے اس موقعہ پر صبر کیا۔ اور حسنینؑ کی خون ریزی مجھ سے نہ دیکھی گئی۔ مجھے اس معاملہ میں بخیل ہونا پڑا۔

یہ فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہ تھا۔ اہل بیت کے دروازہ سے جو فیوض کہ آج تک

پہنچ رہے ہیں۔ جن معارف و حقائق کا اس دروازہ سے ظہور ہوا۔ جو علوم و کمالاتِ نبوّت اس دروازہ سے روشن ہوئے۔ وہ سب کے سب ایک دم منقطع ہو جاتے۔ علیؑ و فاطمہؑ کا نام لینے والے جتنے آج دیکھے جا رہے ہیں۔ اور تقریباً سبھی مسلمان اس میں شریک ہیں ان کی تعداد کی جگہ صفر نظر آتا۔

میرے معترض دوست! دولت بہت بُری چیز ہے۔ حکومت کا نشہ بدترین نشہ ہے۔ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ یہ بڑے امتحان کا مقام ہے۔ ہم دُور کیوں جائیں۔ آج اپنے نفسوں کی طرف کیوں نہ دیکھیں۔ ابھی ابھی ہم قوم کے جاں نثار تھے۔ قوم کے فدائی تھے۔ لیکن ابھی تو نہیں سبھی۔ جاہ و جلال کی جھلک نظر آئی۔ اور ہم تمام اپنے خیالاتِ سابقہ سے دست بردار ہو کر آئندہ خوشنما امیدوں کے گہوارے میں جھولنے لگے۔

یاد رکھو! جیسے انسان آج ہیں ویسے ہی پہلے بھی تھے۔ یہ ہمارا حسنِ اعتقاد ہے کہ ہم اُن کو اپنے سے بہت ہی افضل و برتر سمجھ رہے ہیں۔ آفتابِ اسلام کی تابشیں جیسی اس وقت پڑ رہی تھیں آج بھی پڑ رہی ہیں۔ مگر یاد رکھو۔ ان درخشندگیوں کا فیض جذب کرنے کے لئے بھی قابلیتِ ذاتی کی ضرورت ہے۔ سورج کی شعاعوں کا اثر پہاڑ کے کسی قطعہ میں لعلِ شب چراغ پیدا کرتا ہے۔ کہیں ہیرا بن جاتا ہے۔ کہیں ویسے ہی پتھر جو آج سے ہزاروں برس پہلے تھے۔ پڑے ہیں۔ جذبِ فیض کے لئے قابلیتِ ذاتی کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ اہلبیت کے موالیوں کی تعداد ہمیشہ سے تھوڑی رہی ہے یہ ایک بدیہی مسئلہ ہے۔ مگر کبھی اس کے اسباب پر بھی آپ نے نظر ڈالی۔ اسباب اس کے بہت روشن ہیں۔ وہ یہ ہے کہ حکومت کا پلّہ زبردست ہمیشہ اہلبیت کے خلاف

رہا۔ اب سمجھو کہ اگر ابتدا ہی میں اہل بیت کا قتل وقوع ظہور میں آجاتا۔ تو اول تو یہ واقعہ تاریخوں میں درج ہی کیوں ہونے لگا تھا۔ اور اگر ہوتا بھی تو معمولی طور سے۔ کون اس سے دلچسپی لیتا۔ کس کو غرض ہوتی۔ غرض ان اسمائے متبرکہ یا تو صفحاتِ تاریخ سے مٹ ہی جاتے۔ یا اگر دھندلے سے نقش ونگار باقی بھی رہ جاتے تو کسے ان کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہوتی۔ ہاں عجب نہیں کہ مدینے کی اس پہلی لڑائی کو "قتالِ اہلِ ردہ" کا لقب مل جاتا۔

کبھی اُمید نہ رکھو کہ کسی حکیم اور ربانی حکیم سے ایسا فعل ظہور میں آئے۔ جس میں ہزاروں مفاسد لازم آئیں۔ اور ہدایتِ خلق کا سدِ باب ہو جائے۔

یہ تو تلوار کھینچنے کی حالت میں اپنے خاندان کی حالت ہوتی۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ لڑائی اگر ہوتی تو طرفین کا ہی قتل وقوع ہوتا۔ مسجدِ نبوی میں خون کے فوارے اُچھلتے اور مدینہ کی گلیاں لالہ زار بن جاتیں۔ اِس خانہ جنگی کا نتیجہ جو کچھ ہوتا وہ ظاہر ہے اسلام کے لئے پُوری پُوری تباہی کا سامنا تھا۔ وہ منافقین جن سے مدینہ بھرا ہوا تھا ولبقول مصنف اشہاۃ الاتہ) مٹھی بھر مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے دیتے؟ کھلم کھلا زمانۂ جاہلیت کی طرف عود کر جاتے۔ کیا خانہ جنگی کی حالت میں اُمید کر سکتے ہو کہ بنو عدی، یا بنو تیم کی حکومت باقی رہ جاتی۔ رنگ ہی کچھ اور ہوتا۔ اسلامی دنیا کا نقشہ بدل جاتا۔ اسی امر کی طرف امیر المومنینؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ جب حضرت فاطمہؑ نے ان سے سوال کیا کہ آپ اپنا حق کیوں نہیں طلب کرتے۔ اور یہ سوال اسی لئے کیا گیا تھا۔ تاکہ دنیا ان وجوہات سے واقف ہو جائے۔ اور اہل بیتؑ کے عذرات ان کے کانوں تک پہنچ جائیں۔ آپ نے اس کا جواب دیا۔ اور اُس وقت دیا۔ جب کہ اذان کی صدا مسجد سے

سے بلند ہوئی۔ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ پکارا گیا۔ آپ نے فرمایا کر کیا یہ کلمہ دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے تلوار کھینچنے سے نہ صرف اہلِ بیت کی تباہی ہوتی بلکہ اسلام کا نام بھی دنیا سے مٹ جاتا۔ کیا شجاع اور غیور اسی کو کہتے ہیں کہ نہ صرف اپنی نسل کو دنیا سے مٹا دے بلکہ دینِ الٰہی پر بھی ایک تاریک چادر ڈال دے۔

دنیا کا عجیب رنگ ہے۔ یہ نہ اُلٹی لی جاتی ہے۔ نہ سیدھی۔ آج تو یہ کہتے ہیں کہ علیؑ نے بزدلی سے کام لیا۔ پھر اُس وقت یہ کہتے کہ علیؑ نے اپنی ذاتی خواہش اور حُبِّ ریاست وجاہ کی بدولت نہ صرف اپنے آپ کو تباہ کیا۔ بلکہ اسلام کو زک پہنچا دی۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ بیت کا مسلک حکیمانہ مسلک تھا۔ اگر اس وقت تلوار کھینچنے میں اسلام کی بہتری ہوتی تو علی مرتضٰے ہرگز دریغ نہ کرتے اور کبھی اپنی تباہی پر توجہ نہ کرتے۔ اس خاندان کا طریقہ یہی ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام جو صفاتِ علوی کے وارث تھے۔ اُنہوں نے کر کے دکھا دیا۔ لیکن باوجودیکہ آپ کا کارنامہ ایسا روشن کارنامہ ہے۔ جو آفتاب کی طرح دنیا کے آسمان پر چمک رہا ہے پھر بھی بعض کوتاہ نظر دبی زبان سے کہہ ہی جاتے ہیں کہ آپ نے تقیہ کیوں نہ کر لیا عجیب تماشہ ہے۔ پس ایسے معترضین کا جواب اہلِ عقل کے پاس سوائے سکوت اور کچھ نہ ہونا چاہیئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ علیؑ مستجاب الدعوات تھے۔ کیوں نہ بددعا کی۔ تاکہ یہ سب ہلاک ہو جاتے۔ ایسا معترض انبیاء و اوصیاء و اولیاء کے حالات سے نابلد ہے۔ اس کا جواب الزامی یہی کافی ہے کہ تمام انبیاء و اوصیاء اور سب سے زیادہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ

نے مخالفین کے ہاتھوں سے ایذائیں برداشت کیں۔ مگر کیوں نہ بددعا کی۔ اس کا جواب کیا ہے؟ اور جواب تحقیقی اس اعتراض کا یہ ہے کہ جب تک تمام وہ بغض اور کینے جو اہلِ عناد کے دلوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ بالکلیہ ظاہر نہ ہولیں۔ جب تک ان کے حیثیات ان کو نہ گھیر لیں۔ اس وقت تک بددعا نہیں کی جاتی۔ اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ خود ان کے افعال۔ ان کے کردار۔ ان کے بغض و عناد ظاہر ہو ہو کر عذاب کی شکلیں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ جب یہ اشکال مکمل ہو جاتے ہیں تو اس وقت ولی زمانہ اس حجاب کو حسبِ مشیتِ الٰہی دور کر دیتا ہے۔ جو ان کے اور ان کے عذاب کے درمیان میں حائل ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو۔ زید نے آج ایک مومن کو قتل کیا مستحقِ عذاب ہو گیا۔ یقیناً۔ لیکن علمِ خدا میں موجود ہے کہ ابھی اس سے بہت سے فواحش کا ظہور ہوگا۔ حتیٰ کہ مرتے دم تک۔ مثلاً وہ مرتے وقت ایسی وصیت کرنے گا۔ جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو۔ ایسی حالت میں عذاب دینا یقیناً ان سے رُکا رہے گا۔ کیونکہ جن امور کی سزائیں اسے ملنے والی ہیں۔ وہ قبل از صدورِ اعمال نہیں مل سکتیں۔ پس انبیاء و اوصیا جو عالمِ مشیت اور تابعِ مشیت ہوتے ہیں۔ کبھی اس وقت تک کسی کے لئے دُعائے بد نہیں کرتے۔ جب تک کہ وہ اپنے اعمالِ زشت کا کامل طور پہ مرتکب نہ ہو لے۔ اس عرصہ میں اگر ان کو اسی کے ہاتھ سے جفائیں سہنی پڑیں تو بہت خوشی کے ساتھ اس کو برداشت کرتے ہیں۔ اور ان کے صبر کا پہاڑ کسی کے ظلم و ستم کی آندھیوں سے متزلزل نہیں ہوا کرتا۔

اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس وقت امیر المومنینؑ کا تلوار کھینچنا کسی طرح ممدوح نہیں ہو سکتا۔ نہ ظاہراً نہ باطناً۔ پس جب یہ شق اعتراض مرفوع ہو گئی تو لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ

وہی فعل جو امیر المومنینؑ سے ظاہر ہوا۔ عین ممدوح اور حکمت کے موافق تھا۔ اُسے بزدلی اور جبن سے کوئی تعلق نہیں۔

اہلِ بصیرت یہ بھی جانتے ہیں کہ جہادِ اکبر عجیب و غریب جہاد ہے اور اس میدان میں جو ثابت قدم رہے۔ وہ حقیقی مجاہد ہے۔ اور جو اس معرکے سے بھاگ نکلے۔ وہ حقیقی بزدل اور جبان۔ معاذ اللہ کہ امیر المومنین اس موقعہ پر جبن اور بزدلی کی نظیر پیش کرتے کیا آپ کو یاد نہیں۔ مولانائے روم علیہ الرحمہ کا وہ مشہور شعر ؎

او خیو انداخت بر روئے علیؑ

افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

مولانائے ممدوح نے یہ اس موقعہ کی تصویر کھینچی ہے۔ جب کہ میدانِ جہاد میں آپ ایک کافر کے سینہ پر سوار ہوئے۔ اُس نے حضرت کے روئے مقدس پر اپنا لعاب نجس ڈال دیا۔ حضرت نے فوراً اُسے چھوڑ دیا۔ اُس کے سینے سے الگ ہو گئے۔ اور دریافت کرنے پر اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ایسی حالت میں اگر اس کو قتل کرتا تو اس میں میرے نفس کا لگاؤ معلوم ہوتا۔ پھر ایک ایسے انسان سے جو معاملات کو ایسی گہری نظر سے دیکھنے کا عادی ہو۔ کیا ایسی اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ موقعہ بے موقعہ دعائیں کرتا پھیرے۔ مستجاب الدعوات بھی ہی ہوتا ہے جو صاحب ظرف ہو۔ اگر خدانخواستہ میں اور آپ مستجاب الدعوات ہو جائیں تو بس تمام دنیا کو فنا کرنے کی قسم کھالیں۔

بلعم باعور ایک عابد تھا۔ عبادت و ریاضت کی برکت سے اسم اعظم جانتا تھا مگر ظرف نہ رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں دعائے بد کے لئے نکل آیا۔ صرف چند اشرفیاں رشوت میں لے کر۔ بس یہ چیزیں نااہل کو نہیں ملا کرتیں۔

اور کسی نااہل کو اس کی تضرع وزاری کی بنا پر اگر مل جاتی ہیں تو وہ بلعم باعور کا بھائی بن جاتا ہے۔ اب معترضین کو چاہیئے کہ وہ سمجھیں سوچیں۔ غور کریں۔ کیونکہ بغیر غور و تدبر کے کوئی بات ذہن میں نہیں جمتی۔ اگر ان کی تسکین نہ ہو تو بذریعہ خط و کتابت بھی دریافت کرنے کے مجاز ہیں۔

غرض اثباتِ سابقہ رفع اشتباہ کے لئے بالکل کافی معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں اب ایک بات باقی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے استبعادات و شکوک کی بنا پر تو واقعات غلط نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ جو ان کے متعلق یقینی روایات آئی ہیں وہ بالکل غلط ہوں۔ بے شک یہ ممکن ہے۔ ہاں ہم تو خدا سے چاہتے ہیں کہ یہ غلط ہوں ہم کہہ چکے ہیں کہ اہل بیت پر ظلم و ستم دیکھنا ہرگز ہمارے منشا کے موافق نہیں ہے۔ بے شک ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔ جو اصول روایات سے ان روایات کو غلط ثابت کرے ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم ان قیاسات ذاتی کے پابند نہ ہوں گے جنہیں آج کل درایت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ درایت سے بہت دور ہیں۔

جو شیعہ اس دام اعتراض میں اُلجھ کر مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سلسلۂ ائمہ میں سب امام صفاتِ واحدہ و کمالاتِ واحدہ رکھتے ہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا۔ کیا ان کے کانوں نے نہیں سُنا کہ حضرت سید الساجدین زین العابدین علیہ الصلوٰۃ والسلام کس حالت میں دربار یزید میں کھڑے تھے۔ آہ! اہل بیت پیغمبر قیدیوں کی حالت میں موجود تھے۔ اور بیمار کربلا اس منظر اور خونچکاں منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کیا وہ شجاع نہ تھے۔ کیا وہ غیور نہ تھے۔ کیا وہ مستجاب الدعوات نہ تھے۔ کیا وہ جوہرِ امامت نہ رکھتے تھے۔ نہیں نہیں یہی جوہرِ امامت تھے جو ان سے ظاہر ہو گئے۔ د

جعلنا هم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا۔ ہم نے ان کے صبر کو آزما کر انہیں امام بنایا ہے۔ ان کی تمام ہدایتیں ہمارے امر کے ماتحت ہیں۔ صبر بھی معیار امامت ہے۔ اور یہی صبر ان کے کمالاتِ علمیہ کو روشن کرتا ہے۔

ما نداریم از رضائے حق گلہ　　　عار ناید شیر را از سلسلہ

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

بہر طور امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا طرزِ عمل جو کچھ کہ اس فتنۂ خلافت کے وقت دیکھا گیا۔ وہ نہایت ہی احسن تھا اور کوئی شک نہیں کہ جب تک کوئی شخص مؤید من اللہ نہ ہو۔ اس وقت تک ایسے عدیم النظیر صبر کا ظہور اس سے ناممکن و محال ہے

باب دہم

قضیۂ فدک

اب ہم اس مشہور قضیے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جسے فدک سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قصہ کا میدان ہمیشہ سے اہلِ علم کے قلموں کا جولانگاہ رہا ہے۔

فدک بفتح حرف اول و ثانی ایک قریہ کا نام ہے۔ جو مدینے سے دو منزل تھا۔ اور خیبر سے ایک منزل۔ یہ قریہ پہلے یہودیوں کے قبضے میں تھا۔ ۷ھ میں جب کہ خیبر فتح ہوا تو فدک کے باشندوں نے حضرت رسول اللہ سے صلح کی درخواست کی۔

معجم البلدان مصنفہ علامہ یاقوت حموی کی عبارت یہ ہے۔ فدک قریۃ الیست

درمیان حجاز میان آن و مدینہ دو روزہ راہ ہست۔ و بعضے گفتہ اند سہ روز و این قریہ در سال ہفتم از راہ صلح نصف بدست آنحضرت آمدہ بود۔ و در آن چشمہاے آب رواں و درختہائے خرما بسیار بود۔

فدک والوں نے جب صلح کی درخواست کی۔ تو آپ نے امیرالمومنینؑ کو بھیجا۔ اور آپ کے ہاتھ پر مصالحہ ہوا۔ مصالحہ کی شرط یہ تھی کہ ان کے خون سے درگذریں۔ اور حوائط فدک رسول اللہ کے متعلق رہیں۔

وہ روایات جن میں اموال فدک کی تفصیل لکھی گئی ہے۔ بکثرت فریقین میں موجود ہیں۔ ان کے درج کرنے سے سوائے تطویل اور کچھ حاصل نہیں۔ مختصر یہ کہ فدک کا وہ حصہ جو رسول اللہ کے حصے میں آیا تھا۔ اور پھر آپ نے یہودیوں کو کاشت کے لئے دے دیا تھا۔ اس کی سالانہ رقم لگان چوبیس ہزار دینار سُرخ تھی۔ اس کی آمدنی نے آئندہ چل کر بہت ترقی کی۔ چنانچہ خلیفہ اموی عمر ابن عبدالعزیز کے زمانے میں غلاتِ فدک کی قیمت چالیس ہزار دینار تھی۔ چنانچہ سنن ابوداؤد مطبوعہ لکھنؤ کی عبارت یہ ہے۔

قال ابوداؤد ولی عمر بن عبدالعزیز الخلافۃ وغلتہ۔ (یعنی فدک) اربعون الف دینار۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ جب عمر ابن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے تو غلاتِ فدک کی آمدنی چالیس ہزار دینار تھی۔ سنن ابوداؤد کی یہ عبارت مطبوعہ دہلی سے نکال ڈالی گئی ہے۔ خدا جانے اس میں کیا مصلحت ہے۔

اب جن لوگوں کا تکیہ کلام فدک کے بارے میں یہ ہے کہ وہ چند درختِ خرما تھے یہ محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یا واقعہ کو ہلکا کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے واقعہ ہلکا نہیں ہوتا بلکہ اور سنگین ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ فدک پر جو رسول اللہ کا قبضہ ہوا۔ اس میں نہ تو کوئی لڑائی ہوئی نہ کسی کا خون بہا اس لئے وہ عام غنیمت کے حکم سے خارج تھا۔ اور مالِ انفال کہلاتا تھا۔ عام مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہاں تک تمام تاریخیں متعلق البیان ہیں۔

فدک فاطمہؑ کو کیوں کر ملا

یہ تو باتفاق اسلامیان ثابت ہے کہ فدک میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ اور رسول اللہ اس کے مالک و مختار تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فدک فاطمہؑ کے پاس حیاتِ رسول میں آیا یا نہیں۔ شیعہ روایتیں تو اس بارے میں بے شمار ہیں۔ جن کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ سیوطی تفسیر درمنثور میں تحت آیہ "وآت ذاالقربیٰ حقّہٗ" تحریر کرتے ہیں۔ فلمّا نزلت ھٰذہ الآیہ وآتِ ذاالقربیٰ حقہ فدعا رسول اللہ فاعطاھا فدک۔ یعنی جب وقت آیہ مذکورہ (قرابتدار کو اس کا حق دے دو) نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فاطمہؑ کو طلب کیا اور فدک انہیں دے دیا۔

صاحب معارج النبوۃ ملا معین ہروی شرع کے وقائع میں رسول اللہ کا فاطمہؑ کو فدک حوالے کر دینا تسلیم کر رہے ہیں۔

صاحب بیاض ابراہیمی لکھتے ہیں کہ فدک فاطمہؑ کے ہاتھ میں تھا۔ اور دلالت کرتی ہے اس پر وہ روایت جو شیخ علی متقی نے کنزالاعمال میں بضمن کتاب الاخلاق باب صلہ رحم میں ابوسعید سے درج کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جب آیہ وآت ذاالقربیٰ حقہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فاطمہؑ سے فرمایا کہ اے فاطمہؑ فدک تمہارے

لئے ہے۔ حاکم نے بھی اپنی تاریخ میں اسے روایت کیا ہے۔

شیخ سلیمان حنفی کتاب ینابیع المودۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فلمّا نزلت ھٰذہ الآیہ (وآت ذا القربیٰ حقّہٗ) قال رسول اللہ لفاطمۃ ھذہ فدک و ھی ممّا لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب وھی لی خاصۃً دون المسلمین وقد جعلتھا لک امرنی اللہ بھٰذا فخذی بھا لک ولولدک۔ جب یہ مذکورہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا یہ فدک ہے۔ اس پر فوج کشی نہیں کی گئی۔ یہ میرے لئے مخصوص ہے مسلمانوں کا اس میں کچھ حصّہ نہیں۔ میں نے بحکم خدا اسے تیرے لئے مقرر کر دیا اب تم اسے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے لے لو۔

صاحب تاریخ روضۃ الصفا رقمطراز ہیں۔ حضرت رسالت لبوئے فدک امیر المومنین علی را فرستاد و مصالحہ بر دست ایشاں واقع شد بر ان نہج کہ امیر قصد خانِ ایشاں نکند و حوائط خاص از آن رسول اللہ باشد پس جبرئیل فرود آمدہ گفت۔ حق تعالےٰ می فرماید کہ حق خویشان بدہ رسول اللہ فرمود کہ خویشاں کیانند۔ وحق ایشاں چیست۔ جبرئیل گفت فاطمہ است۔ حوائط فدک را بدو بدہ و از آنچہ از آنِ خدا و رسول است۔ در فدک ہم بدو دہ۔ پیغمبر فاطمہ را بخواند و برائے او حجتے نوشت۔ و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفاتِ رسول اللہ پیش ابوبکر آورد و گفت ایں کتاب رسولِ خدا است کہ برائے من و حسنؑ و حسینؑ نوشتہ ہست۔

ملا حسین واعظ کاشفی جواہر التفسیر میں رقمطراز ہیں: در خبر ہست کہ چوں آیہ و آتِ ذا القربیٰ حقّہٗ نازل شد رسول فاطمہ را بخواند و فدک را بوے داد و مدت حیات در دست وے بود و تصرّف و دخل آن در مصالح او و فرزندانِ او خرج می

شد۔ چوں رسول فوت شد از و باز گرفتند"

اِن تمام روایات کو جب شیعہ روایتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یقین قطعی ہو جاتا ہے کہ فدک حیاتِ رسول اللہ میں قبضۂ فاطمۃ زہرا میں آگیا تھا۔ اور اگر یہ اخبارات بے بنیاد قرار دے جاتے ہیں تو پھر کسی تاریخ پر یقین حاصل ہونا نہ صرف مشکل بلکہ محال ہے۔

صاحب ناسخ التواریخ (شیعہ مورخ) کا بیان ہے کہ فدک کے ساتھ یہودیوں نے اور جو مال و اسباب حضرت ختمی مرتبت کو نذر دیا تھا وہ بھی آپ نے جناب سیدہ کو مرحمت فرمایا۔ جناب معصومہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا جو کچھ حصہ خدا نے مقرر کیا ہے وہ میں آپ کی نذر کرتی ہوں۔ حضرت خیر البشر نے فرمایا کہ یہ سب بحکم خدا تمہارا اور تمہارے بچوں کا حق ہے۔ تم اپنے قبضے میں رکھو۔ پس جناب معصومہ نے فدک پر اپنا ایک کارندہ مقرر کر دیا۔ جو وہاں کی سالانہ آمدنی آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ جس میں سے جناب سیدہ اپنے گذارے کے موافق رکھ کر باقی فقرا و مساکین پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

واضح ہو کہ رسول اللہ کا فاطمہ کو فدک عطا فرمانا بالکل صحیح ہے۔ اس کی صحت میں کلام نہیں۔ یعنی رسول اللہ کو ایسا حق حاصل تھا۔ اور آپ مالک و مختار تھے چنانچہ اس ملکیت اور حقِ ہبہ کا ثبوت بہت اچھی طرح سے اس واقعہ سے ملے گا کہ حضرت فاطمہ سے گواہ طلب کئے گئے جو ثابت کردیں کہ واقعی فدک فاطمہ کو دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے حسنین اور علی اور ام ایمن کو گواہی میں پیش کر دیا گیا۔ اور یہ گواہی رد کر دی گئی۔ جس کی وجہ صاحب شرحِ مواقف یہ تحریر کرتے ہیں۔

اما الحسنؓ والحسینؓ فللفرعیۃ لانّ شہادۃ الولد لا یقبل لاحد والدیہ واجدادہ عند اکثر اھل العلم وایضا ھما کانا صغیرین فی ذلک الوقت امّا علیؓ وامّ ایمنؓ فلقصورھما عن نصاب البینۃ وھو رجلان او رجل وامراتان۔

یعنی حسنینؓ کی گواہی اس وجہ سے رد ہوئی۔ کہ وہ فاطمہؓ کی فرع ہیں۔ اور بیٹے کی گواہی اس کے والدین اور اجداد کے حق میں اکثر اہل علم کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ نیز وہ اس وقت صغیر السن تھے۔ اب رہے علیؓ و امّ ایمنؓ۔ ان کی گواہی اس لئے قبول نہ ہوئی کہ تو گواہوں کا نصاب پورا نہ تھا۔ کیونکہ نصاب شہادت یہ ہے کہ یا تو دو مرد ہوں یا ایک مرد ہو اور دو عورتیں۔

علامہ موصوف کی یہ توجیہ نہایت دلچسپ ہے۔ ایسا فاضل متکلم اس قسم کا کلام کرے۔ تعجب ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ جن اہل علم نے آباء اجداد کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہیں کی۔ ان کے اس حکم کا مدرک کیا ہے؟ یہی واقعہ تو ہے اور حضرت ابوبکر کے اسی فعل سے تو یہ حکم مستنبط کیا گیا ہے۔ پس یہ استنباط اصل مدرک کی صحت کے لئے کیونکر دلیل قرار پائے گا۔ اسی کو تو مصادرۃ علی المطلوب کہتے ہیں۔ جس فعل پر بحث ہو رہی ہے۔ اسی فعل کو ثبوت میں پیش کرنا کبھی عاقلانہ طریقہ نہیں ہوا کرتا۔ اور نہ کوئی اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوگا۔ آیا کوئی نص قرآنی دکھائی جا سکتی ہے کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں۔

خیر ہمیں اس کی تنقید کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اگر سرے سے یہ ہبہ ہی ناجائز تھا۔ اور عطیہ ہی غلط تھا تو پھر اس کے متعلق گواہ طلب کرنے کی

ضرورت کیا تھی۔ اور نصاب شہادت کی قلت پر بنا کر کے مقدمہ خارج کرنا کیا معنی رکھتا ہے

اب آئیے دوسرے پہلو کی طرف۔ محرومیٔ فاطمہؑ کے لئے دوسری دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث وما ترکناہ صدقہ ۔ ہم گروہِ انبیاء کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ میراث دیتے ہیں۔ بلکہ جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے؟

ہمیں افسوس ہے کہ میرزا غلام احمد قادیانی نے پیغمبروں کی اور صفات کا تو دعویٰ کیا۔ لیکن اگر وہ اس صفت کا عملی اعلان کر دیتے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ قادیانی فرقہ موجودہ حیثیت سے بہت زیادہ ترقی کر جاتا۔ مگر ؎

زرمی طلبی سخن دریں است

یہ تو پیغمبرؐ کا ہی حال ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد جو چاہیں اس کے لئے حکم لگائیں۔ اور جس کو چاہیں حقدار ٹھہرادیں۔ پیغمبروں نے دنیا میں آکر اہلِ دنیا کو ہدایت کی۔ یہ ایک ایسا گناہِ عظیم ہے جس کی پاداش میں ان کو محروم الارث ہونا پڑا۔ جانتے ہو؟ محروم الارث کون ہوتا ہے؟ یا تو محجوب ہو۔ یا نسب صحیح نہ ہو۔ یا باپ نے عاق کر دیا ہو۔ اب یہ بیچارے پیغمبر کونسی شق میں داخل ہوں گے۔ پیغمبروں کے لئے عصمت نسب ضروری ہے۔ اور ان کے نسب میں کلام کرنا کفر۔ اسی طرح ان کے عقوق کا خیال کرنا شرک محض اور بے دینی۔ اب محجوبیت باقی رہ جاتی ہے۔ اچھا پیغمبرؐ خدا کے والد ماجد نے تو اپنے پدر بزرگوار کی حیات میں انتقال کیا۔ اس لئے وہ ترکۂ جدی سے محروم رہے۔ مگر کیا ہر ایک پیغمبر کے لئے ایسی مصیبت کا پیش آنا لازمی ہے۔ اور کیا یہ خصوصیاتِ پیغمبری میں سے ہے۔ اگر یہی خصوصیت ہے تو بہت سے پیغمبروں کو اس صنف سے نکال

دینا پڑے گا۔

واضح ہو کہ محجوب الارث جو محروم ہوتا ہے وہ ترکہ جدی سے محروم ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے باپ نے خود اپنی کوشش سے کچھ پیدا کیا ہے۔ اور چھوڑا ہے تو اس سے وہ غریب کیوں محروم ہونے لگا۔

حدیث کا یہ جزو۔ کہ "ہم گروہ انبیا کسی سے ارث نہیں لیتے" آیا کسی آیت قرآنی سے مستنبط ہے؟ قرآن میں تو بالکل اس کے برخلاف ہے۔ سلیمانؑ و داؤدؑ کی وراثت کا ذکر کھلے لفظوں میں موجود ہے۔ یہاں تو "عذر تخصیص بھی نہیں چل سکتا جیسا کہ ایک صاحب نے حدیث مذکور کو آیہ قرآنی "وللذکر مثل الانثیین" کا مخصص قرار دیا ہے۔ پھر جب حدیث کا پہلا ٹکڑا جامہ صحت سے عاری ہے تو دوسرا جزو کس بنا پر قبول کیا جائے گا۔ یقیناً اُسے رد کرنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ ایک سائل سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر "عذر لا نورث" متحقق تھا تو پھر گواہ کس بنیاد پر طلب کئے گئے۔ ان ھذا الّا اختلاق"

جو لوگ کہ ازواج کی وراثت کا عذر اٹھاتے ہیں کہ ازواج کا بھی اس میں حصہ تھا وہ محض بے معنی عذر ہے۔ اس لئے کہ جو چیز فاطمہؑ کو رسول اللہؐ نے اپنی حیات میں دے دی۔ اس پر ازواج کو دعوے کرنے کا حق ہی کونسا تھا۔ اور اگر انہوں نے کہیں کیا تو غلطی کی۔ نیز کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے ازواج کے دعوے میں سیاسی چال مضمر ہو یعنی حاکم وقت کے اشارے سے یہ دعوے ہوا ہو۔ اور پھر خارج کر دیا گیا ہو۔ تاکہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ جب ازواج کو حق نہیں دیا گیا۔ جن میں خود اُن کی بیٹی موجود ہیں تو پھر بیٹی کو کیسے دیا جاتا۔

روایات شیعہ بیان کرتی ہیں۔ اور روایاتِ اہل سنت جو گذر چکی ہیں۔ ان سے بھی بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے فاطمہؑ کو نوشتہ لکھدیا تھا۔ اور شیعی روایتوں کا یہ بیان بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حضرتِ فاطمہؑ نے وہ نوشتہ پیش کیا۔ اور حضرت عمر نے اسے چاک کر ڈالا۔

اصل یہ ہے کہ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ اگر فدک فاطمہؑ کے پاس رہتا۔ اور خداوند عالم نے جو ان لوگوں کے واسطے خمس قرار دیا ہے۔ وہ برابر پہنچتا تو یہ لوگ اہل دنیا کا مرجع بنے رہتے اور یہ امر موجودہ حکومت کے لئے یقیناً خطرناک ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سیدۂ صاحبِ زہد و سخا تھیں۔ صابرہ تھیں وہ چند درختوں کے واسطے کیوں خفا ہونے لگیں۔

افسوس ہے کہ ان خیالات کو تدبر سے کوئی تعلق نہیں۔ زہد و سخا کے یہ معنی تو کسی لغت اور کسی اصطلاح میں نہیں ہیں کہ اس کا مال جس طرح سے چاہو چھین لو۔ اور اُس کے دل پر میل بھی نہ آئے جس طرح کہ ظلم قبیح ہے۔ اسی طرح سے ظلم کا بطیب خاطر قبول کر لینا بھی قبیح ہے۔ تمام عقلا کا اسی پر اتفاق ہے۔ ہم کسی نمازی پرہیزگار مسلمان کا مکان چھین لیں۔ اور اس میں مسجد بنالیں یا اُسے بیچ کر قومی کام میں صرف کر ڈالیں تو کون عقلمند اسے جائز رکھے گا۔ اور کونسی شریعت میں یہ فعل جائز مانا گیا ہے۔ اوّل تو ہم بیان کر آئے ہیں کہ فدک کی معقول آمدنی تھی۔ اور جناب فاطمہؑ بقدر کفاف لے کر سب فقرا و محتاجین اسلام پر اسے صرف فرماتی تھیں۔ اور اگر وہ چند درخت بھی ہوں تو اس سے معاملے کا وزن ہلکا نہیں ہوتا۔ کوئی شخص اپنے حق سے اس بنا پر محروم نہیں قرار دیا گیا کہ وہ حق کیا ہے۔ چند پیسے یا چند روپے یا چند درخت

ہیں۔ کیا یہ بھی شریعتِ محمدی کی تعلیم ہے کہ ہزار دو ہزار اگر چھینو تو وہ تو غصب کہلا سکتا ہے اور اگر دو چار پیسے چھینے جائیں تو وہ غصب میں داخل نہیں۔ کسی کی پاکدامنی کے لئے بیہودہ کوشش میں اس قسم کی تاویلات بعید از عقل پیش کرنا عقلمندوں کا کام نہیں۔

بعض خوش فکر اس قسم کے بھی دیکھے جاتے ہیں جو بیان کر دیتے ہیں کہ جناب سیدہ کے پاس تھا کیا۔ روز تو گھر میں فاقہ رہتا تھا۔ اتنی بڑی جائداد ہوتی تو یہ نوبت کیوں پہنچتی واضح ہو کہ اس اعتراض کو ایمانداری سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسا معترض اسلام سے بہت دور ہے یہ کونسی منطق ہے کہ اگر کسی کے پاس جائداد ہو۔ تو اس کے دروازے پر ہاتھی ہی جھولا کریں۔ قرآن تو انہیں لوگوں کی مدح کرتا ہے جن کی شان یہ ہے یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ یہ لوگ اپنی ضرورتوں پر ہمیشہ دوسروں کی حاجتوں کو مقدم رکھتے آئے ہیں۔ وہ خود بھوکے رہے مگر دوسروں کو سیر کیا۔ خود کپڑا نہیں پہنا۔ پیوند پر پیوند لگائے مگر دوسروں کو ننگا پھرنے نہیں دیا۔ کیا ہر شخص کا قیاس اپنے ہی نفس پر کیا جائے گا۔ رسول اللہ کے پاس کیا مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں آتا تھا۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فدک پر حضرت رسول اللہ کا ہی قبضہ تھا۔ ان کے قول کے بموجب کیا رسول اللہ کو اس کی آمدنی نہ ملتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا کہ پیٹ پر پتھر باندھے پھرتے تھے۔ زہد و سخا کے معنی یہی ہیں کہ انسان کے پاس ہو اور پھر اتنا دے کر اپنے پاس کچھ بھی نہ رہے۔ یہ ہر کس و ناکس کا حوصلہ نہیں ہے۔ یہ خاصانِ خدا کے کام ہیں۔

جناب فاطمہؑ اور ان کی مادر گرامی جناب خدیجہؓ نے اسلام کی ترقی میں نہایت زبردست حصہ لیا ہے۔ یہ ایک بالکل ظاہر بات ہے کہ جناب خدیجہؓ کا تمول مکہ

میں مشہور و معروف تھا۔ وہ ملک کی شہزادی کہلاتی تھیں۔ عرب کے مشہور مقامات میں ان کی تجارت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اب خدیجہؓ کا یہ مال و متاع کہاں گیا۔ کس کام میں صرف ہوا۔ اسی اسلام کی خدمتگذاری میں۔ وہ مال کس کا خرچ ہوا۔ ؟ جناب فاطمہؑ کا خرچ ہوا۔ اگر وہ مال باقی رہتا۔ اور خدا کے حقوق نکال کر بھی بہت کچھ باقی رہ سکتا تھا۔ وہ فاطمہؑ کو ملتا۔ یا کسی اور کو۔ یا اسے بھی حدیث "لانرث" اپنے مضبوط پنجے میں جکڑ لیتی۔ کیا یہ مسلمانوں پر فاطمہؑ کا احسان نہیں ہے۔ مگر اس احسان کا یہ معاوضہ عجیب و غریب ہے کہ وہ اپنے حق جائز سے بھی محروم قرار دی جا رہی ہیں۔

ایک بزرگوار[1] نے "من لا یحضرہ الفقیہ" کی ایک حدیث کا ٹکڑا درج کر کے حرمانِ فاطمہؑ میں کوشش فرمائی ہے۔ وہ ٹکڑا یہ ہے کہ فالارض والعقار فلا میراث لھن "زمین اور ملک مزروعہ میں عورتوں کا کچھ حصّہ نہیں"۔ ان بزرگواروں کی خدمت میں بصد ادب التماس ہے کہ اس ٹکڑے کا تعلق ازواج سے ہے نہ کہ اولاد سے۔ یہ غلطی یا تو دانستہ کی گئی ہے یا نادانستہ۔ بہر طور افسوس کے قابل ہے۔

انہیں بزرگ کی ایک تحریر کا خلاصہ یہ بھی ہے کہ "اقوام غیر پیغمبرؐ پر یہ اعتراضات کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے نفع کے لئے یہ کاروبار پھیلایا تھا۔ اگر آپ کچھ ترکہ بھی چھوڑ جاتے تو پھر تو اعتراضات کا بہت اچھا موقعہ مل سکتا تھا"۔

[1] اس سے مراد ہماری منشی محمد الدین صوفی ساکن پنڈی بہاؤالدین سے ہے۔ آپ نے ایک کتاب حضرت سیدہ کی سوانح عمری "خاتون جنت" نامی تالیف فرمائی ہے۔ اپنے مذاق پر جو کچھ لکھا ہے اچھا لکھا ہے۔ لیکن بحث فدک میں آپ نے بہت سے غلط خیالات ظاہر کئے ہیں۔ جن پر ہمیں افسوس ہے ۱۲

خیال بہت گہرا ہے۔ غالباً اسی اعتراض سے ڈر کر ہمیشہ کے لئے اولادِ رسولؐ محروم
کر دی گئی اور دنیائے اسلام نے کسی قسم کا تعلق ان سے نہ رکھنا چاہا۔ لیکن اگر نکتہ چینی سے
بچنے کا ایسا ہی خیال دامن گیر ہے تو پھر ثابت کرنا پڑے گا کہ رسول اللہؐ نے اپنی حینِ حیات
میں اپنے ذاتی مصارف پر ان اموال میں سے جو وقتاً فوقتاً آتے رہتے تھے۔ کبھی کچھ
خرچ نہیں کیا۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ فدک جو بقولِ جنابِ ممدوح ایک چھوٹا سا قطعۂ زمین
تھا۔ اگر رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی کو دیا یا دے جاتے۔ تو اس فعل سے وہ کونسا غیر مذہب
والا تھا جو اسلام پر آستینیں چڑھاتا۔ جس کا جواب دینا مسلمانوں کو مشکل ہو جاتا۔ ان
چیزوں پر کوئی عقلمند نظر ڈالتا ہے اور نہ اسے ضرورت۔ ہاں وہ دشمن جو بھلائی میں بھی
برائی کے پہلو نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ تو ذاتِ رسالتؐ پر آج بھی اتہام لگانے سے
نہیں چوکتے جس طرح ان اتہامات کا جواب دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس افترا پردازی
کا بھی جواب دیا جاتا۔ لیکن آپ نے اس کا کیا جواب سوچا ہے کہ وہ مورخ جو مسلمانوں
کی "نا اہلیت" کا ثبوت واقعہ کربلا سے دے رہے ہیں۔ اور اس واقعہ کی ابتداء
جہاں سے ہوئی ہے وہ آپ کے دل پر بھی روشن ہوگی۔ اس کے متعلق آپ کے ارشادات
کیا ہیں۔ مجھے اس رسالہ کی تحریر سے کسی مناظرے کی بنیاد ڈالنی منظور نہیں اثنائے
تحریر میں آپ کی تالیف سامنے آگئی۔ اس کے متعلق چند لفظ قلم سے نکل گئے۔

بہر طور خطبۂ فدک کا واقعہ ایک قابلِ افسوس واقعہ ہے۔ آپ کا وہ مشہور و معروف
اور فصیح و بلیغ خطبہ جسے آئمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اہلِ نظر کو کبھی فراموش نہ ہوگا
جن لوگوں نے کلماتِ اہلِ بیت کے لئے اپنے دماغوں کو وقف کیا ہے۔
اور ان قدسی آوازوں سے جن کے کان آشنا ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسے کلمات

سوائے صاحبانِ علوم وہبی کے اور کہیں دیکھے نہیں جا سکتے۔ فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر ہے کہ موجیں لے رہا ہے۔ حقائق و معارف کا بادل ہے کہ برس رہا ہے۔ دلائل و براہین کی بوچھاڑ ہے۔ کہ ہو رہی ہے۔ لفظ لفظ حقیقت سے لبریز۔ فقرہ فقرہ اثر میں ڈوبا ہوا۔ کلام پکارتا ہے کہ میں ایک درد رسیدہ اور زخمی قلب سے نکلا ہوں۔ اسلوبِ کلام کا دعویٰ ہے کہ یہ نظم و نسق۔ یہ بدیہہ گوئی صاحبانِ طہارت سے مخصوص ہے اس مختصر خطبہ میں علتِ ایجاد، علت بعثت پیغمبر۔ علتِ احکام شریعت۔ قبل اسلام دنیا کی حالت۔ اسلامی فیوض۔ بعد رسول اسلام کی حالت۔ غرض اتنی کیفیتیں جمع ہیں۔ کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ واقعی ان کے دریائے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فدک کی ضبطی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے امیر المومنینؑ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صبر ہر حالت میں بہتر ہے۔ لیکن اتمامِ حجت ضرور چاہیئے جناب صدیقہؑ نے باوجود علالتِ طبع ردا اوڑھ لی۔ اور چند عورتوں کے حلقے میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائیں۔ آپ کی رفتار بالکل رفتارِ رسولؐ کے مشابہ تھی۔ اور سکینہ و وقار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ خود رسول اللہؐ تشریف لا رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان مسجد میں موجود تھے۔ حضرت ابوبکر بھی تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے آنے سے لوگوں کو رسول اللہؐ کا زمانہ یاد آگیا۔ کچھ لوگ رونے لگے۔ غرض آپ آئیں۔ عورتوں نے ایک سفید پردہ کھینچ دیا۔ آپ پس پردہ رونق افروز ہوئیں۔ اور حضرتِ ابوبکر سے متوجہ ہو کر بہت دیر تک گفتگو فرمائی۔ اسی گفتگو میں گواہوں کے بلانے اور انہیں رد کر دینے کی نوبت بھی پہنچی۔ حدیث "لا نرث" پر آپ نے مبسوط گفتگو کی محکماتِ قرآن سے استدلال فرمایا۔ جب اس تمام گفتگو کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آپ نے

یہ خطبہ انشاء فرمایا۔

اس خطبہ کو ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری نے کتاب السقیفہ میں درج کیا ہے۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمہ میں شعبی سے اس خطبے کے کچھ فقرات اور حضرت سیدہ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں۔ اب ہم اس خطبہ کو نقل کرتے ہیں۔ اور اس کا ایک ایک فقرہ لکھ کر ترجمہ کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ علیٰ ما انعم ولہ الشکر علیٰ ما الھَمَ والثناءُ بما قدم من عموم نعمٍ ابتدأھا و سُبُوغ آلاءٍ اسداھا وتمام منن والاھا۔

تمامی حمد خدا کے لئے ہے۔ ان چیزوں پر جو اُس نے عطا کیں۔ اور اسی کے لئے شکر ہے۔ ان تمام اشیا پر جو اُس نے الہام فرمائیں۔ (ظاہراً و باطناً تمام انعامات والہامات اسی کی طرف سے ہیں اور وہی مستحق حمد و شکر ہے) وہ انعامات عمومی جن کی اس نے ابتداء کی۔ وہ نعمتہائے واسعہ جو اس نے عطا فرمائیں اور وہ کامل احسانات جو اس نے مرحمت کئے۔ اور ان کی تقدیم بھی فرمائی۔ اس تقدیم پر وہ مستحق ثنا ہے۔

قول مترجم۔ اپنی مخلوق پر تمام احسانات جو اُس نے نازل فرمائے بغیر اس کے مخلوق اپنا استحقاق ظاہر کرے۔ ایسی ہی ذات مستحق ثنا ہو سکتی ہے۔ یہی نعمت کیا کم ہے کہ اس نے مخلوق کو نیستی کے حجاب سے نکال کر ہستی کے میدان میں کھڑا کر دیا۔ پس حمد شکر اور ثنا کا واقعی مستحق وہی خالق ذوالجلال ہے۔ یا اس کے وہ مظاہر تامہ جو اس کے فیوض کا واسطہ ہیں۔

جمّ عن الاحصاء عددھا ونأیٰ عن الجزاء أمدھا وتفاوت

عن الادراک ابدھا۔

ان نعمتوں کا شمار احصا سے بہت زیادہ ہے کہ کوئی ان کے شمار پر حاوی نہیں ہو سکتا، ان کی انتہا معاوضہ سے بہت دور ہے اور ان کی ہمیشگی اور ابدیت ادراک سے بہت متفاوت اور مختلف ہے۔

وَنَدَبَهُمْ لِاسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاتِّصَالِهَا وَاسْتَحْمَدَ اِلَى الْخَلَائِقِ بِاِجْزَالِهَا وَثَنّٰى بِالنَّدْبِ اِلٰى اَمْثَالِهَا۔

اور اس نے اپنی مخلوق کو پکارا کہ وہ شکر ادا کرکے ان نعمتوں میں زیادتی طلب کریں تاکہ نعمتیں مسلسل نازل ہوں اور ان میں انقطاع نہ ہو۔ ان شکرتم لا زیدنکم کی طرف اشارہ ہے) اور پھر علی اتصال نعمتوں کی کثرت سے مخلوق سے طالب حمد ہوا اور اس نے دعا و ندبہ کے ساتھ ہی انہیں کی مانند نعمتوں کو دوگنا چوگنا کر دیا۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كَلِمَةٌ جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَاْوِيْلَهَا وَضَمَّنَ الْقُلُوْبَ مَوْصُوْلَهَا وَاَنَارَ فِى الْفِكْرِ مَعْقُوْلَهَا

میں گواہی دیتی ہوں کہ سوائے اس معبود حقیقی کے اور کوئی خدا نہیں۔ اس کی وحدت کا اقرار کرتی ہوں۔ کوئی اس کا شریک اور ساتھی نہیں۔ یہ وہ کلمہ ہے جس کی اصلِ حقیقت اخلاص ہے۔ اس کے معنی کو دلوں پر لپیٹ دیا۔ اور اس کی معقولیت کو حرکت فکر میں روشن کر دیا۔

مترجم ۔ اس ارشاد میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ کلمۂ توحید کی حقیقت دل ہی پر روشن ہوتی ہے۔ زبان ان کیفیت کا اظہار نہیں کر سکتی من ذاق وجد۔ جس نے چکھا اس نے پایا۔

الْمُمْتَنِعُ مِنَ الْاَبْصَارِ رُؤْيَتُهٗ وَمِنَ الْاَلْسُنِ صِفَتُهٗ وَمِنَ الْاَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهٗ ۔

ان ظاہری آنکھوں سے اس کی رویت محال ہے۔ زبانوں سے اس کی صفت ناممکن ہے۔ اور اوہام سے اس کی کیفیت کا ادراک ممتنع۔

اس ارشاد میں لفظ ابصار فرمایا ہے۔ یعنی یہ چشم مادی اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ ہاں نورِ بصیرت سے وہ نظر آتا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔ لا تدرکہ العیون بمشاھدۃ العیان ولکن تدرکہ القلوب بحقائق الایمان یہ آنکھیں اس کا عینی مشاہدہ نہیں کرسکتیں لیکن قلوب حقائق ایمانیہ کے ساتھ اس کا ادراک کرتے ہیں۔

اِبْتَدَعَ الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا وَاَنْشَاَهَا [۱] بِلَا احْتِذَاءِ اَمْثِلَةٍ امْتَثَلَهَا ۔

اس خالق جل وعلا نے اشیاء ایجاد فرمائیں۔ اور کسی ایسی چیز سے ایجاد نہیں فرمائیں۔ جو ان سے قبل ہو۔ انہیں ترقی عطا کی۔ بغیر اس کے کہ کچھ مثالیں سامنے رکھ کر ان کی متابعت کی ہو۔ (مادیئین کی تردید ہے)

كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهٖ وَذَرَاَهَا بِمَشِيَّتِهٖ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ مِنْهُ اِلٰى تَكْوِيْنِهَا وَلَا فَائِدَةٍ لَهٗ فِيْ تَصْوِيْرِهَا ۔

اپنی قدرتِ محض سے ان اشیا کی تکوین فرمائی۔ اپنی مشیت اور اپنے ارادے سے انہیں خلق کیا (وہ اس ارادے وتکوین میں مجبور نہیں تھا) بغیر اس کے کہ ان کی تکوین سے اس کی کوئی حاجت روائی ہو۔ اور بغیر اس کے کہ ان کی صورت گری میں اس کا فائدہ ہو۔

اس ارشاد میں آپ نے اعلان کیا ہے کہ خالقِ مطلق ہرگز ان اشیاء کا محتاج نہیں اور نہ ان کی خلقت میں اس کا کوئی فائدہ ہے۔ یہ فقرات نفی احتیاج خالق پر دلالت کرتے ہیں۔ اور فی الحقیقت محتاج خالقِ مطلق نہیں ہے۔ لیکن افعالِ خداوند عالم چونکہ مہمل اور فضول بھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ارشاد فرماتی ہیں۔

اِلَّا تَثْبِيْتًا لِحِكْمَتِهٖ وَتَنْبِيْهًا عَلٰى طَاعَتِهٖ وَاِظْهَارًا لِقُدْرَتِهٖ وَتَعَبُّدًا لِبَرِيَّتِهٖ وَاِعْزَازًا لِدَعْوَتِهٖ۔

مگر اس انہیں خلق فرمایا اپنی حکمت ثابت کرنے کے لئے۔ اپنی طاعت پر متنبہ کرنے کے واسطے۔ اپنی قدرت کے اظہار کی خاطر۔ اس لئے کہ اس کی مخلوق بے چون و چرا اس کی عبادت کرے۔ اس واسطے کہ اس کی دعوت کو تقویت پہنچے (یہ تمام چیزیں تفضل و احسان سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ احتیاج سے)

ثُمَّ جَعَلَ الثَّوَابَ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَوَضَعَ الْعِقَابَ عَلٰى مَعْصِيَتِهٖ زِيَادَةً لِعِبَادِهٖ عَنْ نِقْمَتِهٖ وَحِيَاشَةً مِنْهُ اِلٰى جَنَّتِهٖ۔

پھر اس خالق برتر نے اپنی طاعت پر ثواب مقرر کیا اور اپنی نافرمانی پر عقاب وضع فرمایا۔ علتِ ثواب و عقاب یہ ہے کہ بندوں پر اس کے غضب سے اس کی رحمت بڑھی رہے اور سب کو اپنی جنّت میں جمع کر دے۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ اَبِيْ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اخْتَارَهٗ وَانْتَجَبَهٗ قَبْلَ اَنْ اَرْسَلَهٗ وَسَمَّاهُ قَبْلَ اَنِ اجْتَبَلَهٗ وَاصْطَفَاهُ قَبْلَ اَنِ ابْتَعَثَهٗ۔

اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد مصطفےٰ میرے پدر بزرگوار اس کے عبد اور اس کے

رسول ہیں۔ انہیں خدا نے اختیار کیا۔ انتخاب فرمایا۔ قبل اس کے کہ انہیں بھیجے۔ اور ان کا نام (محمد رسول اللہ) رکھا۔ قبل اس کے کہ ان کو (بہر تبلیغ احکام سے) رفعت اور کوہ وقاری عطا فرمائے۔ انہیں مصطفےٰ کر دیا۔ قبل اس کے کہ انہیں مبعوث فرمائے

اس ارشاد میں ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اس دنیا میں آنے کے بعد آپ نبی اور رسول بنے ہیں۔

اذ الخلائق بالغیب مکنونۃ وبستر الاھاویل مصونۃ وبنھایۃ العدم مقرونۃ علمًا من اللہ تعالیٰ بمسائل الامور واحاطۃً بحوادثِ الدّھور و معرفۃً بمواقع المقدور

آپ اس وقت رسولؐ تھے جب کہ خلائق پردۂ غیب میں پنہاں تھی۔ نیستی کے ہولناک پردے میں محفوظ تھی۔ اور انتہائی عدم سے ہم قرین تھی۔ اس وقت آپ خداوند تعالےٰ کی جانب سے مسائل امور کے عالم تھے۔ حوادث دہریہ پر احاطہ رکھتے تھے اور مقدرات کے مواقع کی معرفت آپ کو حاصل تھی۔

ابعثہ اللہ اتمامًا لامرہ وعزیمۃً علی امضاء حکمتہ وانفاذًا لمقادیر حتمہ۔

خدا نے اپنے امر کے اتمام کے واسطے اجرائے حکمت کے ارادے سے اور اپنے اندازہ ہائے حتمیہ کے جاری کر دینے کی خاطر آپ کو مبعوث فرمایا۔

فرأی الامم فِرَقًا فی ادیانھا عکفًا علیٰ نیرانھا عابدۃ لاوثانھا ومنکرۃ للہ مع عرفانھا۔

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے امتوں کو دیکھا کہ اپنے مذاہب میں

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہیں۔ اپنی اپنی آتش دکفرا میں مقیم ہیں۔ اپنے اپنے بتوں کی عبادت کر رہی ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ان کے نفس خالق کو پہچان رہے ہیں مگر پھر بھی اس کا انکار کر رہی ہیں۔

فاناء الله بمحمد ظلمها وکشف عن القلوب بهمها وجلی عن الابصار غممها وقام فی الناس بالهدایة و انقذهم من الغوایة وبصرهم من العمایة وهداهم الی الدین القویم ودعاهم الی الطریق المستقیم۔

پس خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ کے سبب سے ان اُمتوں کی ظلمتوں کو روشن کر دیا۔ دلوں سے ان کی جہالتوں کو کھول دیا۔ آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے پس آپ لوگوں میں ہدایت کے ساتھ کھڑے ہوئے انہیں گمراہی سے نکالا جو اندھے تھے انہیں آنکھیں عطا کیں۔ انہیں قائم رہنے والے دین کی طرف ہدایت کی اور انہیں صراط مستقیم کی طرف دعوت دی۔

ثم قبضه الله الیه قبض رافة واختیار ورغبة وایثار

پھر خداوند عالم نے انہیں اپنی طرف لے لیا۔ یہ لے لینا اور قبض کرنا مہربانی کے ساتھ تھا۔ اختیار کے ساتھ تھا۔ رغبت کے ساتھ تھا۔ عطا و کرم کے ساتھ تھا۔

ان فقرات میں اشارہ ہے محبت شاملہ اور محبوبیت کاملہ کی طرف۔

محمدؐ عن تعب هذه الدار فی راحة قد حفت بالملائکة الابرار ورضوان الرب الغفار ومجاورة الملک الجبار صلی الله علی ابی نبیه وامینه علی الوحی وصفیه و

خِیَرَتِہٖ مِنَ الخَلقِ وَرَضِیّہٖ وَالسَّلَامُ عَلَیْہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ اس دنیا کے رنج واندوہ سے چھوٹ کر سایۂ راحت میں آ گئے۔ وہ ملائکہ ابرار سے گھرے ہوئے ہیں۔ رضوان رب غفار انہیں احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور بادشاہ جبار کی ہمسائیگی انہیں حاصل ہے۔ خدا نے میرے باپ پر درود بھیجا ہے۔ جو اس کے نبی ہیں۔ امین وحی ہیں۔ خدا کے صفی ہیں۔ اور اس کی مخلوق میں سب سے بہتر اور پسندیدہ ہیں۔ اُن پر خدا کا سلام ہے اس کی رحمتیں ہیں اور اس کی برکتیں ہیں۔

اس ارشاد میں مدارج عالیۂ آں حضرت کی طرف اشارہ ہے۔ جن میں سے انتہائی درجہ تقرب مجاورۃ ملکِ جبار ہے۔ جہاں نہ کسی ملکِ مقرب کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔ اسی مقام کو اہلِ طریقت کی اصطلاح میں اتحاد۔ وحدت اور فنا کے نام سے موسوم ہے۔

اس حمد و نعت میں جب پیغمبر کا ذکر فرمایا ہے تو "ابی" "میرے باپ" کہہ کر فرمایا ہے۔ حالانکہ بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن نہیں۔ ضرورت تھی سخت ضرورت تھی۔ سننے والوں کو تنبیہ کرنا مقصود تھا۔ شرم وغیرت دلانا منظور تھا۔ یہ لفظ ایک چابک تھا جو دلوں پہ پڑ رہا تھا۔ دل پر نشتر چبھتا تھا۔ مگر اس سے انکار ہی نہ کر سکتے تھے۔

اب حمد وثنا کے بعد آپ نے مہاجرین وانصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَنْتُمْ عِبَادَ اللّٰہِ نُصُبُ اَمْرِہٖ وَحَمَلَۃُ دِیْنِہٖ وَوَحْیِہٖ وَ اُمَنَاءُ اللّٰہِ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَبُلَغَاءُہٗ اِلَی الْاُمَمِ وَنِعْمَتُہٗ

حقٌّ لکم للّٰہِ فیکم عھدٌ قدّمہ الیکم وبقیّۃٌ استخلفھا علیکم کتاب اللّٰہ الناطق والقرآن الصادق والنور الساطع والضیاء اللامع بینۃٌ بصائرہ منکشفۃٌ سرائرہ منجلیۃ ظواھرہ مغتبطٌ بہ اشیاعہ قائدٌ الی الرضوان اتباعہ مؤدٍ الی النجاۃ اسماعہ بہ تنال حجج اللّٰہ المنورۃ وعزائمہ المفسرۃ ومحارمہ المحذرۃ وبیناتہ الجالیۃ وبراھینہ الکافیۃ وفضائلہ المندوبۃ ورخصہ الموھوبۃ وشرائعہ المکتوبۃ۔

بندگانِ خدا! تم امر رسول اللہ کے نشان۔ اس کے دین اور اس کے وحی کے حامل ہو۔ تم خدا کی طرف سے اپنے نفسوں پر امین قرار دیے گئے ہو۔ دوسرے گروہوں کی طرف دین الٰہی کو پہنچانے والے ہو۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ خدا کے ذمے تمہارا کوئی حق ہے۔ حالانکہ تم میں خدا کا عہد موجود ہے۔ جو پہلے ہی تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔ تم میں بقیۃ اللہ ہے۔ جسے اس نے تم پر خلیفہ گردانا ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے وہ نور روشن ہونے والا نور ہے۔ وہ ضیا ہے اور درخشندہ ضیا۔ اس کے انوار درخشاں ہیں۔ اس کی پوشیدگیاں کھلی ہوئی ہیں۔ اس کے ظواہر منجلی ہیں اس کے تابعین پر غبطہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اطاعت کرنے والے رضوانِ الٰہی کی طرف کھینچنے والے ہیں۔ اور اس کے احکام کے سامعین نجات کی طرف لے جانے والے۔ خدا کی روشن حجتیں۔ اس کے فرائض واضحہ۔ اس

کے محرمات محذورہ۔ اس کی مجلّی نشانیاں۔ اس کے فضائل مستحبہ۔ اس کی موہوبہ رخصتیں۔ اس کی مکتوبہ شریعتیں۔ ان تمام چیزوں تک اسی خلیفۃ اللہ اور کتاب ناطق خداوندی کے ذریعہ سے رسائی ہو سکتی ہے۔

ان فقراتِ مقدسہ میں قرآن مجید کی طرف بھی اشارہ ہے اور ذواتِ بابرکاتِ امیر لمومنین کی جانب بھی۔

فجعل اللہ الایمان تطہیراً للشرک والصلوٰۃ تنزیہاً لکم عن الکبر والزکوٰۃ تزکیۃً للنفس ونماءً فی الرزق والصیام تثبیتاً للاخلاص والحج تشدیداً للدین والعدل تنسیقاً للقلوب وطاعتنا نظاماً للملّۃ وامامتنا اماناً من الفرقۃ والجہاد عزّاً للاسلام والصبر معونۃً علی استیجاب الاجر والامر بالمعروف مصلحۃً للعامۃ وبرّ الوالدین وقایۃً من السخط وصلۃ الارحام منماۃً للعدد والقصاص حقناً للدماء والوفاء بالنذر تعریضاً للمغفرۃ والمکائیل والموازین تغییراً للبخس والنھی عن شرب الخمر تنزیہاً عن الرجس واجتناب القذف حجاباً عن اللعنۃ وترک السرقۃ ایجاباً للعفۃ وحرّم اللہ الشرک اخلاصاً لہ بالربوبیۃ فاتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتنّ الّا وانتم مسلمون واطیعوا اللہ فیما امرکم بہ ونھٰیکم عنہ فانّہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ۔

ان فقراتِ مقدسہ میں جناب معصومہؑ نے احکام شریعت کی علّتیں بیان فرمائی

ہیں۔ اعتقاد و اعمال کے وجوہات اس طرح بیان فرما دئے ہیں کہ قلب سلیم کی تسکین کا کامل سامان نکل آتا ہے۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔

"پس خداوند عالم نے ایمان قرار دیا۔ تاکہ تم اس کے سبب سے شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ ہو جاؤ۔ نماز مقرر کی تاکہ تم کبر و غرور سے منزہ رہو۔ زکوٰۃ واجب فرمائی تاکہ نفسوں کا تزکیہ ہو۔ اور رزق میں زیادتی ہو جائے۔ روزے فرض کئے تاکہ تم اخلاص کا ثبوت پیش کرو۔ حج واجب گردانا۔ تاکہ دین محکم ہو جائے۔ عدل کا حکم دیا تاکہ قلوب ایک حالت راستی میں ہو جائیں۔ متفرق نہ رہیں۔ ہماری طاعت فرض کی تاکہ قوم کا نظام و انتظام نہ بگڑے۔ ہماری امامت کو لازم فرمایا تاکہ تفریق اور فرقہ بندیوں سے امن رہے۔ جہاد کا حکم دیا کہ اسلام کی عزت و قوت بنی رہے۔ صبر کو لازم گردانا تاکہ قبولیت اجر کے لئے معاون ہو۔ امر بالمعروف واجب کیا۔ تاکہ عوام الناس کی حالت اصلاح پہ آجائے۔ والدین سے نیکی کا حکم دیا۔ اس لئے کہ غضب الٰہی سے حفاظت ہو۔ صلۂ رحم مقرر کیا تاکہ تمہارے اعداد و شمار میں ترقی ہو قصاص مقرر فرمایا کہ خونریزی سے محفوظ رہیں۔ نذر و عہد کے وفا کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ مغفرت کا سامان مہیا ہو۔ پیمانے اور ترازو مہیا کئے تاکہ نقصان سے بچے رہو۔ شرابخوری سے ممانعت فرمائی۔ تاکہ ہر قسم کی نجاست سے منزہ ہو جاؤ۔ افترا و بہتان اور دشنام دہی سے روکا۔ تاکہ لعنت سے پس پردہ رہو۔ چوری چھوڑنے کا حکم دیا تاکہ عفت کے زیورات سے آراستہ ہو جاؤ۔ خدا نے شرک (افعالی) کو حرام قرار دیا تاکہ خالص اسی کی ربوبیت کا اقرار کرو۔ پس اب تم خدا سے ڈرو۔ جو ڈرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور تم جب مرو تو اسلام ہی پہ تمہارا دم نکلے۔ خدا کی

اطاعت کرو۔ اس امر میں جس کا تمہیں حکم دیا ہے۔ اور جس شے سے تمہیں ممانعت کی ہے
اس سے باز رہو۔ بے شک بے شک اس کے بندوں میں جو صاحب علم ہیں۔ وہی خدا
سے ڈرتے ہیں۔

ایّها النّاس اعلموا انّی فاطمة وابی محمّد صلی اللّٰه علیه والٰه
اقول عوداً وبدواً ولا اقول ما اقول غلطاً ولا افعل
ما افعل شططاً لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز
علیه ما عنتّم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم
فان تعزّوه وتعرفوه تجدوه ابی دون نسائکم واخ
ابن عمّی دون رجالکم لنعم المعزی الیه صلی اللّٰه علیه
والٰه۔

ایّها النّاس آگاہ ہو جاؤ۔ میں فاطمہؑ ہوں۔ میرے پدر بزرگوار محمد مصطفےٰ ہیں
میں یہی جملہ پھر کہتی ہوں اور پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ اور جو کچھ میں کہتی ہوں۔ ہرگز
غلط نہیں کہتی۔ اور جو کچھ میں کرتی ہوں کبھی عبث۔ بیکار اور فضول نہیں کرتی
بے شک تمہیں میں سے رسول آیا۔ تمہارے پاس آیا۔ تمہاری تکالیف
اور مشکلات اسے سخت ناگوار تھیں۔ وہ تمہاری نجات پر حریص تھا۔ اور
مومنین کے لئے رافت و رحمت مجسم تھا۔ اب اگر تم اس کی عزت کرتے
ہو اسے پہچانتے ہو۔ تو اسے میرا ہی باپ پاؤ گے۔ ہاں وہ میرا ہی باپ
ہے نہ کہ تمہاری عورتوں کا۔ ہاں وہ میرے ابن عم (علیؑ ابن ابی طالبؑ) کا
بھائی ہے نہ کہ تمہارے مردوں کا۔ ہاں ہاں! اس سے نسبت رکھنے والا

کتنا اچھا ہے۔ اس پر اور اس کی آل پر خدا نے درود بھیجا ہے۔

فبلّغ الرسالۃ صادعًا بالنذار مائلاً ناکبًا عن مدرجۃ المشرکین ضاربًا اخذًا باکظامھم داعیًا الٰی سبیل ربہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ یکسّر الاصنام و ینکبُ الھام حتّی انھزم الجمع وولّوا الدُّبُر حتّی تفرّی اللیلُ عن صبحہ واسفر الحقّ عن محضہ ونطق زعیم الدین وخرست شقاشقُ الشیاطین وطاح وشیظُ النفاق وانحلّت عقد الکفر والشقاق وفھمتم کلمۃ الاخلاص فی نفرٍ من البیض الخماص الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھّرھم تطھیرا وکنتم علٰی شفا حفرۃ من النّار فانقذکم منھا نھزۃ الطامع وقبسۃ العجلان وموطاء الاقدام تشربون الطرق وتقتاتون الورق اذلّۃً خاسئین تخافون ان یتخطّفکم النّاس من حولکم فانقذکم اللہ تبارک وتعالٰی بمحمدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ بعد اللتیا والتی۔

پس آپ نے تبلیغ رسالت فرمائی۔ ان کی جماعتوں کو تخویف الٰہی کے ساتھ پراگندہ کر دیا۔ مشرکین کے مدارج کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ آپ ان کے روٴسا کو (جو عرب کے تاج کہلاتے تھے) مارتے تھے۔ ان کے نرخروں کی گرفت کرتے تھے۔ اور اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت دیتے تھے۔ بتوں کو توڑتے تھے ان کی کھوپڑیوں کو نکبت وادبار کی خاک میں

ملاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی جماعت منہزم ہوئی اور اس نے پیٹھ پھرائی۔ صبح
کی روشنی سے رات کی تاریکی نے فرار کیا۔ حق محض و خالص چمک اٹھا۔ دین کا سردار
بولنے لگا۔ شیاطین کے مستانہ کلام گونگے ہو گئے۔ رذالتِ نفاق ہلاک ہوئی۔ کفر
و شقاوت کی گرہ کھل گئی۔ تم نے کلمۂ اخلاص کو ان لوگوں سے سیکھا جن کے چہرے
روشن تھے۔ جن کے شکم بھوک سے پشت کو لگے ہوئے تھے۔ جن سے خدا نے
ہر ایک قسم کی نجاست کو دور کر دیا ہے۔ تم آتشیں گڑھے کے کنارے پر تھے
تمہیں انہیں لوگوں نے ان گڑھوں سے نکال لیا۔ تم ہر ایک طمع کرنے والے
کے لئے مالِ غنیمت تھے۔ ہر ایک شتاب کار کے لئے آگ کی چنگاری تھے
رجسے جو چاہے بجھا دے) تم دوسروں کے قدموں سے پامال تھے۔ تم مختلف
رستوں میں پانی پیتے تھے۔ درختوں کے پتے تمہارا قوت تھا۔ تم ذلیل تھے۔ گمنام
تھے۔ تمہیں ہر وقت خوف تھا کہ وہ قومیں جو تمہارے گرد ہیں۔ تم پر اچانک آگریں
گی مگر خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ (صلعم) کی بدولت ان تمام مصائب کے بعد
تمہیں رہائی بخشی۔

وبعد ان منی بهم الرجال وذوبان العرب ومردة اهل
الكتاب كلما اوقدوا نارا اطفاها الله او نجم قرن للشيطان
وفغرت فاغرة من المشركين قذف اخاه فی لهواتها
فلا ينكفا حتى يطأ صماخها باخمصه ويخمد لهبها
بسيفه مكدودا فی ذات الله مجتهدا كادحا وانتم فی
بلهنية من العيش وادعون فاكهون آمنون تتربصون

بنا الدوائر وتتوكفون الاخبار وتنكصون عند النزال وتفرون عند القتال۔

اس کے بعد جب ناموران عرب۔ سرکشان عرب اور گمراہ اہل کتاب کے لشکروں نے لڑائی کی آگ بھڑکائی تو خدا نے اسے بجھا دیا۔ اور جب کبھی شیطان کا سینگ نمودار ہوا۔ یا مشرکین میں سے کسی منہ کھولنے والے نے منہ کھولا۔ تو رسولؐ نے اپنے بھائی کو ان کے حلقوم میں ڈال دیا (ان کے سروں پر مسلط کر دیا) رسول کا بھائی نہیں پلٹا جب تک کہ ان کی کنپٹیوں کو اپنے تلووں سے نہیں مسل دیا۔ اور ان کے شعلوں کو آب تیغ سے نہیں بجھا دیا۔ درآنحالیکہ وہ ذات خدا میں غرق اس کے معاملے میں انتہائی کوشش کرنے والا۔ اور اسی کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اس کا تو یہ حال تھا اور تم بقاءِ زندگی کے سامانوں میں مشغول تھے۔ تن آسانیوں میں گرفتار تھے۔ عیش و آرام کر رہے تھے۔ امن و امان میں زندگی گذار رہے تھے۔ ہماری مصیبتوں کا انتظار کرتے تھے اور ہماری مصیبتوں کی خبروں کے متوقع تھے۔ سختیوں کے وقت پلٹ جاتے تھے اور لڑائی کے وقت فرار کر جاتے تھے۔

فلما اختار الله لنبيه دار انبيائه ومأوى اصفيائه ظهر فيكم حسيكة النفاق وسمل جلباب الدين ونطق كاظم الغاوين ونبغ خامل الآفلين وهدر فنيق المبطلين فخطر في عرصاتكم واطلع الشيطان رأسه في مغرزه هاتفا بكم فالفاكم لدعوته مستجيبين وللعزة فيه ملاحظين

ثم استنهضکم فوجدکم خفافاً واحمشکم فالفاکم غضاباً فوسمتم غیر ابلکم واوردتم غیر مشربکم هذا والعهد قریب والکلم رحیب والجرح لما یندمل والرسول لما یقبر ابتداراً زعمتم خوف الفتنۃ الا فی الفتنۃ سقطوا وان جہنم لمحیطۃ بالکافرین۔

جب خداوند عالم نے اپنے نبی کے واسطے وہ مقام پسند فرمایا جو اس کے انبیاء واصفیا کے لئے مقرر ہے تو تم میں منافقانہ عداوتیں ظاہر ہوئیں۔ دین کا پردہ کہنہ ہو گیا۔ گمراہوں میں سے وہ شخص جو اپنے غیظ وغضب کو ضبط کئے ہوئے تھا بولنے لگا۔ وہ شخص جو پردہ گمنامی میں پوشیدہ تھا۔ ظاہر ہو گیا۔ اہل باطل کے دودھ کی دھاریں بہہ بہہ کر تمہارے صحن میں آگئیں۔ شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا۔ تمہیں پکارا۔ اس نے تم سے ملاقات کی درانحالیکہ تم اس کی دعوت کے قبول کرنے والے اور دعوت شیطانی میں اپنی عزت و توت کو ملاحظہ کرنے والے تھے پھر اس نے تمہیں حرکت دی۔ اور تمہیں بہت ہلکا پایا۔ اس نے تمہیں بھڑکایا اور تم غیظ وغضب میں گرفتار ہونے والے پائے گئے۔ پس تم نے اپنے اونٹ کے سوا دوسرے کے اونٹ پر نشان لگایا۔ اور تم اپنے اونٹوں کو پانی پلانے لے آئے اس چشمے پر جو تمہارا نہیں ہے۔ یہ معاملہ تم سے ظاہر ہوا حالانکہ زمانہ رسالت ابھی کل کی بات ہے۔ زخم بالکل ہرا ہے۔ اور وسیع جراحت ابھی مندمل نہیں ہوئی۔ اور پیغمبر ابھی قبر میں بھی نہیں سونے پائے تھے تم نے عجلت کی اور اپنے گمان میں فتنے کے خوف سے عجلت کی۔ آگاہ رہو کہ

آیسے لوگ خود فتنوں میں گر پڑے اور بیشک جہنم اہل کفر کو گھیرے ہوئے ہے۔

فھیھات منکم وکیف بکم وانّٰی تؤفکون وکتاب اللّٰہ بین اظہرکم امورہ زاھرۃ واعلامہٗ باھرۃ وزواجرہٗ لائحۃ واوامرہٗ واضحۃٌ قد خلفتموہ وراء ظھورکم ارغبۃً عنہ تریدون ام بغیرہ تحکمون بئس للظالمین بدلاً و من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین۔

افسوس ہزار افسوس۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ یہ کیا الٹک وافترا کر رہے ہو۔ حالانکہ خدا کی کتاب تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کے امور چمک رہے ہیں۔ اس کی نشانیاں روشن ہیں۔ اس کی ممانعتیں تابندہ ہیں۔ اس کے احکام واضح ہیں۔ مگر تم نے اسے پس پشت ڈال دیا ہے۔ کیا تم اس سے منہ پھرانا چاہتے ہو۔ کیا اس کے بغیر کسی دوسری کتاب سے حکم لگانے کا ارادہ ہے۔ اہل ظلم کے لئے یہ بہت برا عوض ہے۔ یاد رکھو جو شخص اسلام کے بغیر کوئی اور دین اختیار کرے گا ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور انجام کار وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

ثم لم تلبثوا الّا ریث ان تسکن نفرتھا ویسلس قیادھا ثم اخذتم تورون وقدتھا وتھیجون جمرتھا وتستجیبون لھتاف الشیطان الغوی واطفاء انوار الدین الجلی واھماد السنن النبی الصفی تسرون حسواً فی الارتغاء وتمشون

لاھلہ وولدہ فی الخمص والضراء ونصبر منکم علی مثل
حز المدیٰ ووخز السنان فی الاحشا وانتم تزعمون ان
لا ارث لنا افحکم الجاھلیۃ تبغون ومن احسنُ من اللہ
حکماً لقوم یوقنون افلا تعلمون۔

اس کے بعد تم نے درنگ نہیں کیا مگر اسی قدر کہ اس کی نفرت کم ہو جائے اور اس کی
نفرت کم ہو جائے اور اس کی مہار نرم ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی تم نے اس کا
ایندھن بھڑکا دیا۔ اس کی سرخی کو ہیجان میں لے آئے۔ گمراہ شیطان کی دعوت
کو تم نے قبول کر لیا۔ دین روشن کے انوار بجھانے اور برگزیدہ نبی کی سنتوں کو
برباد کرنے میں تم شیطان کے ہمنوا ہو گئے۔ تم بالائی بالائی حریرے سے
اپنا پیٹ بھر رہے ہو۔ اور رسول اللہ کے اہل بیت اور ان کی اولاد کے ساتھ
منہ پہ نقاب ڈال کر ضرر رسانی کی چالیں چل رہے ہو۔ اور ہم تمہاری ان حرکات
پر اسی طرح صبر کرتے ہیں جیسے کہ چھری کے زخم اور نیزے کے گھاؤ پہ جو آنتوں
میں بیٹھ گیا ہو۔ صبر کیا جاتا ہے۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ ہمارے لئے میراث
ہی نہیں۔ کیا تم حکم جاہلیت کی پیروی کرتے ہو۔ اہل یقین کے واسطے خدا
سے بہتر حکم کرنے والا کون ہے۔ کیا تم نہیں جانتے ہو۔

بلی تجلّیٰ لکم کالشمس الضاحیۃ انی ابنتہ ایھا المسلمون
ءاُغلبُ علی ارثیہ یا بن ابی قحافۃ افی کتاب اللہ ان ترث
اباکَ ولا ارث ابی لقد جئت شیئاً فریا افعلیٰ عمدٍ
ترکتم کتابَ اللہ ونبذتموہ وراءَ ظھورکم اذ یقول

وورث سلیمان داؤد وقال فیما اقتص من خبر یحییٰ بن زکریا

اذ قال رَبِّ ھب لی من لّدنک ولیاً یرثنی ویرث من آل

یعقوب وقال اولوا الارحام بعضھا اولیٰ ببعض فی کتاب

اللّٰہ وقال یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذّکر مثل حظ

الانثیین وقال ان ترک خیرن الوصیّۃ للوالدین والاقربین

بالمعروف حقاً علی المتقین وزعمتم ان لاحظوۃ لی ولا

ارث من ابی ولا رَحْمَ اَفخصّکم اللّٰہ بآیۃٍ اَخْرَجَ منھا

ابی اَمْ ھل تقولون اھلَ ملّتین لا یتوارثان ولست انا و

ابی من اھل ملۃٍ واحدۃٍ ام انتم اعلم بخصوص القرآن

وعمومہ من ابی وابن عمّی فدونکھا مخطومۃً مرحولۃً

تلقاک یوم حشرک فنعم الحکم اللّٰہ والزّعیم محمّد

والموعدُ القیامۃ وعند الساعۃ ما تخسرون ولا ینفعکم

اذ تندمون ولکلّ نباءٍ مستقرٌّ فسوف تعلمون من

یاتیہ عذابٌ یخزیہ ویحلّ علیہ عذابٌ مقیمٌ۔

ہاں! مہر نیمروز کی طرح روشن ہے۔ اسے مسلمانو! میں رسولؐ اللہ کی بیٹی ہوں

اسے ابن ابی قحافہ کیا میں رسولؐ اللہ کی میراث سے محروم ہو جاؤں گی؟ کیا

خدا کی کتاب میں کوئی ایسا حکم ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث ہو۔ اور میں نہ ہوں

یہ تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ کیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر کتاب اللہ کو

چھوڑ دیا۔ اسے اپنے پس پشت ڈال دیا۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ سلیمانؑ

داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت یحییٰ بن زکریا کے قصے میں خبر دیتا ہے کہ
حضرت زکریا نے دعا کی۔ خداوندا تو مجھے ایک ولی کرامت فرما جو میرا اور آلِ یعقوبؑ
کا وارث ہو۔ پھر ارشاد فرمایا ہے کہ صاحبانِ قرابت ایک دوسرے کے
(میراث میں) مستحق ہیں۔ نیز فرماتا ہے کہ خداوندِ عالم تمہیں تمہاری اولاد کے
بارے میں وصیت کرتا ہے وہ یہ کہ لڑکوں کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے
برابر ہے۔ پھر ارشاد ہوا ہے۔ اگر کسی شخص نے مال چھوڑا تو وصیت بالمعروف
والدین اور اہل قرابت کے لئے ہے۔ یہ صاحبانِ اتقا پر واجب ہے۔ کیا
(ان تمام نصوص صریحہ کے خلاف) تمہارا گمان یہ ہے کہ میرے لئے کوئی حصہ
نہیں اور نہ میں اپنے باپ کی وارث ہو سکتی ہوں۔ اور ہمارے درمیان میں
کوئی قرابت نہیں ہے۔ کیا خداوندِ عالم نے تم کو کسی آیت سے مخصوص کر دیا
ہے اور میرے باپ کو اس سے خارج فرمایا ہے۔ کیا تم لوگ خصوصیات وعموم
قرآن کو میرے باپ سے اور میرے ابن عم (علیؑ ابن ابی طالبؑ) سے زیادہ
جانتے ہو۔ پس خبردار ہو جا اور پرہیز کر اس پامال شدہ اور ستم کش سے جو
قیامت کے دن تجھ سے ملاقات کرے گی۔ اس روز بہترین حاکم خداوندِ عالم
ہوگا۔ اور طالبِ حق محمدؐ ہوں گے۔ وعدہ گاہ میدانِ قیامت ہوگا۔ اس
ساعت تمہیں کس قدر خسارہ رہے گا۔ اور ندامت و پشیمانی کچھ بھی فائدہ نہ دیگی
اور ہر ایک چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ تم عنقریب جان جاؤ گے
کہ عذاب دردناک کس پر آتا ہے۔ اور قائم رہنے والا عذاب کس پر وارد
ہوتا ہے۔

اب آپ انصار کی طرف مخاطب ہوئیں اور فرمایا۔

یا معشر الفتیۃ و اعضاد الملۃ و انصار الاسلام ما هذه الغمیزۃ فی حقی والسنۃ من ظلامتی اما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی یقول المرء یحفظ فی ولدہ سرعان ما احدثتم وعجلان ذا اهالۃ و لکم طاقۃ بما احاول وقوۃ ما اطلب و ازاول اتقولون مات محمد صلی اللہ علیہ و آلہ فخطب جلیل استوسع رهیہ واستهز فتقہ وانفتق رتقہ و اظلمت الارض لغیبتہ وکسفت النجوم لمصیبتہ و اکدت الامال و خشعت الجبال و ازیل الحریم و ازیلت الحرمۃ عند مماتہ فتلک واللہ للنازلۃ الکبریٰ والمصیبۃ العظمیٰ لا مثلها نازلۃ ولا بائقۃ عاجلۃ اعلن بها کتاب اللہ جل ثناءہ فی افنیتکم و فی ممساکم و مصبحکم هتافا و صراخا و تلاوۃ و الحانا و لقبلہ ما حل بانبیاء اللہ و رسلہ حکم فصل و قضاء حتم و ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا و سیجزی اللہ الشاکرین۔

اے جوانمردوں کے گروہ۔ اے قوم کے بازوؤ۔ اے اسلام کے نصرت

کرنے والو میرے حق کی طرف سے یہ کیسی چشم پوشی ہے۔ اور میری داد رسی سے یہ کیسی غفلت کی جا رہی ہے۔ کیا میرے پدرِ بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ انسان کی حفاظت اس کی اولاد کے حق میں بہت جلد کرنی چاہیئے۔ تم بہت عجلت کے ساتھ اور خوفناک طریقے سے یہ کام کر گذرے۔ حالانکہ جس امر کے لئے میں پھرائی جا رہی ہوں۔ اس میں مدد دینے کی تمہیں طاقت ہے۔ اور جس شئے کی میں طلب گار ہوں اور مظالم کا بار ڈال ڈال کر جس بارے میں میرا امتحان کیا جا رہا ہے۔ تمہیں اس امر میں میرا ہاتھ بٹانے کی قوت حاصل ہے۔

آہ! تم کہہ رہے ہو کہ محمدؐ نے وفات پائی۔ یہ ایک مصیبتِ بزرگ ہے اس کا خوف وسیع ہے۔ اس کا شگاف ڈھے چکا۔ اور اس کا اتصال شگافتہ ہو گیا۔ اس کے غائب ہونے سے زمین تاریک ہو گئی۔ اس کی مصیبت کے سبب سے ستارے بے نور ہو گئے۔ آرزوئیں ساکن ہو گئیں۔ پہاڑ جھک گئے۔ حریم اپنے مقام سے زائل ہو گیا۔ حرمتیں برباد ہو گئیں۔ اس کی موت پر یہ سب کچھ واقع ہوا۔ پس خدا کی قسم یہ ایک آفتِ کبریٰ ہے مصیبتِ عظمٰی ہے۔ نہ اس کے مانند کوئی مصیبت ہے۔ نہ کوئی ناگہانی آفت۔ خدا کی کتاب نے تمہارے گھروں میں۔ صبح اور شام کی نشست گاہوں میں چیخ چیخ کر۔ پکار پکار کر تلاوت و الحاق کے وقت پہلے ہی اس کا اعلان کر دیا تھا اس پیغمبر پر جو کچھ گذرا۔ اور اس سے پہلے جو کچھ انبیاء و رسل پر حادثہ (موت) طاری ہوا۔ وہ ایک حکم فیصلہ شدہ اور قضائے حتمی ہے۔ جیسا کہ ارشاد

فرماتا ہے۔ محمد خدا کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے انبیاء گذر چکے ہیں اگر وہ مرجائے یا قتل ہوجائے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پر پلٹ جاؤ گے اور جو شخص کہ پلٹ جائے گا وہ خدا کو کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور عنقریب خداوند عالم شکر کرنے والوں کو جزائے نیک عطا فرمائے گا۔

ایھا بنی قیلۃ أھضم تراث ابی وانتم بمرئی منی و مسمع و مبتدأ و مجمع تلبسکم الدعوۃ تشملکم الخبرۃ وانتم ذوو العدد والعُدّۃ والاداۃ والقُوّۃ وعِندَکم السلاحُ والجُنّۃ توافیکم الدعوۃ فلا تجیبون وتاتیکم الصرخۃ فلا تغیثون وانتم موصوفون بالکفاح ومعروفون بالخیر والصلاح والنخبۃ التی انتجبت والخیرۃ التی اُختیرت قاتَلْتُم العَرَبَ وتحمّلتم الکدّ و التَعَبَ وناطحتم الاُمَمَ وکافحتم البھم فلا نبرحُ اوتبرحون نامرکم فتاْمرون حتی اذا دارت بنا رحی الاسلام ودرّ حلبُ الایام وخضعت نعرۃُ الشرك وسکَنَتْ فورۃ الافكِ وخمدت نیران الکفر وھدئت دعوۃ الھرج واستوثق نظامُ الدین فانیٰ صرتم بعد البیان واسررتم بعد الاعلان ونکصتم بعد الاقدام واشرکتم بعد الایمان الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانھم وھمّوا باخراج الرسول وھم بدؤکم اوّلَ مرۃٍ أتخشونھم فاللّٰہ احقّ ان تخشوہ ان کنتم مومنینَ الا قد اریٰ ان اخلدتم الی الخفض و

ابعدتم من هو احق بالبسط والقبض وخلوتم بالدعة و نجوتم من الضيق الى السعة فمججتم ما وعيتم و دسعتم الذی تسوغتم فان تکفروا انتم و من فی الارض جمیعا فان الله لغنی حمید.

اے سرداروں کی اولاد! میرے باپ کی میراث ہضم کی جانے۔ وما نحالیکہ میں تمہیں دکھا رہی ہوں۔ سُنا رہی ہوں۔ تم سے ابتداء کی گئی ہے اور تم جمع شدہ ہو۔ میری دعوت تمہارا لباس بن چکی ہے۔ علم اس کا تمہارے شاملِ حال ہے تم صاحبِ جماعت ہو۔ اعداد و شمار والے ہو۔ آلات و قوت کے مالک ہو تمہارے پاس ہتھیار بھی ہیں۔ ڈھال بھی۔ تمہیں کافی طور پر پکارا گیا مگر تم قبول نہیں کرتے۔ ایک صدمہ رسیدہ کی فریاد تم تک آرہی ہے مگر تم فریاد رسی نہیں کرتے۔ حالانکہ تم بغیر ڈھالوں کے دشمن کا دفاع کرنے میں مشہور ہو۔ صلاح و نیکی اور اس نجابت کے ساتھ معروف و موصوف ہو۔ جو منتخب و نقیب ہے تم ایسی بہتری کے ساتھ منسوب ہو۔ جو اختیار کی گئی ہے۔ تم نے عرب سے قتال کیا۔ تم رنج و تعب کے متحمل ہوئے۔ تم نے جماعتوں کو گرا دیا۔ جیسے ایک جانور دوسرے کو سینگ مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔ تم نے لشکروں کا دفاع کیا۔ ہم تو اپنے مقام سے نہیں ہٹے مگر تم ہٹ رہے ہو۔ ہم تم کو حکم دے رہے ہیں (جیسے پہلے دیتے تھے) مگر اب تم حکم چلا رہے ہو (تمہارا پہلا رنگ باقی رہا، یہاں تک آ پائے اسلام نے گردش کی۔ زمانے کا دودھ نکالا گیا۔ شرک کے نعرے لیست ہوئے۔ افتراء و بہتان کے فوارے ساکن ہو

گئے۔ کفر کی آگ بجھ گئی۔ فتنے کی دعوت خاموش ہو گئی۔ دین کا انتظام محکم ہو گیا
اب تم اس وضاحت کے بعد کدھر ہو رہے ہو۔ اعلان و اظہار کے بعد امر حق کو
چھپا رہے ہو۔ قدم بڑھا کر پیچھے ہٹ رہے ہو۔ ایمان کے بعد شرک اختیار کر
رہے ہو۔ کیا تم اس قوم سے نہ لڑو گے جس نے اپنی قسموں کو توڑ دیا جنہوں نے
رسولؐ کے نکالنے پر کمر باندھی اور پہلے پہل تم سے مقابلہ کیا۔ کیا تم ان لوگوں
سے ڈرتے ہو۔ اگر تم مومن ہو تو تمہیں خدا سے ڈرنا زیبا ہے۔ آگاہ ہو۔ میں دیکھ
رہی ہوں کہ تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پستی میں مقیم ہو گئے۔ اور تم نے اس شخص کو دور
کر دیا جو قبض و بسط (انتظام امور اسلام) کا بہت زیادہ سزاوار ہے۔ تم
آرام طلبی کے ساتھ خلوت گزین ہو گئے۔ تم نے تنگیوں سے وسعت کے
ساتھ نجات پائی۔ اور جس کی تم نے حفاظت کی تھی۔ اسے الگ ڈال دیا۔ اور
جس لقمہ کو تم نے بتکلف کھایا تھا۔ آخر اسے اگل دیا۔ پس اگر تم معہ تمام اہل زمین
کے کفر اختیار کر لو تو بے شک خداوند عالم غنی و حمید ہے۔ اسے کچھ تمہاری
پرواہ نہیں۔

الا وقد قلتُ على معرفةٍ منّي بالخذلة التي خامرتكم والغدرة
التي استشعرتها قلوبكم ولكنها فيضة النفس ونفثة الغيظ
وخور القناة وبثة الصدر وتقدمة الحجة فدونكموها
فاحتقبوها دبرة الظهر نقبة الخُفِّ باقية العار موسومة
بغضب الله وشنار الابد موصولةً بنار الله الموقدة التي
تطلع على الافئدة فبعين الله ما تفعلون وسيعلم الذين

ظلموا ای منقلب ینقلبون وانا ابنۃ نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فاعملوا انا عاملون وانتظروا انا منتظرون۔

آگاہ ہو جاؤ۔ میں نے کہا جو کچھ کہا۔ اس لئے کہا کہ میں اس قطع رحم کو جان چکی ہوں جس نے تمہیں ڈھانک لیا ہے اور اس بے وفائی کو پہچان رہی ہوں۔ جس سے تمہارے دلوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ ہاں یہ جو کچھ میں نے کہا ہے ایک دل گرفتگی ہے۔ غیظ و غضب ، واقعی اکالعاب دہن ہے۔ خاطر شکستہ کی آواز ہے سینے کا اضطراب ہے۔ اتمام حجت ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے۔ اسے اپنے لئے ذخیرۂ آخرت کرو۔ مگر یہ پیٹھ کا زخم ہے۔ موزے کا گھاؤ ہے۔ ننگ و عار کو باقی رکھنے والا ہے۔ خدا کے غضب اور ہمیشہ کی ملامت کے ساتھ موسوم ہے یہ خدا کی اس آگ تک پہنچا ہوا ہے جو دلوں میں ہی بھڑکا کرتی ہے۔ پس خدا کی نگاہ میں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اور عنقریب ظلم کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا اور ان کی بازگشت کس مقام پہ ہے۔ اب تم بھی عمل کرو۔ ہم بھی عمل کرتے ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

جن لوگوں کے دل میں ایمان ہے۔ وہ اس خطبے کو دیکھ کر تمام معاملات کو اچھی طرح معلوم کر لیں گے ایک ایک لفظ ٹوٹے ہوئے دل سے نکلا ہے۔ اور ایک ایک فقرہ اس ملال کا اظہار کر رہا ہے۔ جو سیدہ معصومہ کو رسول اللہ کی وفات کے بعد پہنچایا گیا۔ کونسی بات ہے۔ جو باقی چھوڑ دی گئی۔ اور کونسی حجت ہے جسے قطع نہیں کیا گیا۔ آیات قرآن سے جن جن مواقع پر استدلال کیا گیا ہے۔ وہ اپنی جگہ ایسی محکم اور مضبوط ہیں کہ ہزار زمانہ جنبش کھائے مگر وہ ہل نہیں سکتیں۔ انصار و مہاجرین کو جو

چرکے دیئے گئے ہیں۔ انہیں کا دل جانتا ہوگا۔ کتاب اللہ کی جو حالت بتائی گئی ہے بالکل صحیح و یقینی ہے۔ کس نے کتاب اللہ کو دیکھا۔ کس نے اس سے تمسک کیا۔ کون اس کے محکمات کو سمجھا۔ کس نے اس کے متشابہات پر نظر ڈالی۔ کس نے اس کے ناسخ و منسوخ کو جانچا۔ کس نے مقیدہ و مطلق کی پڑتال کی۔ سیدہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے کہ اسے پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور آج تک یہی چلا آ رہا ہے۔ خبر احاد کی بنا پر قرآن کی آیتیں منسوخ قرار پائیں۔ اقوال عوام حقائق قرآنیہ کا مدرک قرار پا گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ ہوگی۔ اور اس سے زیادہ بربادیٔ اسلام کا اور کیا سامنا ہوگا۔

ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ اٹھا جو سیدہ کے دل کی تسکین کا باعث ہوتا۔ اور جو کم از کم زبانی ہی طریقے سے اس ناسور پر مرہم رکھ دیتا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ فدک خواہ وہ کوئی بڑی جاگیر ہو یا چھوٹی سی۔ وہ نخلستان ہوں یا ببول کے درخت۔ جناب سیدہ کی نظر میں ان کی کچھ وقعت نہ تھی۔ وہ تو سیدہ کے پاس رہ کر مسلمانوں کے ہی کام آنے والی چیز تھی۔ جیسا کہ آج تک اس کی آمدنی نیز جناب سیدہ کی والدہ کا مال محتاج مسلمانوں کے کام آتا رہا تھا۔ ہاں اگر ان سے سوال کیا جاتا کہ اسلام پر کڑا وقت آ پڑا ہے۔ آپ یہ شئے مسلمانوں کے حوالے کر دیجے تو بہت ممکن تھا کہ جناب سیدہ یہ درخواست خوشی کے ساتھ قبول کرتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ فاطمہ زہراء کی جھپیاں صرف فدک کے لئے مخصوص تھیں بلکہ وہ اس کی تہ میں دیکھ رہی تھیں کہ اس سے میری اولاد کی بیخ کنی کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ اور بنی فاطمہؑ کا

قدم دنیائے اسلام سے باہر نکالا جا رہا ہے۔ ان کا احترام مٹانے کی تدبیریں ہیں اور ان کا احترام زائل کرنے کی ترکیبیں فاذیل الحرم واٰذیت الحرمۃ۔ اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا ہے۔

علامہ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کا بیان ہے کہ جناب سیدہ کا کلام سن کر حاضرین پر ایک اضطراری ہو گیا۔ اُس وقت حضرت ابوبکر فوراً اُٹھے اور منبر پر گئے۔ اور فرمایا۔ ایہا الناس یہ کیا حالت ہے۔ تم ہر ایک حق و باطل بات پر کان لگا لیتے ہو یہ آرزوئیں رسولؐ کے عہد میں کہاں گئی تھیں۔ ہاں جس نے سنا یا دیکھا ہے۔ بیان کرے وہ تو (حضرت علیؑ) ایک روباہ ہے۔ جس کی گواہ اُس کی دُم ہے۔ فتنہ خوابیدہ کو جگاتا ہے۔ اور عورات سے امداد چاہتا ہے۔ مثل اُم طحال زانیہ کے کہ سب سے زیادہ اس کے دوست زناکار ہیں۔ اگر میں چاہوں تو کہہ دوں اور روشن و واضح کر دوں مگر اپنی زبان کو روکتا ہوں۔ پھر انصار کی طرف خصوصیت سے خطاب کر کے فرمایا کہ میں نے تمہارے احمقوں کا کلام سنا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ تم حق کے لئے اولیٰ و سزاوار ہو۔ کیونکہ تم نے رسول اللہ کو پناہ دی ہے۔ اور آں حضرتؐ کی نصرت و یاری کی ہے۔ آگاہ ہو کہ میں کسی کے اوپر ہاتھ اور زبان دراز نہیں کرتا جب تک کہ مجھ کو زحمت نہ دے اور بدلہ پانے کا مستحق نہ ہو۔ یہ فرما کر منبر سے اتر آئے۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نقیب ابوجعفر یحییٰ کے سامنے یہ الفاظ (وہ ایک لومڑی ہے الخ) قرأت کئے تو پوچھا کہ یہ کس کی طرف اشارہ ہے۔ نقیب موصوف نے جواب دیا کہ یہ اشارہ نہیں ہے۔ تصریح ہے۔ میں نے کہا میں تو نہیں سمجھا۔ اس پر وہ بزرگ ہنسا اور کہا کہ یہ علیؑ کو کہا گیا ہے۔ اے فرزند یہ ملکداری ہے

بادشاہی ہے۔ اور الملک عقیم مشہور ہے۔

ہم اس واقعہ کو جب ایمانی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو ہمیں سخت ملال ہوتا ہے۔ لیکن جب اس سانحہ کو پولیٹیکل رنگ میں دیکھتے ہیں تو سراسر جائز نظر آتا ہے۔

توجیہ مدرس بغداد

یہی علامہ ابن الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے علی ابن فارق شافعی مدرس بغداد سے سوال کیا کہ فاطمہؑ راست گو تھیں؟ اس نے کہا البتہ وہ صادقہ تھیں میں نے کہا کہ پھر حضرت ابوبکر نے ان کو فدک کس لئے نہ دیا۔ جب کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی تھیں۔ یہ سن کر وہ فاضل مسکرایا۔ اور ایک کلام لطیف و مستحسن اس کے جواب میں کہا۔ حالانکہ صاحب ناموس و متدین شخص تھا۔ اور مزاح اس کے مزاج میں نہ تھا اس نے کہا۔ لو اعطاھا الیوم فدك بمجرّد دعواھا لجاءت الیہ غداً وادّعت لزوجھا الخلافۃ و زحزحتہٗ عن مقامہ ولم یمکنہ الاعتذار والمدافعۃ بشیء لانّہٗ یکون قد اسجل علیٰ نفسہ بانّھا صادقۃٌ فیما تدعی کائناً ما کان من غیر حاجۃ الی بیّنۃ و شھودٍ۔ اگر آج فاطمہؑ کے محض دعوے پر ان کو فدک دے دیا جاتا تو وہ اگلے دن پھر آتیں۔ اور اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعوےٰ کرتیں اور حضرت ابوبکر کو ان کے مقام سے ہٹا دیتیں۔ پھر ممکن ہی نہ تھا کہ وہ عذر کر سکیں یا کسی چیز کے ساتھ مدافعت کر سکیں۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں خلیفہ اول خود اپنی ذات پر حجت قائم کر لیتے کہ وہ (فاطمہؑ) ہر دعوے میں صادقہ ہے اور پھر ان کا ہر دعوےٰ بلا گواہوں

کے سننا پڑتا اور جو کچھ ہوتا ہوتا۔

اس فاضل شافعی کی یہ توجیہ نہایت لطیف ہے۔ علاوہ اس کے کوئی خاندان حسین سے حکومت نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ وہ اس خاندان کو بالکل پست نہ کردے جس کی طرف استحقاق کی نگاہیں اٹھ رہی ہوں۔

جناب امیرؑ نے کیوں فدک نہ لیا

کہا جاتا ہے کہ اگر ایسا ہی معاملہ تھا۔ تو پھر جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے اپنے زمانۂ خلافت میں فدک زدا گذار کر لیا۔

یہ سوال کرنے سے پہلے سائلین کو پہلے حالات پر نظر ڈالنی چاہیئے کیا وہ بتا سکتے کہ امیر المومنینؑ کو اپنے مختصر زمانۂ حکومتِ ظاہری میں ایسے امور کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ملی؟ بصرے والوں کا فتنہ۔ حاکم شام کی شورشیں۔ خارج کی بغاوتیں۔ کیا یہ تمہیں نظر سے مخفی ہیں۔ اب یہ سوال کہ یہ فسادات کیوں ہوئے۔ یہ فسادیوں سے پوچھو علیؑ نے طریقۂ عدل مرعی نہ رکھا ہو۔ علیؑ نے کتاب اللہ سے انحراف کیا ہو۔ علیؑ نے سنتِ رسول کو بدل دیا ہو۔ علیؑ نے احکام النبی میں تغیر کیا ہو۔ علیؑ نے کسی کی ملک ضبط کرلی ہو۔ سا وہ ان میں سے کوئی بات واقع ہوئی ہے۔ اب اگر محض خاندانی عداوت کی بنیاد پر چڑھائیاں شروع ہو جائیں تو اس کا علاج کس کے پاس ہے۔ اب اہلِ بغاوت کو خطائے اجتہادی کی ہی سپر بچائے تو بچالے۔ مگر محققین اسلام کے نزدیک اس کے بھی پرخچے اُڑ چکے ہیں۔

الروضۃ الندیہ شرح قصیدہ تحفۃ العلویہ کے مولف السید محمد ابن اسمٰعیل ابن صلاح

الامیر الکحلانی ثم الصنعانی اعلے اللہ مقامہ ، مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۲ھ میں مرتقت ممدوح کے ارشادات امیر شام کی نسبت دیکھنے کے قابل ہیں - چند سطریں ناظرین کی اطلاع کے لئے نقل کی جاتی ہیں -

حدیثِ عمار پر بحث کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں -

فنقول انہ لا یشک من تعرف حال معاویۃ فی حربہ و قتالہ انہ لیس من الاجتہادِ فی وردٍ ولا صدرٍ وانما الرجل متحیل علے الملکِ فنفق شبہۃ الطلب بدم عثمان لیضلّ اھل الشام بہا وایّ اجتہادٍ مع النصِّ انہ باغٍ وایّ اجتہادٍ مع اخبار رسول اللّٰہ بانہ یقاتل القاسطین وسمعت صحۃ الحدیث عند امام المتاخرین مِن اھل السنۃ الحافظ ابن حجر فانہ قال وثبت عند النسائی ونقلہ وقررہ ولم یقدح فیہ وقد ثبت من طرقٍ عدۃٍ وایّ اجتہادٍ مع نصِّ عمار الخ وقال فی آخر الکلام وما دعوی الاجتہاد لمعاویہ فی قتالہ الا کدعوی ابنِ حزمٍ انّ ابن ملجمٍ اشقی الآخرین مجتہدٌ فی قتلہ لعلی علیہ السلام کما حکاہ عنہ حافظ ابن حجرٍ فی تلخیصہ واذا کان لمن ارتکب ھواہ و باطلاً یروجّ بہ ما یراہ اجتہاد لم یبق فی الدنیا مبطل اذا لا یاتی احدٌ منکراً الّا وقد اھب لہ عذراً وھو الا دعبدۃ الاوثان قالوا ما نعبدھم

الا لیفق بوھم الی اللّٰہ زلفیٰ وکم من محتج محجتہ داحضتہ عند ربہ وعلیہ غضبؑ۔

ہم کہتے ہیں کہ جس شخص نے معاویہ کے حالات کو اس کی لڑائی اور قتال میں گہری نگاہوں سے دیکھا ہے وہ ہرگز اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ اس شخص کو اول و آخر اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ بادشاہت کے لئے ایک حیلہ باز آدمی تھا اس نے طلبِ خونِ عثمان کا شبہ پھیلا دیا۔ تاکہ اس سے اہلِ شام کو گمراہ کر سکے۔ اور کونسا اجتہاد ہے جو اس نصِ صریح کا مقابلہ کر سکے جس میں اسے باغی قرار دیا گیا ہے۔ اور کونسا اجتہاد ہے جو رسول اللہ کی اس خبر ہی کے سامنے پیش کیا جا سکے کہ علی علیہ السلام قاسطین سے مقابلہ کریں گے۔

میں نے اس حدیث کی صحت امام المتاخرین اہلِ سنت حافظ ابن حجر مکی سے سُنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نسائی کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے۔ اس نے اسے نقل کیا ہے۔ اس کی تصریح کی ہے۔ اور کسی قسم کی قدح اس حدیث میں نہیں کی۔ اور مختلف طریقوں سے یہ حدیث ثابت ہے۔ (یاعمار تقتلک فئۃ باغیۃ) اے عمار تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔

پھر علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ معاویہ کا اس لڑائی میں دعویٰ اجتہاد ایسا ہی ہے جیسا کہ ابن حزم نے ابن ملجم کے لئے جو اشقی الآخرین ہے۔ قتل امیر المومنین میں اجتہاد کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اپنی تلخیص میں حکایت کی ہے۔ اور اگر وہ شخص جو اپنی خواہشات کا ارتکاب کرے اور باطل کو حق کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے شاد کام ہو۔ مجتہد مان لیا جائے تو پھر دنیا میں کوئی مبطل باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ

کوئی شخص ایسا نہیں جو کوئی برا کام کرے اور اس کے لئے عذر نہ تراش لے۔ جیسا کہ بت پرست بھی کہتے ہیں کہ وہ بتوں کی پرستش صرف تقرب الٰہی کے لئے کرتے ہیں بہت سے حجت باز ایسے ہیں جن کی حجت خدا کے نزدیک باطل ہے۔ اور ایسے حجتی پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ کا زمانہ ان لغاوتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ ایسی حالت میں آپ کو ہرگز موقع نہیں ملا کہ ان سنتوں کو جو اپنے مقام سے ہٹ چکی تھیں، منزلِ اصلی پر لے آئیں، اور ان حقوق کو جو پامال کر دیئے گئے تھے پھر بحال کر سکیں۔

اس سوال کا جواب خود امیر المومنین علیہ السلام نے دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوالات آج کے نہیں ہیں بلکہ یادگار پیشینیاں ہیں۔ اور آج تک انہیں تازہ کرنے کی سنت جاری ہے۔ بغیر اس کے کہ ان جوابات پر نظر ڈالی جائے۔ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ لا یعاب المرءُ بتاخیر حقہٖ انما یعاب من اخذ ما لیس لہٗ۔ کوئی انسان اگر اپنا حق لینے میں تاخیر کرے تو وہ معیوب نہیں سمجھا جائے گا۔ ہاں اسے عیب اس وقت لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایسی چیز لے لے جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

واقعتاً یہ ایک قاعدہ عقلی ہے۔ زید کا حق چھین لیا گیا۔ زید نے اس کے حصول میں تاخیر کی۔ تو کیا عند العقل زید کا یہ فعل قابلِ ملامت سمجھا جائے گا؟ عجیب بات ہے۔ بلکہ غور سے جب دیکھو تو معلوم ہو گا کہ اس تاخیر میں لینے والے کے نقصان نظر ڈھٹا ہی جاتا ہے۔ زید کا نہ کوئی حرج ہے نہ عقلی نقصان۔

یہ تو گویا ایک کلیہ ہے جو حضرت نے فرمایا ہے۔ خصوصاً فدک کے بارے

رشاد ہوتا ہے۔ اپنے عامل عثمان ابن حنیف انصاری کو فرمان تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بلٰی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلتہ السماء فشحت علیہا نفوس قوم وسخت عنہا نفوس الآخرین ونعم الحکم اللہ۔ اِن تمام مال و متاع دنیوی میں لے دے کر ہمارے ہاتھوں میں فدک تھا۔ ایک قوم نے اس میں بخل سے کام لیا۔ اور دوسری نے سخاوت اختیار کی۔ اب بہترین حکم خدا کے ہی لئے ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وما اَصنعُ بفدکَ وغیرِ فدکَ والنفسُ مظانُّہا فی جدثٍ ینقطعُ فی ظلمتہ آثارُہا ویغیب اخبارُہا وحفرۃٍ لوزید فی فسحتہا واوسعت ییحا فرہا لاَضغطہا الحجرُ والمدروسدّ فرجہا الترابُ المتراکم وانّما ھی نفسی اروضہا بالتقوی لتاتی آمنۃً یوم الخوفِ الاکبر وتثبت علٰی جوانب المزلق

فدک ہو یا غیر فدک۔ میں اسے لے کر کیا کروں۔ حالانکہ نفس کی قرارگاہ قبر ہے جس کی تاریکی میں اس کے آثار منقطع اور اس کے اخبار غائب ہو جائیں گے ایسے گڑھے میں جانا ہوگا کہ کھودنے والا اگر اپنے ہاتھ کو پھیلا دے تو پتھر اور ڈھیلے گر گر کر اسے تنگ کر دیں اور پیہم مٹی گر گر کر اس کا سوراخ بند کر دے۔ میں اپنے نفس کو تقوے کے ساتھ ریاضت دیتا ہوں تاکہ وہ خوف اکبر کے دن امن میں ہو۔ اور پھسلانے والے پہلوؤں پر ثابت قدم رہے۔ (نہج البلاغہ)

اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک اہل بیتؑ کے ہاتھوں میں تھا مگر امیر المومنین نے اپنے زمانے میں اس پر قبضہ کرنے کی مصلحت نہیں دیکھی۔ اور نہیں لیا۔ آپ کا تقویٰ

اس کا متقتضی نہیں تھا۔ کہ فدک پر قبضہ کر کے ان لوگوں کو جو ابھی تک "لا نرث" کے نشہ میں مدہوش تھے۔ غوغا کرنے کا موقعہ دیتے۔

واضح رہے کہ امیر المومنین کا طرز عمل ان کی خلافت ظاہری کے زمانے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ حق اللہ کی بربادی آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں فرمائی خلافت ظاہری کے آتے ہی آپ نے معاویہ کی معزولی کا فرمان صادر کیا۔ باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن عباس نے مشورہ دیا کہ اس میں فساد کا احتمال ہے جس کا جواب آپ نے یہی دیا کہ میں حق اللہ کو اپنے زمانے میں اہل خیانت کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔ اور ظالم عمال کا اثر حاکم کی گردن پر ہوا کرتا ہے۔ لیکن جس چیز کا تعلق فقط اپنی ذات سے تھا۔ اُس کے بارے میں حضرت نے مطلق کوئی توجہ نہ کی۔ آج جو لوگ امیر المومنین کے اس فعل پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اگر فدک لے لیا جاتا یہی لوگ غل مچاتے کہ آپ نے سُنّتِ خلفائے سابقہ کو توڑ دیا۔ اس لئے آپ اس مسند کے کسی طرح مستحق نہیں رہے۔ یہ رعایتیں تو بنی اُمیّہ کے ہی لئے وضع کی گئی ہیں کہ امام فسق و فجور سے بھی معزول نہیں ہو سکتا۔ خاندانِ پیغمبرؐ کے لئے اس قسم کی مراعات کیونکر ہو سکتی تھیں۔ آج صاحب روضتہ الندیہ جیسے فاضل ترحق گوئی پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔ اُس وقت ترحق و باطل بالکل مشتبہ کر دئے جاتے۔ اور اگر کوئی بندۂ خدا بھی حق کا ساتھی نظر نہ آتا۔

امیر المومنین علیہ السّلام ایک حکیم ربّانی تھے۔ وہ اپنی حکومت ظاہری کو ان اعتراضات میں نہیں پھنسا سکتے تھے۔ جن میں حضرت عثمان کی سلطنت مبتلا ہے۔ اور اس ابتلا کو اب صدیاں گذر جانے کے بعد جدید مصری مورخین زائل کرنے کی کوشش

کر رہے ہیں۔

رجوع فدک بحضرتِ باقرؑ علوم

سوال کرنے والوں کا دماغ کبھی تھکتا نہیں۔ وہ برابر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔ امیر المومنینؑ پر تو یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے فدک کیوں نہ لیا۔ اور حضرتِ باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس لئے ایراد ہے کہ انہوں نے کیوں لے لیا۔

ان حضرات کو سوچنا چاہیئے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے عہدِ خلافت میں نہیں لیا اور امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس وقت لیا۔ جب کہ حکومتِ ظاہری ان کے پاس نہ تھی۔ حاکمِ وقت نے خود دینا چاہا۔ آپ نے لے لیا۔ دونوں بزرگواروں کے حالات مختلف ہیں۔ مواقع مختلف ہیں۔

یاد رکھو جس طرح کوئی شخص اپنے حق کی تاخیر کرنے میں معیوب قرار نہیں پا سکتا اسی طرح اگر کوئی شخص اپنا حق لے لے جب کہ اسے مل رہا ہو تو وہ بھی قابلِ ملامت نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ عمر ابن عبد العزیز خلیفہ اموی کے فدک واپس کرنے پر امام محمد باقر علیہ السلام کا لے لینا معاملہ کو بخوبی سلجھا دیتا ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ واقعتاً یہ فاطمہؑ کا حق تھا۔ اگر اس وقت بھی امام نہ لیتے تو پھر گویا سمجھ لیا جاتا۔ کہ واقعتاً ان کا حق ہی نہیں ہے۔ لینا ضروری تھا۔ گو آپ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ ہمارے پاس چھوڑا نہ جائے گا۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی۔ بنی امیہ کے غل مچانے پر بیچارے عمر ابن عبد العزیز کو فدک واپس لینا پڑا۔

تغیّرات فدک

فدک کے بارے میں اسلامی دنیا نے جس قدر تماشا دکھایا ہے۔ شاید ہی کسی معاملہ میں دکھایا ہو۔ حضرت ابوبکر کے زمانے میں اس بنا پر فدک ضبط کیا گیا کہ پیغمبروں کا متروکہ صدقہ ہوا کرتا ہے جو کل مسلمانوں کا مال ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ فدک کی آمدنی آپ نے تجہیزِ لشکرِ اسلام میں صرف کی۔ جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو آپ نے فدک مروان کے حوالے کر دیا۔ اور وہ بنو مروان کے لئے خالصہ قرار دیا گیا۔ جب بنی اُمیّہ میں عمر ابن عبدالعزیز تک نوبت پہنچی تو اس بے چارے نے حقدار کا حق پہچانا۔ اور آپ نے اس کے مرکز پر لوٹایا۔ اس کے بعد پھر امویوں نے لے لیا۔ یہاں تک کہ خلافت بنی عباس میں آئی۔ ان کا بھی طرزِ عمل اہلِ بیتؑ کے ساتھ مشہور و معروف ہے۔ مگر مامون نے اپنے زمانہ میں فدک کو بنی فاطمہؑ پر رد کیا۔ جس پر شعراء نے قصائد لکھے۔ چنانچہ دعبل خزاعی کا شعر ہے۔

لَقَدْ اَصْبَحَ وجہُ الزمان وقد ضحکا

لرَدِّ مامونِ ھاشمًا فدکا

زمانے کا چہرہ روشن ہو گیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اس لئے کہ مامون نے بنی ہاشم کو فدک واپس کر دیا۔

جب ہم اس قسم کے تغیّرات کو دیکھتے ہیں۔ اور پھر حدیث "نحن معاشر الانبیاء" پر نظر ڈالتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے۔

—— ❊ ——

فاضل معتزلی کی رائے

یہ حدیث جس پر اس قلعہ کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ عند الدرایت کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ ابن ابی الحدید نے بایں الفاظ اس امر کا اقرار کیا ہے۔

"صَدَقَ المرتضیٰ فیما قال امّا عقیب وفاۃ النبی ومطالبۃ فاطمۃ الارث فلم یرو الخبر الّا ابوبکر وحدہ وقیل انّہ رواہ معہ مالک بن اوس بن حدثان"

سیّد مرتضیٰ اپنے اس قول میں سچے ہیں کہ وفاتِ پیغمبر اور فاطمہؑ کے مطالبہ میراث کے بعد اس حدیث کو سوائے ابوبکر کے اور کسی نے روایت نہیں کیا۔ ہاں ایک قول ضعیف یہ ہے کہ مالک بن اوس بن حدثان نے اسکو روایت کیا ہے پھر یہی فاضل کہتا ہے۔ ھٰذا حدیثٌ غریبٌ لانّ المشہور انّہ لم یرو حدیث انتفاء الارث الّا ابوبکرٍ وحدہٗ۔ یہ حدیث غریب ہے اس لئے کہ مشہور ہے کہ حدیث نفی ارث کے راوی اکیلے حضرت ابوبکر ہیں۔ عجیب معاملہ ہے کہ ایک یا زیادہ سے زیادہ دو شخصوں کے قول پر محکماتِ قرآنیہ منسوخ قرار دی جاتی ہیں۔

ایک اور دعوٰے

اس رسالہ کے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت فاطمہؑ صرف فدک کے ہی معاملہ میں محروم نہیں رہیں بلکہ ان کا ایک اور مقررہ حصہ بھی قبضۂ تغلب میں لے لیا گیا۔

علامہ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے خلیفہ اول سے فرمایا کہ تجھ کو معلوم ہے حق تعالےٰ نے ہم اہل بیتؑ پر صدقات کو حرام کیا ہے اور نیز تمہیں معلوم ہے کہ اموال غنائم سے ہم کو سہم ذوی القربےٰ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فانّ للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ۔ الآیۃ۔ یعنی جان لو کہ جو چیز تم کو غنیمت میں ہاتھ لگے تو اس کا خمس (پانچواں حصہ) خدا اور رسولؐ اور صاحب قرابت اور یتیموں کے لئے ہے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ حکم قرآن و حق رسول و حق قرابت رسولؐ مجھ کو منظور ہے۔ میں بھی قرآن میں وہی پڑھتا ہوں جو تم پڑھتی ہو۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ پورا حصہ تم کو کیونکر دے دیا جائے۔ حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ یہ حصہ کیا تمہارے لئے ہے یا تمہارے اقربا کے واسطے۔ جواب دیا کہ نہیں بلکہ بقدر نفقہ تم کو دے دوں گا۔ باقی مصالح مسلمین میں خرچ کروں گا۔ غرض اس دعوے میں بھی جناب فاطمہؑ ناکام رہیں۔

علامہ مذکور نے حسن بن محمد بن علی ابن ابی طالب سے روایت کی ہے۔

ان ابابکر منع فاطمۃ وبنی ھاشم سھم ذوی القربیٰ وجعلہٗ فی سبیل اللّٰہ فی السلاح والکراع۔

یعنی حضرت ابوبکر نے سہم حصہ ذوی القربےٰ کو فاطمہؑ اور بنی ہاشم سے روک کر فی سبیل اللہ ہتھیاروں اور گھوڑوں میں خرچ کر دیا۔

بادی النظر میں یہ فعل بہت مستحسن ہے۔ مگر انہیں کی نگاہ میں جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتے ہیں۔ اس قسم کی قربانی

ہر شخص بفراغ خاطر کرسکتا ہے مگر انما یتقبل اللہ من المتقین۔

فدک کے متعلق جو یہ مختصر سطریں لکھی گئیں تو اس سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا اپنے اس دعوے میں کہاں تک برسرِ حق تھیں یہ بھی ایک پُرلطف بات ہے کہ جناب فاطمہ کی طرف تمام امکانی خطائیں منسوب کرنے میں کافی جرأت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور تمام بشری لغزشیں ان کی طرف بے پروائی کے ساتھ عائد کر دی جاتی ہیں۔ حالانکہ آیۂ تطہیر ان کی عصمت پہ گواہ ہے اور یہ عصمت صرف شیعوں میں ہی مسلم نہیں بلکہ متقدمین اہل سنت بھی ان کے ساتھ متفق ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت ابوبکر کی جانب خطائے بشری کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالات کو جانچتے ہوئے یہ نتیجہ نکالے کہ حضرت ابوبکر نے اس معاملہ میں غلطی کی تو وہ کونسے حکم خدا کی خلاف ورزی میں مبتلا ہوجائے گا اب ہم اس افسوسناک بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی سبیل الرشاد۔

باب یازدہم

طوفانِ حوادث کی آخری لہر

معصومہ کی وفات

یہ صدمات اور جانکاہ صدمات پے در پے اس معصومہ کو برداشت کرنے پڑے۔ یہ مصیبتیں یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں۔ اور نازل کی گئیں۔ مصائب کا یہ خوفناک

طوفان متواتر بڑھتا رہا۔ آخر اس کا خاتمہ ہوا۔ اور اس طرح ہوا۔ کہ اس معصومہ۔ مظلومہ ستم کش مصیبت زدہ مجبور پدر نے اس دنیا۔ مکار اور فریبی دنیا۔ دھوکا دینے والی دنیا کو خیرباد کہا۔ اور بعد رسول اپنی زندگی کے لمحے آنسو بہاتے ہی بہاتے گذار دئیے کلیجہ کے ٹکڑے آنکھوں کے رستے سے بہہ گئے۔ ایک ایک قطرہ خاتمۂ حیات دنیوی کی خبر دیتا ہوا نکلا۔ اور ایک ایک آہ سرد مقراض حیات بن کر لباس زندگی کے پرزے پرزے کر گئی۔ اب زندگی ہوتی تو کیونکر ہوتی۔ سہارا دینے والا ہی چل بسا آنکھیں دیکھتیں تو کسے دیکھتیں۔ وہ نور مجسم جس سے آنکھوں میں نور آتا تھا۔ حجلۂ قدس میں پوشیدہ ہو چکا تھا۔ کان اب سنتے تو کس کی آوازیں سنتے۔ وہ روحانی زمزمہ سنجیاں اب کہاں باقی تھیں۔ وحی قرآنی کے ساتھ اب شہپر جبرئیل کی آوازیں کہاں؟ باپ برگزیدہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا۔ روح قفس تن میں گھبرا رہی تھی۔ طائر روح ہوائے قدس میں بسیرا لینے کے لئے بے قرار تھا۔ آخر ٹوٹا قفس ٹوٹا اور چہکتا ہوا بلبل اور کتاب مقدس کے حقائق بیان کرنے والا طوطی اس روضۂ رضوان میں جا بیٹھا۔ جسے قبر کہتے ہیں۔

تکلیفیں سی تکلیفیں۔ مصائب سے مصائب۔ مصیبتیں سی مصیبتیں۔ آہ!

آخر زمانے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ غیظ و غضب سے جوش کھانے والے قلوب چین سے ہو بیٹھے۔ حسنین کے سروں سے شفیق مادر کا سایہ اٹھتا ہے۔ اور صاحبزادیاں روضۂ رسول پر فریاد کرنے نکلتی ہیں یا جداہ قد ماتت امنا۔

وقت گزر جاتا ہے۔ بات رہ جاتی ہے۔ رسول کی یادگار۔ اکیلی یادگار۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک یاد رہے گا۔ حضور رسول نے ایسی ہی خطا کی تھی کہ اس کی اولاد کے ساتھ ایسی ہی بے التفاتی برتی جائے وہ ہادی برحق اسی سلوک کا سزاوار

تھا۔ دل تھے کہ پتھر ہوتے قلب تھے کہ فولاد کی چادریں بن گئے تھے۔

اس کے جنازے پر کسی کو افسوس کرنے کی توفیق نہ ملی؟ کیوں ملتی۔ رسولؐ کے ہی جنازے میں کونسا اہتمام ہوا تھا۔ جو بنتِ رسولؐ کے لئے کیا جاتا۔ اور وہ معصومہؑ ان قدموں کا آنا اپنے جنازے پر کیونکر منظور کرتیں۔ جن میں اس کے باپ کے جنازے پر آنے کے وقت اور ہی قسم کی مہندی لگ چکی تھی۔

جناب صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ رونے والے پانچ شخص گذرے ہیں۔ ایک حضرت صفی اللہ۔ آپ فراقِ بہشت میں اتنا روئے کہ آنکھوں سے دو دریا جاری ہو گئے۔ دوسرے حضرت یعقوبؑ کہ فراقِ یوسفؑ میں اس قدر گریہ کیا۔ کہ بصارت جاتی رہی۔ تیسرے حضرت یوسفؑ کہ فراقِ پدر میں اس قدر اشک فشانی کی کہ اہلِ زندان تنگ آ گئے تھے۔ اور وہ خواہش کیا کرتے تھے کہ یا تو آپ دن کو رویا کریں۔ یا رات کو۔ تاکہ کسی وقت تو ہمیں آرام ملے۔ چوتھے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے فراقِ رسول اللہؐ میں اس قدر آنسو بہائے کہ مدینہ والے تنگ آ گئے تھے۔ آخر کار آپ بقیع میں جا کر گریہ فرماتی تھیں۔ پانچویں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو آپ نے بعد واقعۂ کربلا تمام عمر روتے روتے آخر کر دی۔

آہ! یہ اشک فشانی آخر سیدہ معصومہ کی جان لے کر ٹلی۔ علالت بڑھ گئی۔ وہ صدمہ جو پہلوئے اقدس پر پہنچا تھا۔ اس نے شدت پکڑی۔ یہاں تک کہ نشست و برخاست کی طاقت بھی جواب دے گئی۔

عوراتِ مدینہ کی عیادت

آخر تو آپ رسول اللہ کی بیٹی تھیں۔ کوئی نہ کوئی مزاج پرسی کو آہی جاتا تھا۔ مگر یہ مدینے کی عورتیں تھیں جنہیں نجفی کا خیال بھی کھینچ لاتا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی تشریف لائے تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی بموجب روایت علامہ ابن قتیبہ ان کا آنا درج کیا جا چکا ہے مگر جناب فاطمہؑ نے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان کی طرف التفات نہیں فرمایا۔ اس التفات نہ کرنے میں بھی بعض بزرگواروں نے حضرت فاطمہؑ کو الزام دیا ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔ اس شخص سے زیادہ دنیا میں کس کو الزام دیا جا سکتا ہے۔ جس کا سرپرست اٹھ جائے۔ جس کی میراث لٹ جائے جس کی عزت و حرمت زائل کر دی جائے۔ اُسے جو چاہو۔ الزام دو۔ نہ کوئی قلم کو روک سکتا ہے نہ زبان کو۔ پھر خدا جانے یہ کس پیغمبر کی تعلیم ہے کہ مظلوم کو ظالم سے کبیدہ خاطر نہ رہنا چاہیئے۔ خیر۔

ایک مرتبہ زنانِ انصار آپ کی عیادت کے لئے آئیں۔ اور پوچھا "یا بنت رسول اللہ کیف اصبحت" اے رسول کی لاڈلی۔ آپ نے کیونکر صبح کی۔ کیسا مزاج ہے۔ معصومہؑ نے فرمایا کہ میں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ یہ تمہاری دنیا میری نظر میں نہایت مکروہ معلوم ہو رہی ہے۔ تمہارے بعد امتحان نہایت بُرے اور بدعمل ثابت ہوئے انہوں نے اپنے نفسوں کے فریب کو قبول کر لیا۔ حق سے منہ پھیر لیا۔ خلافت پیغمبریؐ اور عطیہ خداوندی پر بظلم و جور متصرف ہو کر اہلِ حق کو محروم کر دیا۔ عذابِ الٰہی کے مستوجب ہوئے وہ وقت قریب ہے۔ جب کہ خداوند عالم ان کو اس ظلم کے عوض ماخوذ کرے گا

اس وقت وہ جان لیں گے کہ اس چند روزہ حکومت کے بدلے کیسی ذلتِ ابدی نصیب ہوگی۔

شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں بروایت ابن عباس اس مکالمہ کو مفصل لکھا ہے۔ جو جناب سیدہؑ نے زنانِ انصار سے مرض الموت میں فرمایا۔ آپ نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے ایسی حالت میں صبح کی کہ تمہاری دنیا سے کنارہ ہوں۔ تمہارے مردوں کی دشمن ہوں۔ میں نے ان سے کنارہ کشی کی۔ ان کا امتحان لینے اور ان کی سیرت کو جانچ لینے کے بعد میں نے ان سے بغض اختیار کیا۔ ان کے نیزے ہماری اعانت کے لئے کند ہو گئے۔ ان کی رائے ناقص ہو گئی۔ برا حال ہو اس قوم کا اور بری چیز ہے جو ان کے نفسوں نے پیش کی ہے۔ یہ مستحق غضب الٰہی ہیں۔ یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ وبالِ غصبِ خلافت کا گلوبند گلے میں پہن لیا۔ جس کا عار و ننگ ان پر لازم ہو گیا اور مذلت و خواری خاص قوم ظالمین کے لئے ہے۔ افسوس ہے تمہارے مردوں پر انہوں نے خلافت کو کہاں ڈال دیا۔ بخدا ان لوگوں نے ابوالحسنؑ سے کراہت نہیں کی مگر اس وجہ سے کہ ان کی تلوار سے ان کو صدمہ پہنچا ہے۔ ان کے غصہ سے جو راہِ خدا میں ظاہر ہوا۔ ان لوگوں نے ان پر عتاب کیا۔ قسم خدا کی وہ لگام جسے رسول اللہؐ نے ابوالحسنؑ کو سونپا تھا کہ وہ متولیٔ امرِ امامت تھے۔ اگر لوگ ایک دوسرے کو باز رکھتے تو بے شک ابوالحسنؑ اس کو اختیار کرتے۔ ان لوگوں کو آسان راہ دکھاتے کیونکہ وہ حضرت اساسِ رسالت ہیں۔ کوہِ استوارِ نبوت ہیں۔ روح الامین کے اترنے کی جگہ ہیں۔ امورِ دنیا کے حاذق و ماہر ہیں۔ واللہ اگر امرِ خلافت ان پر قرار دیا جاتا تو بیشک وہ انہیں راہِ حق دکھاتے۔ مراتب۔ ہدایت و حقوقِ خدا میں کسی امر کی بھی فروگذاشت

نہ کرتے۔ حدودِ الٰہی سے متجاوز نہ ہوتے۔ اس طرح ہدایت کرتے کہ اُمّت پر شاق نہ ہوتا
انہیں تکلیف مالایطاق نہ دیتے۔ لوگوں کو دنیا و آخرت میں وسعتِ عیش حاصل ہوتی وہ
حضرت خود ان لوگوں سے منتفع نہ ہوتے مگر بقدرِ کفایت و سدِّ حاجت۔ زمین و آسمان
سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے۔ اور اب ان کے کفر و طغیان کے سبب سے
قریب ہے کہ خداوندِ عالم ان پہ عذاب نازل کرے۔ آگے آؤ۔ سنو! جب تک زندہ
رہوگے۔ زمانہ تم کو ایک امرِ عجیب دکھائے گا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے۔ انہوں نے
کس تکیہ گاہ پر اعتماد کیا ہے۔ یہ کونسی حبل المتین سے متمسک ہوئے ہیں۔ اہلِ ظلم نے
بہت برا بدل اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اعلیٰ کو ادنےٰ سے اور شریف کو رذیل سے
ملا دیا۔ برباد ہو ایسی قوم۔ ان کا خیال ہے کہ یہ نیکوکار ہیں۔ حالانکہ یہ سخت مفسد ہیں۔ اور
اس امر کو نہیں جانتے کہ وہ شخص جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ اطاعت کا زیادہ سزاوار
ہے یا وہ جو ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ خود محتاجِ ہدایت ہے۔ تمہیں کیا ہوگیا۔ کیسا حکم
لگا رہے ہو۔

ہاں! اب تمہارے فتنے کا ناقہ حاملہ ہوا ہے۔ اس کے جننے کا انتظار کرو۔
اور اس سے دودھ کے بدلے خونِ تازہ اور زہرِ ہلاہل پیالے میں لینا۔ اس وقت
اہلِ باطل نقصان اٹھائیں گے۔ اور پچھلے لوگ جان لیں گے کہ اگلوں نے کیا کیا تھا۔
تم نزولِ فتنہ و عذاب پر اپنے دلوں کو مطمئن کرلو۔ تمہیں شمشیرِ تیز کی بشارت ہو۔ فتنہ
ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے گا۔ اور تم پر ظالمین غالب آکر تمہارا استیصال کردیں
گے۔ تمہارے مال و متاع کو برباد کردیں گے۔ پس حیف ہے تم پر۔ افسوس ان لوگوں
سے آخرت کی نیکیاں پوشیدہ ہوگئی ہیں۔ آیا ہم تم پر اس کے قبول کا التزام کریں حالانکہ

کسی دوسرے کو اس کا علم نہ ہو۔ اب میں آپ کو خدا کے حوالے کرتی ہوں۔ اور میری اولاد پر قیامت تک کے لئے میرا سلام ہو۔

رحلتِ سیّدہ کی خبر آناً فاناً مدینے میں پھیل گئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ در و دیوار ماتم کی صداؤں سے ہل رہے تھے۔ صاحبزادوں کے چہرے یتیمی کے غبار سے اَٹے ہوئے تھے۔ گریبان چاک تھے۔ "وا اماہ وا اماہ" کہہ کہہ کر فریاد کرتے تھے۔ حضرت اُمِ کلثومؑ روضۂ رسول اللہ پر چادر اوڑھے ہوئے آئیں اور کہہ رہی تھیں اے بابا۔ اے رسول اللہ آج ہم اپنی ماں سے جُدا ہو گئے۔ صاحبزادی کے اس بین سے سُننے والوں کا کلیجہ شق ہو رہا تھا۔ گھر میں زنانِ بنی ہاشم اور عوراتِ انصار و مہاجرین کا ہجوم تھا۔ سوائے حضرت عائشہؓ کے باقی سب امہات المؤمنین جنازے کے گرد بیٹھی تھیں۔ باہر لوگ جمع تھے کہ جنازے کی مشایعت کریں۔ اتنے میں ابوذر غفاریؓ نے آکر اطلاع دی کہ دخترِ پیغمبرؐ کا جنازہ ابھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ آپ لوگ اپنے اپنے گھر تشریف لے جائیں۔ لوگ چلے گئے۔

تجہیز و تکفین و دفن

جب ایک پہر رات گذری تو امیر المؤمنینؑ اُٹھے اور سیدہ طاہرہ کو غسل دے کر کافورِ جنّت سے حنوط کیا اور سات پارچے کا کفن دے کر جب بندِ کفن باندھنے لگے تو آواز دی اے زینبؑ اے اُمِ کلثوم اے حسنؑ و حسینؑ آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ یہ سُنتے ہی صاحبزادیاں اور صاحبزادے دوڑے۔ کسی نے سیدہ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ کوئی سینے سے لپٹ گیا۔ امیر المؤمنینؑ فرماتے ہیں کہ خدا گواہ ہے۔ جب

حسنینؑ فاطمہؑ کی لاش سے لپٹے ہوئے بین کر رہے تھے تو لاش مطہرؑ کو جنبش ہوئی، بآواز نحیف آہ کی اور دونوں ہاتھ کفن سے نکال کر حسنینؑ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس وقت ایک ہاتف نے آواز دی کہ یا علیؑ حسنینؑ کو فاطمہؑ کے سینے سے الگ کر لو کہ ملائکہ آسمان بے تاب ہو رہے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے باہستگی صاحبزادوں کو میت سے جدا کیا۔ کفن کے بند باندھے اور فرمایا ؎

فِرَاقُكِ اَعْظَمُ الْاَشْيَاءِ عِنْدِي وَفَقْدُكِ فَاطِمُ اَدْهَى الثُّكُولِ

اے رسول اللہ کی لختِ جگر تیرا فراق میرے نزدیک تمام مصیبتوں سے اعظم ہے۔ اور اے فاطمہؑ تیرا گم ہو جانا بے انتہا رقت خیز ہے۔

سَاَبْكِيْ حَسْرَةً وَاَنُوْحُ شَجْوًا عَلٰى خِلٍّ مَضٰى اَسْنٰى سَبِيْلٍ

حسرت و اندوہ کے ساتھ روؤں گا اور ہچکیاں لے لے کر اس دوست پر نوحہ کروں گا جو روشن رستے سے گذر گیا۔

اَلَا يَا عَيْنُ جُوْدِيْ وَاسْعِدِيْنِيْ فَحُزْنِيْ دَائِمًا اَبْكِيْ خَلِيْلِيْ

اے آنکھ آنسو بہا اور اشک فشانی میں میری مدد کر۔ میرا حزن و ملال ہمیشہ کے لئے ہے اور میں اپنے اس دوست کو رو رہا ہوں جس کی محبت میرے خون میں سرایت کئے ہوئے ہے

غرض بہزار حزن و اندوہ جنازہ اٹھایا گیا۔ یہ اسلام میں پہلا جنازہ ہے جو تابوت میں اٹھا جنازے کے ساتھ امیر المومنینؑ حسنین علیہم السلام۔ عمارؓ۔ مقدادؓ۔ ابوذرؓ۔ سلمانؓ۔ عقیلؓ عباسؓ و فضل و قثم رضی اللہ عنہم تھے۔ کچھ اور بنی ہاشم بھی ہمراہ تھے۔ پہلے لاشے کو قبر مطہر رسول اللہؐ پر لے گئے۔ اور امیر المومنینؑ نے روضۂ انور کی جانب خطاب کر کے کہا۔ اے حبیب اللہ آپ پر سلام ہو۔ اے خدا کے نور آپ پر سلام

ہو۔ اے صفوۃ اللہ۔ آپ پر میرا سلام ہو۔ آپ پر سلام ہو۔ آپ کی اولاد پر سلام ہو۔ آپ کی اس بیٹی پر سلام ہو۔ جو آپ کے صحن میں آچکی ہے۔ یا رسول اللہ ودیعت مجھ سے واپس لے لی گئی۔ امانت لوٹائی گئی۔ افسوس ہے رحلتِ رسول پر اور پھر افسوس و ملال کرتا ہوں رحلتِ بتولؑ پر۔ زمین مجھ پر تاریک ہوگئی۔ آسمان مکدر ہوگیا۔ واحزناہ ثم واسفاہ۔ آہ! رنج و ملال کا مقام اور کس قدر تاسف اور افسوس کا مقام ہے اس کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی اور پھر دفن کر دیا۔

روایت صحیح آپ کے دفن کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے حجرے میں ہی دفن ہوئیں۔ اس روایت بالا سے کچھ اختلاف ہی نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے پہلے جنازہ روضۂ رسولؐ پر لایا گیا ہو۔ وہاں نماز پڑھ کر پھر حجرے میں واپس لے جا کر دفن کر دیا ہو۔ ہاں حجرۂ فاطمہ تھا مسجد سے کتنی دور۔ صحنِ مسجد میں تو دروازہ تھا ہی۔ دفن کرنے کے بعد امیر المومنینؑ نے قبرِ سیدہ کو حسرت و اندوہ سے دیکھ کر یہ اشعار فرمائے ؎

ارى علل الدنيا علیّ كثيرة وصاحبها حتى الممات عليل

میں دنیا کی مصیبتوں کو اپنے اوپر ہجوم کئے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور جس شخص پر یہ مصیبتیں آئیں وہ تا دمِ مرگ بیمار ہے اور ان سے رہائی نہیں پا سکتا۔

لكل اجتماع من خليلين فرقة وان بقائی بعدكم لقليل

دو دوستوں کے جمع ہونے کے لئے فراق ضرور ہے لیکن اے دوستو تمہارے بعد میری زندگی بھی بہت تھوڑی ہے۔

وان افتقادی فاطماً بعد احمد دليل على ان لا يدوم خليل

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد فاطمہؑ کا گم ہو جانا اس بات کی دلیل

ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ باقی تر ہے۔

سیدہ محترمہ رات کو دفن ہو گئیں۔ صبح کو اور لوگ آئے۔ حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ بھی تکلیف فرما ہوئے۔ مقداد بن اسود نے ان سے کہا کہ سیدہ محترمہ رات کو ہی دفن کر دی گئیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ لوگ (بنی ہاشم) ایسا ہی کریں گے اور ہم کو شرکت کا موقعہ نہ دیں گے۔ عباس بولے کہ خیر النساءؑ کی وصیت کے موافق عمل کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اے بنی ہاشم تم اپنے حسد اور کینے سے باز نہیں آؤ گے۔ خدا کی قسم اگر ہم چاہیں تو ابھی قبر کھود کر میت کو نکال لیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ بروایتے یہ فرمایا کہ ہم نبش قبر کریں گے۔ اور جنازے کو قبر سے نکال کر نماز پڑھیں گے۔ اس پر امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا ارادہ بھی کیا تو میں تلوار کھینچ لوں گا جو تمہیں قتل کئے بغیر میان میں نہ جائے گی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے سکوت فرمایا۔

منقول ہے کہ جس وقت آپ کو قبر میں اتارنا چاہا تو دو ہاتھ جو رسول اللہؐ کے ہاتھوں سے مشابہ تھے۔ قبر سے برآمد ہوئے۔ اور سیدہ طاہرہ کی لاش کو لے لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لیجئے زمانے کا رنگ بدل گیا۔ رونے والی سیدانی چل بسی۔ رسولؐ کی نشانی سدھار گئی۔ اب تظلم کی آوازیں بلند نہ ہوں گی۔ اب جگر خراش نالے سنائی نہ دیں گے۔ رسولؐ کی شیدا رسول کے پاس جا رہی۔ دکھ درد، مصیبت، الم، اندوہ جو کچھ تھا۔ اسی دنیا تک تھا۔ اب مدینے والے چین سے ہو گئے۔ سیدہؑ کے رونے سے ان کے آرام میں فرق پڑتا تھا۔ سیدہؑ سے یہ لوگ کشیدہ ہوئے۔ سیدہؑ نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اب نہ سیدہؑ فدک کا دعویٰ

کرنے آئیں گی۔ نہ سہم ذی القربیٰ کا۔ یہ ایک خلش تھی جو مٹ گئی۔ ایک کانٹا تھا جو نکل گیا۔ ایک کھٹک تھی جو دُور ہو گئی۔ رسول اللہ کی قبر کی حقیقی مجاور آرام اور سُکھ کے گھر میں جا رہی۔ جہاں اِس فریبی دُنیا کی طرح دل آزاریاں نہیں ہیں۔ مصیبتوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ رضوانِ الٰہی کا باب کُھل گیا۔ اب فاطمہؓ ہے اور نعماتِ ابدی۔ اب زہراؓ ہے اور خلد بریں۔ اے سیّدہ کونین آپ نے اپنا سایہ اُس دنیا کے سر سے اُٹھا لیا۔ ہاں اہلِ دُنیا اِسی قابل تھے۔ یہ آپ کی قدر نہ کر سکے۔ قدر کرنا تو ایک طرف آپ کے وجود کو اپنی مرادوں کے سامنے ایک دیوار سمجھنے لگے۔ آپ کو لومڑی کی دُم سے تشبیہ دے گئی (خاک بدہانم) آپ کو بلا وجہ رُلایا گیا۔ بلا سبب تکلیف دی گئی اور چند روزہ دُنیا کے واسطے ہمیشہ کی رُسوائی خرید لی گئی۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم نے رویائے صادقہ میں آپ کی نسبت یہ فقرات لکھے ہیں۔ جو شخص سب سے زیادہ پیغمبر صاحب کی وفات سے متاثر ہوا وہ فاطمہؓ تھیں۔ فاطمہؓ کی والدہ پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب تھے۔ اور باپ بھی کیسے کہ دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سر پر سے اُٹھ جانا۔ اُس پر حضرت علیؓ کا خلافت سے محروم رہنا۔ اور نمک برجراحت ترکہ پدری یعنی فدک وغیرہ کا دعویٰ کرنا۔ اور مقدمہ کا ہار جانا کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو وہ زہر کھا کر مر رہتا۔ مگر ان کے صبر و ضبط انہیں کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انہیں رنجوں میں گُھل گُھل کر چھ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دن زندہ رہیں۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان کو رنج دیئے تھے نہ بولیں اور نہ بات کی یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے کی بھی مناہی کر دی۔ اور شب کے وقت

مدفون ہوئیں۔

اِس کے بعد فرماتے ہیں: "سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل تبت کو سیفیہ صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں ضعف آگیا اور شدہ شدہ منجر ہُوا۔ اِس ناقابلِ برداشت واقعہ کربلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

جو شخص بھی واقعات پر غور کرے گا اور توجّہ کے ساتھ غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا جس پر کہ ڈپٹی صاحب مرحوم کو پہنچنا پڑا۔

اے سیّدۂ زنان عالمیان! اس میں شک نہیں کہ آپ کنج مرقد میں آرام سے ہو جائیں۔ مگر اہلِ ورد کو قیامت تک کے لئے رُلا گئیں مگر یہ بھی میں کیونکر کہوں کہ آپ مرقد میں آرام فرما ہوئیں۔ ہاں آپ کو قبر میں کب چین ملا۔ کیا حسینؑ کی رخصت پر آپ کی ضریح نہ ہلی تھی۔ کیا طفِّ کربلا کے خون ریز منظر نے آپ کو قبر سے نہیں نکالا۔ کیا اہلِ حرم کی واپسی پر آپ کی قبر سے نوحے کی آوازیں نہیں آئیں۔ کیا آپ عزادارانِ حسینؑ کی مجلس میں شریک ہو کر ان کے آنسو نہیں پونچھتیں۔ کیا یہ داغ۔ حسینؑ کا داغ۔ حسینؑ کے عزیز و رفقا کا داغ حسینؑ کے شش ماہے بچے کا داغ۔ آپ کو قیامت تک کے لئے نہیں رُلائے گا۔ یہ شورِ تظلّم خاموش نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ آپ کا فرزند ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و داد سے پُر نہ کر دے اور قیامت کبریٰ میں آپ عرش کا پایہ ہلا کر اپنی فریاد کو نہ پہنچ لیں۔

باب دوازدہم

تظلّم فاطمہ بروزِ محشر

قیامت کا دن مسلمانوں کے اعتقاداتِ اُصولیہ میں سے ہے۔ اس کا آنا برحق ہے۔ اور عادلِ حقیقی کے سامنے ظالم و مظلوم کا پیش ہونا لازمی۔ یہی وہ دن ہے جس دن فاطمہؑ زہرا کی فریاد عرشِ الٰہی کو ہلائے گی۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن فاطمہؑ زہراؑ خدا سے دادخواہ ہوں گی۔ اور یہی وہ دن ہے جس دن منادی ندا کرے گا۔ کہ اے اہلِ محشر اپنی آنکھوں کو بند کر لو کہ فاطمہؑ دخترِ رسول اللہ کی سواری گذر رہی ہے۔

علی ابن ابراہیم اپنی تفسیر میں روایت کرتے ہیں۔ جس کا ملخص یہ ہے کہ ایک دن جناب فاطمہؑ کو رسول اللہ نے تسکین دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے فاطمہؑ حق تعالےٰ تمہاری قبر پہ جبرئیلؑ کو بھیجے گا۔ جن کے ہمراہ ستر ہزار ملائکہ ہوں گے تمہاری قبر پہ نور کے سات قبّے نصب کئے جائیں گے۔ اسرافیل تمہارے لئے تین حُلّے نورانی لائیں گے۔ اور قبر پہ آکر عرض کریں گے۔ اے دُخترِ محمدؐ۔ قبر کے باہر آؤ۔ اور جانب محشر چلو۔ تم قبر سے بے خوف و ہراس لباس پہنے ہوئے آؤ گی۔ حُلّہ ہائے نورانی زیبِ بدن کرو گی۔ پھر ایک فرشتہ ذوقائیل ناقۂ نورانی تمہارے لئے لائے گا۔ جس کی مہار مروارید آبدار کی ہو گی۔ طلائی ہودج اس کی پشت پہ ہو گا۔ فرشتہ تمہارے ناقے کی مہار تھام کر روانہ ہو گا۔ ستر ہزار

فرشتے علمہائے تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے جلوداری کریں گے۔ ستر ہزار حوریں تمہارا
استقبال کریں گی۔ حوروں کے ہاتھ میں انگیٹھیاں ہوں گی۔ جن میں سے عود کی خوشبو
بغیر آگ کے آئے گی۔ ان کے سروں پر مرصع بجواہر تاج ہوں گے۔ یہ حوریں تمہارے
دائیں طرف روانہ ہوں گی۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد مریم بنت عمران ستر ہزار حوروں
کے ساتھ تمہارا استقبال کریں گی۔ یہ حوریں تمہارے بائیں جانب چلیں گی۔ پھر
تمہاری والدہ خدیجہ جو سب سے پہلے ایمان لائی ہیں۔ بڑھیں گی۔ ان کے ہمراہ
ستر ہزار فرشتے علمہائے تکبیر لئے ہوئے ہوں گے۔ قریب میدانِ محشر حضرت
حوّا و آسیہ زنِ فرعون مع ستر ہزار حوروں کے تم سے آکر ملیں گی۔ جب
میدان محشر میں پہنچو گی تو ایک منادی ندا کرے گا کہ اے اہلِ محشر اپنی آنکھوں کو
بند کر لو۔ تاکہ فاطمۃؑ صدیقہ دختر محمد مصطفٰےؐ مع ان خواتین کے جو اُن کے ساتھ ہیں۔
گذر جائے۔ اُس دن تمہارے باپ اور تمہارے جد ابراہیمؑ اور تمہارے شوہر
علی ابن ابی طالب کے سوائے کوئی تمہاری طرف نہ دیکھے گا۔ پھر تمہارے
لئے ایک منبر نصب کیا جائے گا۔ جس کے ستر پائے ہوں گے۔ ایک پائے
سے دُوسرے پائے تک ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ حوریں ادھر ادھر
اوجے گردنیں جھکائے کھڑی ہوں گی۔ تم منبر پر جاؤ گی۔ اُس وقت جبرئیل یہ
پیغام الٰہی پہنچائیں گے کہ اے فاطمۃؑ جو چاہو طلب کرو۔ تم خواہش کرو گی کہ خداوندا!
مجھے حسنؑ و حسینؑ کو دکھا دے۔ دونو فرزند تمہارے پاس آئیں گے۔ حسینؑ کی
گردن سے خون جاری ہوگا۔ اور وہ فریاد کرے گا کہ پروردگارا آج کے دن
اہلِ ظلم سے میرا بدلا لے۔ اُس وقت دریائے قہر جوش زن ہوگا۔ غضبِ الٰہی

سے ملائکہ خروش کریں گے۔ جہنم ایک نعرہ مارے گا۔ جس کے شعلوں کی لپک صحرائے محشر تک آئے گی سارے قاتلانِ حسینؑ کو اٹھائے جائے گی۔ اس وقت ان ظالموں کی اولاد کہے گی کہ خداوندا ہم تو قتل حسینؑ کے وقت موجود بھی نہ تھے۔ جہنم کو ندا آئے گی کہ انہیں پکڑ لے ان کی کبودی چشم اور رُو سیاہی ظاہر کر رہی ہے کہ یہ لوگ دوستانِ حسینؑ پر اپنے بزرگوں سے زیادہ سخت تھے۔ اُن کے بال پکڑ کر جہنم کے اسفل ترین طبقے میں ڈال دو۔ الحدیث

حضرت رسول اللہ سے روایت ہے کہ بروز قیامت جب فاطمہؑ مع جماعتِ نسوان عرصۂ محشر میں آئیں گی تو ان سے کہا جائے گا کہ داخل بہشت ہو۔ وہ کہیں گی میں بہشت میں نہ جاؤں گی۔ جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ میری اولاد سے میرے بعد کیا کیا سلوک کیا گیا۔ ندا آئے گی کہ درمیانِ محشر نظر کرو۔ جب نظر کریں گی۔ تو دیکھیں گی کہ حسینؑ بے سر کھڑا ہے۔ یہ دیکھتے ہی فریاد کریں گی۔ میں بھی فریاد کروں گا تمام ملائکہ میں ایک شور برپا ہوگا۔ اس وقت قہرِ الٰہی کو جنبش ہو گی اور وہ آگ جو ہزاروں سال سے روشن ہے اور سیاہ ہو گئی ہے۔ جس میں ہوا کا گذر نہیں اور کوئی غم ایسا نہیں۔ جو اس سے باہر ہو اسے حکم دیا جائے گا کہ قاتلانِ حسینؑ اور ان حاملانِ قرآن کو چُن لے جنہوں نے اہل بیت سے ہاتھ اٹھایا اور قرآن کو وسیلۂ ظلم و عدوان گردانا۔ آگ فوراً انہیں گھیرے گی۔ آگ فریاد کرے گی۔ اور وہ بھی چلائیں گے۔ آگ بھڑکے گی وہ ملاعنہ شور مچائیں گے۔ اور عرض کریں گے کہ ہم پر بُت پرستوں سے پہلے آگ کو کیوں مسلط کیا۔

خداوند عالم فرمائے گا کہ وہ شخص جو دیدہ و دانستہ اُمورِ بد کا ارتکاب کرے۔ اس

کی شل نہیں ہے جو بنا وانی ارتکاب کرے۔

اس بارے میں روایات کثرت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب فاطمہؑ روز محشر فریاد کریں گی۔ اور ان پر جو مظالم وارد ہوئے ہیں۔ ان کی دادرسی کا وہی دن ہوگا

شفاعت فاطمہؑ

اَب ہم ایک دو روایات اس مضمون کی لکھ کر یہ رسالہ ختم کرتے ہیں کہ جناب شافع محشر کی بیٹی فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا بھی تاج شفاعت سر پر رکھے ہوئے محشر میں تشریف لائیں گی۔ اور آپ کی شفاعت سے ہر مومن فائدہ اٹھائے گا۔

بحار الانوار جلد سابع میں ابوذرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمانؓ اور بلال کو دیکھا کہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلمانؓ رسول اللہ کے قدم پر جھک کر بوسے لینے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے سلمانؓ شاہانِ عجم کے ادب نہ کرو اب میرے ساتھ نہ بجالاؤ۔ میں ایک خدا کا بندہ ہوں۔ میں خدا کا رزق اسی طرح کھاتا ہوں۔ جس طرح اور بندے کھاتے ہیں۔

سلمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا کے لئے ہمیں فاطمہؑ کے فضائل سے جو روزِ قیامت ظاہر ہوں گے، مطلع فرمائیے۔ رسولؐ یہ سن کر شاداں و فرحاں ہوئے۔ اور فرمایا قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے فاطمہؑ عرصۂ محشر میں اس طرح گذریں گی کہ ایک ناقہ کی سواری میں ہوگی۔ جس کا سر خشیتِ الٰہی[1] سے بنا ہوا ہوگا۔ آنکھیں اس کی خدا کے نور سے ہوں گی۔ دُم اس کی قدسیتِ خداوندی کی ہوگی۔ پاؤں اس کے

[1] اس کلام مقدس میں حقائق اصلیہ کو بطور استعارہ بیان فرمایا ہے۔ ۱۲

محبت نیت الٰہی سے پر ہوں گے جب وہ چلے گا تو تسبیح کرے گا۔اور جب کسی طرف میل کرے گا تو قدوس قدوس پکاریگا۔اُس پہ ایک نورانی ہودج ہو گا جس میں جاریۂ انسیہ اور حوریہ عزیزہ ہو گی جو صنعت الٰہی کا بہترین نمونہ ہے۔اول اس کا مشک اذفر ہے۔اوسط اس کا عنبر اشہب ہے اور آخر اس کا زعفران احمر ہے آب حیوان سے اس کا خمیر کیا گیا ہے۔اگر وہ سات کھاری سمندروں میں تھوک دے تو سب میٹھے ہو جائیں اور اگر اپنی چھنگلیا کا ناخن دنیا کی طرف نکال دے تو شمس و قمر کو ماند کر دے۔جبرئیلؑ اس کے دائیں طرف ہوں گے میکائیلؑ بائیں جانب ہوں گے علیؑ اس کے آگے آگے ہوں گے اور حسنینؑ اُس کے پیچھے پیچھے خداوند عالم اس کا حافظ و نگہبان ہو گا جب عرصۂ محشر میں اس شان سے سواری پہنچے گی تو خداوند عالم کی طرف سے ندا آئے گی کہ اے اہل محشر اپنی آنکھیں بند کر لو۔اپنا سر جھکا لو یہ فاطمہؑ تمہارے نبی کی بیٹی ہے تمہارے امام علی (علیہ السلام) کی زوجہ ہے حسنینؑ کی والدہ ہے۔پس وہ صراط سے گذر جائے گی۔اس پر دو سفید چادریں ہوں گی جب داخل جنت ہو گی اور انعامات خداوندی کو دیکھیں گی تو کہیں گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا الغفور شکور الذی احلنا دار المقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب۔ تمام حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے ہم سے تمام حزن و ملال کو دور کر دیا۔بیشک ہمارا پروردگار مغفرت کرنیوالا اور شکر قبول کرنیوالا ہے وہ خدا جس نے ہمیں اپنے فضل و احسان میں جگہ دی جہاں ہم کو نہ کوئی تکلیف پہنچیگی اور نہ کسی قسم کی اذیت مس کریگی۔اس وقت فاطمہؑ کو خداوند عالم کی جانب سے وحی ہو گی کہ اے فاطمہؑ سوال کرو میں عطا کرونگا۔فاطمہؑ عرض کریگی۔الٰہی تو ہی ہماری آرزو ہے۔اور ہماری آرزو سے بہت بلند ہے۔میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ میرے محبوں اور میری ذریت کے محبوں کو جہنم سے بچالے۔اُس وقت خدا کی طرف سے وحی ہو گی کہ اے فاطمہؑ مجھے اپنی عزت

اپنے جلال اور اپنے مرتبہ بلند کی قسم ہے کہ خلقت زمین آسمان سے دو ہزار برس پہلے میں نے اپنے اُوپر لازم گردان لیا ہے کہ میں تیرے محبوں اور تیری ذریت کے محبوں کو آگ کے عذاب سے محفوظ رکھونگا

علل الشرائع میں محمد ابن مسلم ثقفی سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت باقر علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے کہ روز قیامت فاطمہؑ دروازہ جہنم پر کھڑی ہونگی یہ وہ دن ہوگا کہ ہر مومن و کافر کی پیشانی پر لکھ دیا جائیگا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے ایس ایک محب جس کے گناہ بکثرت ہونگے آگ کی طرف لیجایا جائیگا۔ فاطمہ علیہا السلام اس کے نوشتہ پیشانی کو پڑھینگی۔ اور عرض کرینگی کہ خداوندا تو نے میرا نام فاطمہؑ رکھا ہے اور میرے سبب سے میرے محبوں اور میری ذریت کے محبوں کو آتش جہنم سے آزاد کیا ہے۔ تیرا وعدہ حق ہے اور تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ خداوند عالم کی جانب سے ندا آئیگی اے فاطمہؑ تو سچ کہتی ہے میں نے تیرا نام فاطمہؑ رکھا ہے میں نے تیرے محبوں اور تیری ذریت کے محبوں کو آتش جہنم سے چھڑا لیا ہے۔ میرا وعدہ حق ہے اور میں خلاف وعدہ نہیں کرتا میں نے جو اس بندے کو آگ کی طرف لیجانے کا حکم دیا اسکی وجہ یہی ہے کہ تم اسکی شفاعت کرو اور میں تمہاری شفاعت قبول کروں تاکہ میرے ملائکہ میرے انبیاء و رسل اور اہل محشر کو معلوم ہو کہ تیری منزلت میرے نزدیک کیا ہے۔ اب تم جس شخص کی پیشانی پر مومن لکھا ہوا دیکھو اس کا ہاتھ پکڑو اور جنت میں داخل کردو۔

خوشا حال ان مومنین صادقین کا جو شفاعت فاطمہؑ سے متمتع ہوں اور کامیاب ہوں۔

الٰھی وسیدی ارزقنی شفاعۃ نبی المختار و آلہ الاطھار یوم لا ینفع مال ولا بنون وانت العزیز الغفار و آخر دعانا الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین الطاھرین

———

مفصّل سوانحِ عمری حضرتِ امیر المومنین علی علیہ السّلام

نفس رسول جلد اول اعجاز الولی۔ تصنیف آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید علی حیدر نقویؒ

اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح قرآن مجید اسلام کا زندہ معجزہ ہے بالکل اسی طرح حضرت رسولؐ خدا کے اہل بیت طاہرین اور خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ کی ذات بھی اسلام کا نہایت عظیم الشان اور بے نظیر معجزہ ہے۔ کیونکہ حضرت کے مخالفین بھی کروڑوں گذر گئے جو آپ کے فضائل وکمالات ودینی خدمات و اسلامی احسانات چھپانے بلکہ مٹانے کی انتھک کوشش کرتے رہے مگر وہ لوگ کسی طرح بھی آفتاب پر خاک نہیں ڈال سکے۔ اور اب بھی حضرت کے علمی وعملی اور دینی ودنیوی کارنامے کتابوں میں اس کثرت سے بھرے ہوئے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا صلعم کے سوائے کسی کے بھی نہیں مل سکتے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خدا نے حضرتؑ کو حضرت رسولِ خدا کا نفس قرار دیا ہے۔ بہترین کتابت وطباعت قیمت ۱۲/۵۰ مجلد ۱۵/-

نفس رسول جلد دوم قرآن ناطق تصنیف آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید علی حیدر نقویؒ

اس جلد میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کی شان میں نازل ہونے والی آیات کو جمع کیا گیا ہے۔ اور علمائے اسلام کی بڑی بڑی کتب تفسیر سے ثابت ومحقق کیا گیا ہے کہ یہ سب آیتیں حضرت ہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک قیمتی خزانہ، یگانہ روزگار تفسیر۔

بہترین کتابت وطباعت قیمت مجلد ۱۲/۵۰ سائز ۲۰×۲۶/۸

نفس رسول جلد سوم ثقل اکبر۔ تصنیف آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید علی حیدر نقویؒ۔ زیر طبع

نفس رسول جلد چہارم سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حصّہ اوّل

تصنیف آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سید علی حیدر نقویؒ۔ کتاب کے اس حصّہ میں حضرت

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے خاندان اور بزرگوں کے مفصل حالات لکھ کر حضرت کی ولادت باسعادت سے حضرت رسول خدا صلعم کی وفات حسرت آیات تک کے پورے سوانح زندگی کمال تحقیق و صحت سے درج کئے گئے ہیں۔ بہترین آفسٹ کتابت۔ بہترین آفسٹ طباعت۔ قیمت مجلد -/۱۲ روپے سائز ۲۶×۲۰/۸

نفسِ رسول جلد پنجم سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حصّہ دوم

تصنیف آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سیّد علی حیدر نقویؒ:۔ کتاب کے اس حصّہ میں وفات حسرت آیات حضرت رسولؐ صلعم سے حضرت عثمان کے قتل تک کے مستند حالات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد -/۲۰

نفسِ رسول جلد ششم سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حصّہ سوم

تصنیف آقائے سیّد علی حیدر نقوی رحہ کتاب کے اس حصہ میں حضرت عثمان کے قتل سے آپ کی بیعت ہونے تک کے مصدقہ حالات کی تفصیل ہے کہ آپ کی بیعت کس طرح ہوئی۔ قیمت -/۱۴

نفسِ رسول جلد ہفتم سوانحِ عمری حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حصّہ چہارم

تصنیف آقائے سید علی حیدر نقوی رحہ کتاب کے اس حصہ میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے عہد خلافت کے حالات کی تفصیل کمال تحقیق و صحت سے درج کی گئی ہے۔ زیر طبع تصنیف سید علی حیدر نقویؒ

نفسِ رسول جلد ہشتم ندائے عدالت انسانی

کتاب کی یہ جلد لبنان کے ایک عیسائی محقق جارج جرداق کی مشہور عالم تصنیف صوت العدالۃ الانسانیۃ الامام علی۔ کا ترجمہ ہے بلیغ اردو زبان میں ناظرین کے سامنے پیش

کرنے کی سعادت حضرت علامہ سید محمد باقر نقوی مدظلہ کو حاصل ہے۔ اس کتاب میں امیرالمومنین کی زندگی کے ایسے گوشواروں کی طرف اس عیسائی مصنف نے توجہ دلائی ہے کہ آج تک کسی مسلم یا غیر مسلم مصنف کو ان عناوین پر قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ قسم اول مجلد ۱۵ قسم عام ۱۲/- مجلد

نفسِ رسول جلد نہم علیؑ اور فرزندانِ علیؑ۔ زیر طبع

دیگر قابلِ مطالعہ کتب

تہذیب الاسلام:۔ یہ کتاب حلیۃ المتقین تالیف علامہ محمد باقر مجلسی کا ترجمہ ہے۔ جس کو مولانا مقبول احمد صاحب نے سلیس اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں انسانی زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو سے متعلق اسلامی اخلاق کو محمد و آلِ محمد کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ قیمت مجلد مع رنگین ڈسٹ کور ۱۵/-

ملاقات امام علیہم السلام:۔ تصنیف عالیجناب سید محمد صاحب قبلہ مجتہد العصر امروہوی

یہ کتاب حضرت حجت علیہ السلام کے حالات بابرکات پر مختصر، مدلل بہت آسان کتاب ہے۔ یہ کتاب حضرت کی معرفت کے جملہ مضامین میں جامعیت کی حیثیت سے باوجود اختصار کے بے نظیر کتاب ہے۔ بزمانہ غیبت کبریٰ حضرت سے ملاقات کے واقعات کا کوئی مجموعہ اردو زبان میں اب تک شائع نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں یہ پہلی کتاب ہے اس کی ترتیب کا نیا رنگ ہے۔ سادہ طرز ہے۔ الفاظ میں وہ روانی ہے کہ ہر مطلب کی تصویر کھنچ جاتی ہے۔ اس کتاب میں چودہ بصیرت افروز مضامین اور ایک سو چودہ واقعات ملاقات و معجزات درج ہیں۔ قیمت مجلد عام ۸/- قسم اول ۱۰/- مجلد

مقام اہلبیتؑ مع اضافہ:۔ از علامہ محمد بشیر صاحب قبلہ انصاری ۱۰/-

muhammad Idrees